اپنے من میں ڈوب کر، پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

پا جا سُراغِ زندگی

افادات

محبوب العلماء والصلحاء عارف باللہ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی زید مجدہ

Faisal International

تفصیلات

نام کتاب: پاجائر اغ زندگی

افادات: محبوب العلماء والصلحاء عارف باللہ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی زید مجدہ

صفحات: ۳۸۴

سن اشاعت: ۲۰۱۳ء

ناشر: فیصل انٹرنیشنل دہلی

قیمت: -/150 روپے

فیصل انٹرنیشنل دھلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پاجا سراغِ زندگی

افادات

محبوب العلماء والصلحاء عارف باللہ

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد صاحب نقشبندی مجددی زید مجدہ

ناشر

فیصل انٹرنیشنل دہلی

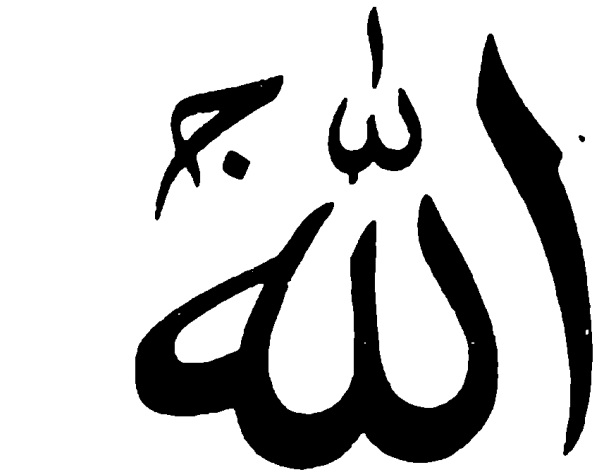

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ
وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَاَنْزِلْهُ
الْمَقْعَدَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ

اللہ تعالیٰ، رحمت نازل فرمائے آپ پر اور آپ کے آل پر جو آپ کریں میری شفاعت کس پر واجب اور ضروری ہے۔ طبرانی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عرض احوال

حضرت اقدس دامت برکاتہم کی شخصیت عالم عرب وعجم میں کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ کی شخصیت میں اللہ تعالیٰ نے مقناطیسیت اور جاذبیت رکھی ہے۔ جو افراد معاشرے کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ حضرت جی دامت برکاتہم کی گفتگو میں تقویٰ کا حسن علم کی خوشبو پاکیزگی کا جمال اور عمل کی لذت ہوتی ہے۔ آپ کے بیان میں سوز رقت اور واردات قلبی کا اظہار ہے۔ حضرت جی دامت برکاتہم اپنی کیفیات باطنی کو چند جملوں میں بیان فرما کر اہل دل حضرات کو سوز کا بہت بڑا سرمایہ عطا فرمادیتے ہیں۔ حضرت جی دامت برکاتہم کی زندگی کا مشن حضور اکرم ﷺ کا پیغام زندگی جو ابدی نجات کا ذریعہ ہے زیادہ سے زیادہ مسلمانوں تک پہنچانا ہے۔

جی میں آتا ہے کہ اس نام کی خوشبو لے کر
سارے عالم میں پھروں اور بادصبا ہوجاؤں

اس مقصد کے حصول کے لیے حضرت جی دامت برکاتہم کا بسا اوقات صبح ایک ملک میں دوپہر دوسرے ملک میں اور شام ایک اور ملک میں بسیرا ہوتا ہے۔ تبلیغی اسفار میں آپ کے جذب وشوق کی ترجمانی کے لیے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

سچ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی سے کام لیتے ہیں تو اس کے اوقات میں بھی برکت عطا فرمادیتے ہیں۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایسے اللہ والے جہاں سے گزرتے تھے وہاں ہدایت پھیل جاتی تھی۔ دنیائے روحانیت کے

تاجدار حضرت جی دامت برکاتہم بھی جہاں تشریف لے گئے الحمدللہ بڑی تعداد میں لوگ تائب ہوجاتے ہیں۔'

الحمدللہ آپ کی شخصیت بڑی مؤثر' دل آویز اور ہمہ گیر ہے' آپ سرتاپا عمل اور مجسم جدوجہد کے حامل' نہ تھکنے والے' نہ مایوس ہونے والے نہ پست ہونے والے داعی ہیں۔ امت کی تربیت وتعلیم میں آپ کا سوز کچھ اس طرح سے ہے۔ ؎

ہے وہی تیرے زمانے کا امام برحق
جو تجھے حاضر موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینہ میں تجھ کو دکھا کر رخ دوست
زندگی اور بھی تیرے لیے دشوار کرے
دے کے احساس زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

بربط حیات کا وہ کون سا تار ہے جو مفکر اسلام حضرت اقدس دامت برکاتہم نے نہ چھیڑا ہو اور جن کے سرمدی نغموں نے زندگی کے اسرار ورموز کا انکشاف نہ کیا ہو۔

حضرت جی دامت برکاتہم کے بیانات ودیگر تصنیفات کیا ہیں؟ وہ ایک ایسا درد دل ہے جس کا مشاہدہ یوں کیا جاسکتا ہے۔

سلطان عالمگیر کی بیٹی نے جیسے کہا: ؎

درسخن مخفی منم' چوں بوئے گل در برگ گل
ہرکہ دیدن میل دارد' درسخن بیندمرا

ترجمہ: میں اپنے کلام میں مخفی ہوں' جس طرح کہ پھول کی مہک اس کی پتیوں میں پنہاں ہوتی ہے' جو شخص مجھے دیکھنے کی خواہش رکھتا ہو' میرے کلام میں مجھے دیکھ لے حقیقت یہ ہے کہ کلام کسی کا بھی ہو وہ اپنے متکلم کا عکس ہوتا ہے جس سے اس کے بلیغ علم' زور بیان' انداز فکر اور طرز استدلال کا بخوبی پتہ چل جاتا ہے۔

زیرِ نظر کتاب حضرت جی دامت برکاتہم کے چند خطبات کا مجموعہ ہے۔اس سے قبل حاصل پور کے ادارہ نے اسے شائع کیا تھا، اب فیصل انٹرنیشنل نئی دہلی اسے شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔اللہ رب العزت شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین بحرمتہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

اجازت ہو تو آ کر میں بھی ان میں شامل ہو جاؤں
سنا ہے کہ کل تیرے در پر ہجوم عاشقاں ہوگا

دعاؤں کے طالب

صدیقی برادران

فیصل انٹرنیشنل

فہرست مضامین

۞ ..... عرض ناشر 5

① اللہ اللہ کیسا پیارا نام ہے 23

۞ ..... محبت الٰہی فرض عین ہے 24

۞ ..... عقل و بصیرت سے معرفت ملتی ہے 25

۞ ..... جہنم میں بھیجنے سے بھی بڑی سزا 26

۞ ..... جنت میں سب سے بڑا انعام 27

۞ ..... خوشی کے آنسو 28

۞ ..... خائفین کا مقام 30

۞ ..... سالک کی ایک خاص نشانی 31

۞ ..... عشق اور فسق کی طرف بلانے والے 31

۞ ..... قدر دانوں سے اپنے رب کی قدر پوچھو 32

۞ ..... اسم جلالہ کے معارف 33

۞ ..... کتاب ''فتح اللہ'' کا اجمالی تعارف 34

۞ ..... قرآن مجید کا نچوڑ 34

۞ ..... دو معرفوں کا متحمل نام 36

۞ ..... بے نقطہ..... توحید کا پیغام 36

۞ ..... سب اشارے اللہ کی طرف 37

۞ ..... تکمیل ایمان 38

۞ ..... دور ہاں گم کرنے والا نام 38

۞ ..... اسم ذات کی برکات 39

۞ ..... اسم اعظم 40

۞ ..... صوفی کی صفات 44

۞ ..... یا اللہ کہہ کر پکارنے میں راز 46

۞ ..... اسم ذات کے حروف کی معرف 46

۞ ..... ہاتھ کی انگلیوں سے اسم ذات کا نقش 47

۞ ..... حضرت عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کا کشف 48

۞ اسم ذات کی انفرادیت 48

۞ ..... اسم ذات کی برکت سے صور پھونکنے میں تاخیر 48

۞ ..... اسم ذات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تعریف 49

۞ اللہ کا نام لینے سے نور برستا ہے 50

۞ سورۃ مجادلہ کی ہر آیت میں اسم ذات لانے کی وجہ 51

۞ چالیس کے عدد کی برکتیں 52

۞ ..... آہ اور اسم ذات 52

۞ اسم ذات کا استعمال 53

۞ ..... سکون کی تلاش 64

۞ ..... عین الیقین کا مقام حاصل کرنے کی ضرورت 65

۞ ..... اللہ اللہ کرنے کی مقدار 66

۞ ..... وہ تجلی کی تاب نہ لا سکا 68

۞ ..... آنسوؤں سے خوشبو 68

۞ ..... منہ سے خوشبو 68

۞ ..... اسم ذات کے لیے انا اور محن کا استعمال 69

..... پروردگار عالم کا اپنے عاشقوں سے پیار 70

..... جنتیوں کے چار گروہ 71

..... محبت الٰہی مانگنے کی تعلیم 73

..... دنیا اور آخرت میں خوشخبری 74

..... اسم ذات میں مشغولیت کی انتہا 74

..... پیاروں کی دلداری 77

..... صفاتی ناموں کے معارف 78

..... غلاف کعبہ پر دو صفاتی ناموں کی کثرت 78

..... حنان کا مفہوم اور معارف 79

..... منان کا مفہوم اور معارف 80

..... کریم کا مفہوم اور معارف 81

..... رحمان اور رحیم کے معارف 82

..... رحمتِ الٰہی کی انتہا.....!! 84

② ایمان اور محبت الٰہی 88

..... تمہید 88

..... ایمان والوں سے محبت 89

..... محبت کی چار وجوہات 92

..... پہلی وجہ حسن و جمال 92

..... دوسری وجہ 97

..... تیسری وجہ 98

..... چوتھی وجہ 99

..... محبوب حقیقی 101

..... خاص راتوں کی عبادات	104
..... معراج محبت	105
..... عشق کا سودا	106
..... کرائے کا کھلاڑی	107
..... محبت الٰہی کا عجیب واقعہ	108
..... اولیاء کی شان	108
..... دل کو دل سے راہ ہوتی ہے	111
..... اللہ والوں کی نظر	112
..... حضرت محمود الحسن گنگوہی کا رحمۃ اللہ علیہ انداز بندگی	112
..... حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے لطف کی چیز	113
..... شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ کی حالت	113
..... عشق کی دکانیں تو یہ ہیں	114
③ خوف الٰہی کے انعامات	118
..... تمہید	118
..... خوف اور حزن کیا ہے؟	119
..... اللہ ہر چیز پر قادر ہے	120
تقویٰ کا مفہوم	122
..... منشاء اللہ ہی کی پوری ہوتی ہے	122
..... خوف کے درجات	124
اللہ کی گرفت	127
عجب کا علاج	128
نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا خوف الٰہی	130

- سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خوف الٰہی 130
- سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا خوف الٰہی 131
- خوف کی مثال 132
- ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا خوف 132
- حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا غلبہ خشیت الٰہی 133
- حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی گریہ زاری 133
- اللہ کا خوف 134
- حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا خوف الٰہی 135
- اللہ رب العزت کا جلال 135
- نماز کی فضیلت 138
- اونٹ کا خوف خدا 139
- رابعہ بصریہ کی التجا 141

④ کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے 144

- اللہ تعالیٰ کے دو صفاتی ناموں کی وضاحت 144
- گنہگاروں سے اللہ تعالیٰ کا محبت بھرا خطاب 145
- نفس و شیطان کے پھندے 146
- اللہ تعالیٰ کی نعمتیں 147
- انسان کی بے رخی 148
- اسی کا کھا کر اسی کے شکوے 149
- کتنے بڑے حوصلے پروردگار کے 150
- ہمارا حوصلہ 151
- نماز کے معاملہ میں چھوٹ 151

- حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ 152
- امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے لیے توبہ کی سہولت 153
- سو آدمیوں کا قاتل جنت میں 153
- قارون کی سرکشی کا واقعہ 155
- ایک چغل خور پر اللہ کی رحمت وعطا 157
- اللہ تعالیٰ کے باغی کے حقوق 158
- لمحہ فکریہ 159
- گناہ گار پر اللہ تعالیٰ کی نوازشات 160
- گناہوں کا نیکیوں میں بدلنا 161
- گناہ کا طعنہ دینے والے کے لیے وعید 161
- رحمت اور فضل میں فرق 162
- اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ کب آتی ہے 162

⑤ حسن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم 168

- حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا 168
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خوشخبریاں 169
- ثناء خوانوں میں نام لکھوانے کے لیے 169
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور رضاعت 170
- حضرت حلیمہ سعدیہؓ کی سعادت 170
- حلیمہ سعدیہؓ کا گھر برکات کی برکھا بن گیا 171
- ایک کہانی حضرت شیما کی زبانی 172
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حیا 172
- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ 173

۞ ..... حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی نعت 175

۞ ..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت 175

۞ ..... چاند سے تشبیہ 176

۞ ..... حضرت نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت رسول صلی اللہ علیہ وسلم 176

۞ ..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق 176

۞ ..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم محبوب کل جہاں تھے 177

۞ ..... جمادات کے محبوب 177

۞ ..... نباتات کے محبوب 178

۞ ..... جانوروں کے محبوب 179

۞ ..... اونٹ نے بتایا 179

۞ ..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت 180

۞ ..... سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم 181

۞ ..... شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اظہار عقیدت 184

۞ ..... سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم 185

۞ ..... سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم 186

۞ ..... سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم 187

۞ ..... سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم 187

۞ صحابہ کرامؓ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم 189

۞ ..... ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم 190

۞ ..... بچوں کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم 191

۞ ..... حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم 192

۞ ..... اکابرین دیوبند میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انداز 193

⑥ عشاق رسالت ﷺ	196
..... تمہید	196
..... حضور ﷺ سے محبت ایمان ہے	196
..... صحابہؓ کی حضور ﷺ سے محبت	197
..... صحابیؓ نے سوال کیا	197
..... بڑے عاشق	197
..... حضرت بلالؓ کا عشق رسول ﷺ	198
..... شام کی فتح اور اذان بلالی	198
..... مدینہ میں اذان اور صحابہ کرامؓ اشک بار	198
..... حضور ﷺ کی دعا	200
..... خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ اور محبت رسول ﷺ	201
..... پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور محبت رسول ﷺ	202
..... مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور محبت رسول ﷺ	202
..... امام رفاعی رحمۃ اللہ علیہ اور محبت رسول ﷺ	204
..... علم حدیث والے نوازے گئے	205
..... سلام کا جواب آتا	205
..... مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ اور محبت رسول ﷺ	205
..... حضور ﷺ تو تقسیم کرنے والے ہیں	206
..... ادب ملحوظ خاطر رکھیں	207
..... بے ادبی پر پکڑ	207
..... وقت قیمتی بنائیں	209
..... فرمان رسالت ﷺ پر غور کرو	209

..... مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم 210

⑦ تصوف کا مقصد 212

..... انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے 212

..... جسم اور روح کی بیماریاں 214

..... اگر علاج میں غفلت ہو 215

..... شریعت کے دو حکم 217

..... تصوف کیا ہے 218

..... دنیائے روحانیت کے ٹیسٹ 220

..... تعلیمات اور کیفیات 222

..... اگر اصلاح چاہے تو 224

..... اکابرین کا کمال 224

..... چار کا عدد 226

..... حضرت جبرائیل علیہ السلام دربار نبوی میں 227

..... اللہ دیکھ رہا ہے 230

..... چند کفریہ کلمات 231

..... ایمان بہت نازک ہے 231

..... تصوف عربی ہے عجمی نہیں 232

..... یک زمانہ صحبت با اولیاء کی تشریح 234

..... اعمال کا دارومدار نیت پر ہے 236

..... قلب کی حقیقت 236

..... ہر کام رضائے الٰہی کے لیے کرو 237

..... اپنی نیت کا رخ ٹھیک رکھنا 237

۞ ..... تصوف کی نعمت کیسے ملے گی 238

۞ ..... تصوف کا اصل مقصود 238

۞ ..... حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان 238

۞ ..... مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ 239

۞ ..... اکابرین اور تصوف 240

۞ ..... بس اللہ راضی ہو جائے 242

۞ ..... چند مثالیں 242

۞ ..... بہترین نسخہ جات 244

⑧ نیکی اور بدی 248

۞ ..... تمہید 248

۞ ..... انسان صفات کا مجموعہ ہے 248

۞ ..... انسانی زندگی پر غور کرو 250

۞ ..... نعمتوں کا مقصد 251

۞ ..... مثال سے وضاحت 252

۞ ..... اوقات یاد رکھو 252

۞ ..... سوچ کا امتحان 253

۞ ..... نعمتوں کی تکمیل 254

۞ ..... اللہ تعالیٰ آزماتے ہیں 255

۞ ..... نیکی اور گناہ کے اثرات ہوتے ہیں 256

۞ ..... اگر نعمت کا صحیح استعمال نہ کیا تو 259

۞ ..... اللہ کے راستہ کی برکت 261

۞ ..... جہنم میں تکلیف 261

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان	263
قرآن فہمی کا عجیب واقعہ	263
ذرا غور کرو	266
امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا وقعہ	266
توبہ کرلیں	268
گناہ پر آٹھ گواہ پیش ہونگے	269
شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا	273
مرزا بے دل کا واقعہ	274
ایک ولی کی بات	275
گناہ سے کون بچے گا؟	276
سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات	277
رحمت خداوندی کا دریا	278
عقل مند فقیر	280
⑨ دو راستے	284
تمہید	284
حکم اللہ تعالیٰ کا چلتا ہے	285
سننا اور سمجھنا مومن کی شان ہے	290
پریشانیوں کی وجہ	291
جب اعتراف جرم کیا	292
قیمتی بات	293
بندہ بندہ ہوتا ہے	294
غم پر شکوہ نہ کریں	294

..... حقیقت نہ بھولو	295
..... حکم بڑا ہوتا ہے	297
..... ہم عظمت الٰہی کو دیکھیں	299
⑩ ماں کی عظمت	306
چھپا ہوا خزانہ	306
..... انسانوں میں محبت کا نظارہ	307
..... محبت کی مثالیں	307
..... ہرنی کی فریاد	309
..... چائنہ میں زلزلہ اور مامتا	310
..... ماں کی محبت	311
..... کھلا کر خوشی ہوئی	311
مسئلہ حل ہو گیا	312
..... حج اور عمرے کا ثواب	313
..... گناہ کے بخشوانے کی صورت	313
..... جنت ماں کے قدموں تلے ہے	313
جنت میں تلاوت کی آواز	313
..... حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام	314
والدین کی خواہش	315
ماں کی محنت کا ثمر	315
ماں نے بیٹا وقف کیا	316
اصل کمال ماں کا ہے	317
والدین کی تربیت	318

- والدین کی عظمت جاننے کی ضرورت ہے 319
- ماں کی گود 320
- ماں کی دعا جنت کی ہوا 320
- ماں کی ہستی 320
- ماں کی دعا کی برکت سے 321
- حضور ﷺ کی دعا 321
- والدہ کی خدمت کا صلہ 323
- ایک ماں کی بات 324
- ماں کی دعا سے محروم 327
- کمی کا احساس ہوتا ہے 327
- ماں ماں ہوتی ہے 327
- خالہ کی خدمت والدہ کی خدمت 328
- جب ماں جدا ہوتی ہے 329
- دو جدا ہونے والے 330

(۱۱) علم کی بہاریں 334

- علم کی فضیلت 334
- علم بلند کرتا ہے 335
- علم عزتیں دیتا ہے 340
- دو جماعتیں 342
- دعا قبول ہوئی 343
- اللہ والوں کو تین انعام 347
- دل یوں لگتا ہے 348

- عظمت کی بلندیوں پر 348
- علم سے اعتماد ملتا ہے 352
- علم وعمل کی طاقت 352
- عبادت ہی عبادت 354
- علماء کی نیند عبادت ہے 355
- علم حصول جنت کا ذریعہ 356
- تین کے لیے جنت کا وعدہ 356
- علم کا سوال اور چار جنتی 357

(۱۲) دنیاوی زندگی کی حقیقت 360

- سفر آخرت کے مسافر 360
- دنیا امتحان گاہ ہے 361
- دو قسم کے گناہ 361
- تکبر ایٹمی گناہ 362
- نفس کو مارنے کا مطلب 362
- دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشہ ہے 363
- دنیا کیا ہے؟ 364
- دنیا کے طالب کتے 364
- کتے سے تشبیہ کی وجہ 365
- آخرت دنیا پر مقدم ہے 366
- دنیا سے کنارہ کشی کا مطلب 367
- طمع کے یار 367
- دنیا کی حقیقت 367
- فقیری کا مزا شاہی میں نہیں 368
- اللہ والوں کے خادم 368

..... اللہ والوں کی حکومت 369
..... صبر جمیل اور ہجر جمیل 369
..... دنیا ضدین کا مجموعہ ہے 370
..... موت کا وقت مشکل ترین وقت 370
..... حق و باطل کی کھلی نشانیاں 370
..... انسان میں حق و باطل کی مخفی جنگ 372
..... مٹی سے مانوسیت 372
..... فقراء کی اغنیاء پر فضیلت 372
..... فقراء کی دوستی کا فائدہ 373
..... ٹھنڈا سانس سو سال کی عبادت کے برابر 374
..... ایک گناہ گار اور ایک عابد کا انجام 375
..... غریب کی آہ سے ڈرو 375
..... بڑے بوجھ والے لوگ 376
..... مالدار یا مال کے چوکیدار 377
..... عزت والا کون؟ 377
..... اللہ تعالیٰ اخلاص کو دیکھتے ہیں 377
..... اخلاص کی کمی پر اجر کی کمی 378
..... وزن اعمال کی سائنسی توجیہہ 378
..... اجتماع کا بنیادی مقصد 380
..... اتباع میں وقت کیسے گزاریں 381
..... چنے ہوئے لوگوں کا مجمع 382
..... اپنے وقت کو قیمتی بنائیں 383
..... ازلی دشمن سے ہوشیار!!! 383

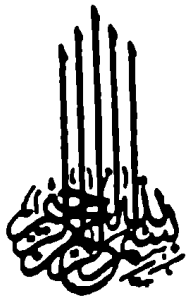

پاجا سراغ زندگی

اللہ اللہ کیسا پیارا نام ہے

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مجددی نقشبندی مدظلہ

اللہ اللہ کیسا پیارا نام ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلٰمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ وَ لَوْ یَرَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ یَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا وَّ اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِذَابِ (البقرۃ:۱۶۵)

وقال اللہ تعالیٰ فی مقام اٰخر اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِہٖ خَبِیْرًا (الفرقان:۵۹)

وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِھَا (الاعراف:۱۸۰)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَ سَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

محبت الٰہی فرضِ عین ہے:

''اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے''

اس کا بامحاورہ ترجمہ یوں بنے گا:

''ایمان والے اللہ رب العزت کی محبت میں سرشار ہوتے ہیں''

اللہ رب العزت سے محبت کرنا فرض عین ہے۔ یہ ایمان کی بنیاد ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ایک عجیب بات فرماتے تھے کہ جس شخص نے اللہ رب العزت کو پہچانا وہ اس سے محبت کیے بغیر نہیں رہ سکتا اور جس نے دنیا کی حقیقت کو پہچانا وہ اس سے نفرت کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کتب سابقین میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے! میں تجھے دوست رکھتا ہوں اپنے اس حق کے سبب سے جو تجھ پر ہے اب تو بھی مجھے اپنا دوست بنالے۔ یہ محبت کا راستہ شارٹ کٹ ہے۔

راہ برسوں کی طے ہوئی پل میں
عشق کا ہے بہت بڑا احسان

جو انسان عشق کے پروں کے اڑتا ہے اس کے لیے وصول الی اللہ کا راستہ بہت چھوٹا بن جاتا ہے۔

عقل و بصیرت سے معرفت ملتی ہے:

سائنس کہتی ہے کہ انسان کے پانچ حواس ہیں۔ جبکہ علماء کے نزدیک چھ حواس ہیں۔ پانچ حواس تو وہ ہیں جو سائنس بھی مانتی ہے۔

① قوت باصرہ..... دیکھنے کی قوت
② قوت سامعہ..... سننے کی قوت
③ قوت شامہ..... سونگھنے کی قوت
④ قوت ذائقہ..... چکھنے کی قوت
⑤ قوت لامسہ..... محسوس کرنے کی قوت

ایک اور حس بھی ہے جس کو عقل و بصیرت کہتے ہیں۔ سائنس اسے نہیں مانتی، ہم مانتے ہیں۔ یہ چھٹی حس سب سے اعلیٰ حس ہے کیوں کہ پانچ حواس تو جانور میں بھی شامل

ہیں۔انسان کی امتیازی شان چھٹی حس کی وجہ سے ہے۔

ہر حس کی اپنی لذتیں ہیں۔عقل وبصیرت والی حس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ملتی ہے اور معرفت کی لذتیں سب سے زیادہ ہوتی ہیں۔مثال کے طور پر ایک آدمی بہت ہی خوب صورت پھول دیکھتا ہے تو وہ اپنی بینائی کے بقدر اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔جس کی وجہ سے بینائی ٹھیک ہوگی وہ تو اس کے شیڈ کو دیکھ کر اور خوش ہوگا اور جس کی بینائی ٹھیک نہ ہو، اسے پانچ نمبر کا چشمہ لگا ہوا ہو اور اس وقت اس کے پاس چشمہ بھی موجود نہ ہو تو اس کو پھول پوری طرح نظر نہیں آئے گا۔پھول کی خوب صورتی وہی ہے۔جو اس کے حسن کو باریکی سے دیکھ رہا ہوتا ہے وہ لذت پا رہا ہوتا ہے اور جس کے سامنے اس کے حسن کی حقیقت نہیں کھلتی، وہ آدمی لطف اندوز ہونے سے قاصر ہوتا ہے۔

اسی طرح جس طرح انسان کو اللہ رب العزت کی معرفت حاصل ہو جائے اس کو وہ لذتیں ملتی ہیں جو کسی اور طریقہ سے ملنا ممکن نہیں ہوتیں۔

جہنم میں بھیجنے سے بھی بڑی سزا:

قیامت کے دن سب سے بڑی سزا یہ ہوگی کہ اللہ رب العزت نافرمانوں کو اپنے دیدار سے محروم فرمائیں گے۔یہ جہنم میں بھیجنے سے بھی بڑی سزا ہے۔اللہ رب العزت اس کے ساتھ ہم کلامی سے بھی انکار فرمادیں گے۔چناں چہ ارشاد فرمائیں گے:

﴿اِخْسَئُوْا فِیْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ﴾ (المومنون:۱۰۸)

''پڑے رہو پھٹکارے ہوئے اس میں اور مجھ سے گفتگو مت کرو''

اس کے بعد ان میں سے کوئی بندہ اللہ رب العزت سے ہم کلامی نہیں کر سکے گا۔

ایک اور مقام پر قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَ لَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ (آل عمران:۷۷)

''نہ ہم کلام ہوگا ان سے اللہ اور نہ نگاہ کرے گا ان کی طرف قیامت کے دن''

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نبی علیہ السلام کی موجودگی میں یہ آیت پڑھی:

﴿كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ﴾ (مطففین:۱۵)

''اور مجرم لوگ قیامت کے دن اس حال میں ہوں گے کہ ان کے اور پروردگار کے درمیان حجاب ہوگا''

جب نبی علیہ الصلوۃ نے یہ آیت سنی تو آپ ﷺ کو رونا آ گیا۔

جنت میں سب سے بڑا انعام:

اللہ رب العزت کا کسی بندے کو اپنے دیدار سے محروم کر دینا سب عذابوں سے بڑا عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ کا کسی کو اپنا دیدار کرا دینا سب انعامات سے بڑا انعام ہے۔

حدیث پاک میں بھی آیا ہے کہ جنتی لوگوں کو بڑا انعام یہی ملے گا۔ چناں چہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّ اَهْلَ الْجَنَّةِ يَدْخُلُوْنَ عَلَى الْجَبَّارِ كُلَّ يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ فَيَقْرَاُ عَلَيْهِمُ الْقُرْآن))

''بے شک جنتی لوگ اللہ رب العزت کے حضور دن میں دو مرتبہ پیش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان (جنتیوں) کو خود قرآن سنائیں گے''

وہ مجلس کیسی ہوگی اور اس کے لطف اور مزے کیسے ہوں گے.....!!!

آج جب کوئی اچھا قاری قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے تو انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل پر عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ جب اللہ رب العزت اپنا کلام خود سنائیں گے اور ایمان والے سننے والے ہوں گے تو سوچئے اس وقت لذت کا کیا عالم ہوگا۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ جب لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو ان میں سے بعض کو اللہ

رب العزت کا دیدار نصیب ہوگا۔

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (القیمۃ: ۲۲،۲۳)

''کئی چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے''

قیامت کے دن مصیبت کا ان پر کوئی غم نہ ہوگا:

﴿لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ﴾

''نہ غم ہوگا ان کو بڑی گھبراہٹ میں''

تو جنت میں سب سے بڑی لذت والی چیز اللہ رب العزت کا دیدار ہوگا۔ اس لیے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَهَرٍ ○ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ﴾ (سورۃ القمر: ۵۴، ۵۵)

''بے شک متقین باغوں میں ہوں گے اور نہروں میں سچے ٹھکانے میں اقتدار والے بادشاہ کے پاس''

آج دنیا کے بادشاہ جلوہ افروز ہوں تو محفل سجاتے ہیں اور جب مالک الملک جلوہ افروز ہوں گے تو کیسی محفل سجی ہوگی۔ اس لیے اللہ رب العزت کا قرب اور اس کے دیدار کی لذت پانے کی دعائیں اکثر کرنی چاہئیں۔ رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کو کسی نے دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت عطا فرمادے انہوں نے آگے سے جواب دیا:

(اَلْجَارُ ثُمَّ الدَّار) (پہلے) پڑوسی پھر گھر

یعنی گھر کی دعا بعد میں کرنا پہلے پڑوسی کی بات کرنا کہ میرا پڑوسی کون بنے گا۔

خوشی کے آنسو:

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

﴿وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ﴾ (سورۃ توبہ: ۷۲)

''اور اللہ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے''

اللہ رب العزت کا راضی ہو جانا مومن کے لیے سب سے بڑی خوشی کی بات ہوتی ہے جب انسان کو بڑی خوشی ملتی ہے تو اس کی آنکھوں سے خوشی کے بھی آنسو نکل آتے ہیں کسی عارف نے ایک پتھر کو دیکھا۔ وہ رو رہا تھا۔ پوچھا، کیوں رو رہے ہو؟ کہنے لگا، اس لیے روتا ہوں کہ کہیں جہنم کا ایندھن نہ بنا دیا جاؤں۔ انہوں نے دعا کر دی کہ اے اللہ! آپ اس پتھر کو جہنم کا ایندھن نہ بنایئے گا۔ ان کی دعا قبول ہو گئی۔ ان بزرگوں نے اسے خوشخبری سنا دی اور آگے چلے گئے۔ جب وہ بزرگ واپس آئے تو دیکھا کہ وہ پھر رو رہا ہے چناں چہ انہوں نے پھر پوچھا کہ پہلے تو اس لیے رو رہے تھے کہ کہیں تمہیں جہنم کا ایندھن نہ بنا دیا جائے، اب کیوں رو رہے ہو؟ اس نے کہا حضرت! پہلے خوف کا رونا تھا اور اب خوشی سے رو رہا ہوں کہ میرا مالک مجھ سے راضی ہو گیا۔

ایک مرتبہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے تھے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو بلا کر فرمایا کہ مجھے سورۃ بینۃ سناؤ۔ حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ مجھے حکم ہوا ہے کہ مجھے سورۃ بینۃ سناؤ۔ وہ بڑے سمجھدار تھے۔ چناں چہ آگے سے پوچھنے لگے، اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم!

((أَللّٰهُ سَمَّانِیْ؟))

''کیا اللہ رب العزت نے میرا نام ذکر فرمایا ہے؟''

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

((نَعَمَ اللّٰهُ سَمَّاكَ))

ہاں، اللہ تعالیٰ نے تمہارا نام لے کر فرمایا ہے کہ ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہو کہ قرآن سنائے۔ محبوب! آپ بھی سنیں گے اور میں پروردگار بھی سنوں گا۔ یہ سن کر ابی ابن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ان کا یہ رونا خوشی کا رونا تھا۔

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیمِ صبح تیری مہربانی

سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں۔ ٹاٹ کا لباس پہنا ہوا ہے۔ سب کچھ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں۔ اوپر سے حضرت جبرائیل علیہ السلام اترتے ہیں۔ جبرائیل امین علیہ السلام نے ٹاٹ کا لباس پہنا ہوا تھا۔ انہوں نے نبی علیہ الصلوٰۃ کی خدمت میں سلام پیش کیا اور عرض کیا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے اللہ رب العزت نے بھیجا ہے۔ وہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عمل سے اتنا خوش ہیں کہ انہوں نے آسمان کے سارے فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ تم بھی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ٹاٹ کا لباس پہنو۔ اسی لیے میں بھی ٹاٹ کا لباس پہن کر حاضر ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جاؤ، پوچھ کر آؤ کہ کیا ابوبکر اس حال میں بھی مجھ سے خوش ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور کہنے لگے، ''میں اپنے رب سے ہر حال میں راضی ہوں'' اللہ اکبر۔

خائفین کا مقام:

جس بندے کے دل میں یہ غم لگا ہو کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں۔ اس مقصد کے لیے وہ گناہوں سے بچے اور اپنے دل میں اللہ رب العزت کا خوف رکھے۔ اللہ رب العزت ایسے بندے کو جنت عطا فرمائیں گے۔

﴿وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىO فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى﴾ (النازعات: ۴۰-۴۱)

''اور جو اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے آپ کو خواہشاتِ نفس سے بچایا، بے شک جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے''

سبحان اللہ، عام مومنوں کو ایک جنت اور خائفین کو اللہ تعالیٰ دو جنتیں عطا فرمائیں گے

لوگوں نے ایک گھر بنایا ہوتا ہے اور ایک مہمان خانہ۔ لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان خائفین کو اس طرح باجماعت جنت میں جانے کی توفیق عطا فرمائیں گے کہ ان کا اپنا گھر علیحدہ ہوگا اور ان کی مہمان نوازی کا سلسلہ علیحدہ ہوگا۔

سالک کی ایک خاص نشانی:

کسی شاعر نے کہا:

ہمہ شہر پُر زِ خوباں منم خیالِ ما ہے
چہ کنم کہ چشم یک بیں نہ کند بہ کس نگاہے

سارا شہر حسینوں سے بھرا پڑا ہے۔ میں ہوں اور میرے محبوب کا خیال ہے۔ میں کیا کروں۔ کہ جو آنکھ صرف ایک کو دیکھنے کی عادی ہو وہ کسی اور کی طرف اٹھتی ہی نہیں۔

سالک بھی حقیقت میں یک بیں ہو جاتا ہے..... کیا مطلب؟..... مطلب یہ ہے کہ اس کی نگاہیں فقط اپنے مطلوب پر مرکوز ہو جاتی ہیں۔ اللہ رب العزت ہی اس کا مطلوب حقیقی اور مقصودِ حقیقی بن جاتا ہے۔ یہ سالک کی ایک خاص نشانی ہے۔ اس کے دل سے یہ نکلتا ہے:

''خداوندا! مقصودِ من توئی و رضائے تو مرا محبت و معرفت خود بدہ''

یا الٰہی! تو ہی میرا مقصود ہے اور میں تیری ہی رضا کا طالب ہوں، تو مجھے اپنی محبت و معرفت عطا فرما دے۔

عشق اور فسق کی طرف بلانے والے:

اس دنیا میں دو سوچیں رکھنے والے انسان ہیں۔ ایک طرف دنیا دار ہیں..... دنیا کی طرف بلانے والے..... فلموں میں کام کرنے والے..... گانا گانے والے..... دنیا کے متوالے..... کبھی ان کی شکلیں دیکھا کریں کہ ان پر کیسے نحوست برس رہی ہوتی ہے..... دوسری طرف انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے غلام ہیں۔ یہ لوگ اللہ رب العزت

کے عشق کی طرف بلاتے ہیں۔یاد رکھیں کہ عشق حقیقی ہی عشق ہے اور عشق مجازی فسق ہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام عشق کی طرف بلاتے ہیں اور اہل دنیا فسق کی طرف بلاتے ہیں۔اللہ والوں کے چہروں پر رحمتیں برس رہی ہوتی ہیں جب کہ دنیا والوں کے چہروں پر نحوست برس رہی ہوتی ہے۔شیطان ان کے سامنے ان کے برے عملوں کو بھی اچھا بنا کر پیش کرتا ہے۔

﴿اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا﴾ (سورۃ فاطر:۸)

''پس کیا وہ شخص جس کے سامنے اس کے برے عمل مزین کر دیئے جائیں پس وہ ان کو اچھا سمجھے''

اللہ والے کہتے ہیں کہ محنت کرو اور رب کو مناؤ، جب کہ دنیا دار کہتے ہیں کہ کھاؤ پیو اور مزے اڑاؤ۔ہمیں چاہیے کہ ہم محنت کر کے اپنے رب کو منانے کی کوشش کریں۔

قدر دانوں سے اپنے رب کی قدر پوچھو:

اللہ رب العزت کی محبت کی باتیں بھی عجیب ہیں۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ (الفرقان:۵۹)

''رحمان کے بارے میں جاننے والوں سے پوچھو''

ایک بادشاہ نے لیلیٰ کے بارے میں سنا کہ مجنوں اس کی محبت میں دیوانہ بن چکا ہے اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں لیلیٰ کو دیکھوں تو سہی۔چناں چہ جب اس نے دیکھا تو اس کا رنگ کالا تھا اور شکل بھدی تھی۔وہ اتنی کالی تھی کہ اس کے ماں باپ نے لیلیٰ (رات) سے مشابہت کی وجہ سے اس کو لیلیٰ (کالی) کا نام دیا۔لیلیٰ کے بارے میں بادشاہ کا تصور یہ تھا کہ وہ بڑی نازنین اور پری چہرہ ہوگی مگر جب اس نے لیلیٰ کو دیکھا تو اسے کہا:

از دگر خوباں تو افزوں نیستی

تو دوسری عورتوں سے زیادہ خوب صورت تو نہیں ہے۔

جب بادشاہ نے یہ کہا تو لیلیٰ نے آگے جواب دیا:

گفت خامش تو چوں مجنوں نیستی

خاموش ہو جا، تیرے پاس مجنوں کی آنکھ نہیں ہے اگر مجنوں کی آنکھ ہوتی تو تجھے دنیا میں میرے جیسا خوب صورت کوئی نظر نہ آتا۔

دیکھنے والی آنکھ ہوتی ہے۔اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم رب رحمان کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو تو دنیا داروں سے مت پوچھو،ان کو کیا پتہ..... پھول کے بارے میں کوئی پوچھنا چاہے تو بلبل سے پوچھے گدھ کو کیا پتہ جس کے دماغ میں مردار کی بو بھری ہوتی ہے،اس کا پھول کی خوش بو سے کیا واسطہ.....اللہ رب العزت نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے کہ تم رب رحمان کے بارے میں جاننے والوں سے پوچھو۔گویا اللہ رب العزت یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ تم رب رحمان کی قدر اور شان قدر دانوں سے پوچھو۔

اسم جلالہ کے معارف:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (الاعراف:۱۸۰)

اور اللہ تعالیٰ کے پیارے پیارے نام ہیں،پس تم اسے ان (ناموں سے) پکارو

اللہ رب العزت کا ایک ذاتی نام ہے اور باقی صفاتی نام ہیں۔ذاتی نام اللہ ہے اس نام کو اسم جلالہ اور سید الاسماء بھی کہتے ہیں۔ننانوے صفاتی نام وہ ہیں جو قرآن مجید میں بیان ہوئے اور احادیث میں ان کے علاوہ بھی کئی نام آئے ہیں۔چوں کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کوئی انتہا نہیں اس لیے اس کے صفاتی ناموں کی بھی کوئی انتہا نہیں ہے۔اسی لیے نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ دعا مانگی:

''اے اللہ! میں تیرے ہر اس نام سے دعا مانگتا ہوں جس کا علم تو نے اپنے رسولوں کو دیا، اپنے ملائکہ کو دیا، یا جس کا علم تو نے کسی کو نہیں دیا فقط تیرے اپنے پاس موجود ہے، اے اللہ! میں تیرے ان ناموں سے بھی تجھ سے دعا مانگتا ہوں۔''

اس سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے: ؎

جس کے ناموں کی نہیں ہے انتہا
ابتدا کرتا ہوں اس کے نام سے

کتاب ''فتح اللہ'' کا اجمالی تعارف:

اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ''اللہ'' بڑی معرفتوں کا حامل ہے۔ اس پر مجھے عربی زبان میں لکھی ہوئی کتاب پڑھنے کا موقع ملا، جس کا نام ''فتح اللہ'' تھا۔ وہ کتاب ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے نام کے معارف بیان کیے گئے ہیں۔

قرآن مجید کا نچوڑ:

اللہ کا لفظ قرآن مجید کا نچوڑ ہے.....ایک علمی نکتہ ذہن میں رکھئے، قرآن مجید کی سورتوں کی تین اقسام ہیں۔ سورۃ مجادلہ کی ہر ہر آیت کے اندر اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے دوسری وہ سورتیں ہیں جن کے ہر دوسری تیسری آیت کے اندر اللہ تعالیٰ کا نام آتا ہے۔ جیسے سورۃ الرحمٰن۔ اس سورت کی ہر دوسری تیسری آیت کے بعد فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ والی آیت ہے۔ رب کا لفظ بار بار آیا ہے، یہ بھی اللہ کا نام ہے، جو بقیہ سورتیں ہیں اگر ان پر بھی غور کیا جائے تو ہر پانچ سات آیتوں کے بعد اللہ رب العزت کا نام آتا ہے۔

لفظ ''اللہ'' قرآن مجید میں چھ سو اٹھانوے (۶۹۸) مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ اس کے علاوہ ایک مرتبہ تعوذ میں اور ایک مرتبہ تسمیہ میں، اگر ان دو کو بھی ساتھ ملا لیا جائے تو کل سات سو مرتبہ بنتا ہے۔ الرحمٰن اور الرحیم کے الفاظ متعدد بار استعمال ہوئے ہیں۔ البتہ رب

کا لفظ سب سے زیادہ استعمال ہوا ہے۔ ہر چند آیتوں کے بعد آپ کو رب کا لفظ ملے گا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنا نام ارادتاً بار بار استعمال فرمایا ہے تاکہ میرے بندوں کی زبان سے میرا نام بار بار نکلتا رہے۔ حالانکہ کئی جگہ پر آیات کا اسلوب بتاتا ہے کہ بات کسی اور انداز میں بھی ہو سکتی تھی، مگر اللہ رب العزت نے ایسے طریقے سے بات کی کہ اس کا نام بھی اس میں آ گیا۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ﴾

''اور وہ لوگ عذاب کی جلدی کر رہے ہیں''

اب اس کا جواب یہ بھی دیا جا سکتا تھا کہ عذاب جلدی آئے گا، مگر فرمایا:

﴿وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَ لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ﴾ (الحج:۴۷)

''اور وہ لوگ عذاب کی جلدی کر رہے ہیں۔ اور اللہ ہرگز اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا''

ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا:

﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾

''یہ ہے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا''

اب اسلوب یہ بتا رہا ہے کہ یہ جہنم میں جائیں گے۔ مگر جواب کیا دیا گیا:

﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ﴾ (الانفال:۵۱)

''یہ ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور بے شک اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے''

اللہ رب العزت نے یہاں بھی اپنا مبارک نام شامل فرما دیا۔

پھر ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ وَ اصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ﴾ (یونس:۱۰۹)

''اور آپ اس کی اتباع کیجیے جو کچھ آپ کو وحی کے ذریعے عطا کیا گیا اور صبر کیجیے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کردے''

ان آیات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جیسے سنار نگینے کو فٹ کرتا ہے تو زیور کا حسن بڑھ جاتا ہے اسی طرح اللہ رب العزت نے اپنے کلام کو اپنے نام کے نگینے کے ساتھ زینت بخش دی ہے۔

علماء نے یہاں ایک نکتہ لکھا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی آدمی کو قرآن مجید کے ترجمے کا بالکل ہی پتہ نہ ہو مگر وہ قرآن مجید کی تلاوت کرے تو چوں کہ اس کی زبان سے بار بار اللہ کا لفظ نکل رہا ہوتا ہے اس لیے چند صفحات پڑھنے کے بعد اس کی زبان سے اتنی بار اللہ کا نام نکل آتا ہے کہ اس کو اللہ کے ذکر کا فائدہ نصیب ہو ہی جاتا ہے۔

حضرت مرشدِ عالم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر بالفرض قرآن مجید کو کشید کیا جائے یعنی نچوڑا جائے تو جو ایک قطرہ نکلے گا وہ اللہ کا لفظ ہوگا۔ یعنی اللہ کا لفظ پورے قرآن مجید کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔

دو معرفوں کا متحمل نام:

یہ عجیب بات ہے کہ اللہ رب العزت کے نام کے شروع میں الف لام ہے، یہ معرفہ کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ کسی لفظ کو معرفہ بنانے کے لیے اس کے شروع میں الف لام لگا دیتے ہیں۔ اور جس لفظ پر الف لام لگا دیا گیا ہو اس پر حرف ندا ''یا'' براہ راست داخل نہیں ہوسکتا۔ کیوں کہ الف لام بھی معرفہ بنانے کے لیے اور یا بھی معرفہ بنانے والا ہے۔ ہاں پوری عربی زبان میں صرف اللہ کا نام ایسا ہے کہ اس پر الف لام بھی داخل اور یا بھی داخل ہوسکتا ہے۔ گویا اللہ کا نام دو معرفوں کا متحمل ہے۔

بے نقطہ..... توحید کا پیغام:

اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ایسا بے عیب نام پسند کیا کہ اس کے نام کے کسی حرف پر نقطہ

نہیں ہے۔اس لیے کہ توحید چاہتے تھے۔اگر نام میں نقطہ آجاتا تو شرک کرنے والے بھی کوئی جواز ڈھونڈ لیتے۔اس لیے بتادیا کہ اس کی ذات وصفات میں شرک کی گنجائش نہیں ہے۔اللہ رب العزت کی ذات میں تم کوئی نقص نہیں نکال سکتے اور نہ کسی کو اس کی ذات میں شریک کرسکتے ہو۔وہ ہر عیب سے پاک ہے اور ہر شرک سے بالاتر ہے۔

سب اشارے اللہ کی طرف:

''اللہ'' ایسا نام ہے کہ اگر اس نام کے حرفوں کو آپ جدا جدا کرتے جائیں تو بچنے والا نام بھی اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔مثال کے طور پر لفظ ''اللہ'' کا اشارہ بھی اللہ رب العزت کی طرف ہے۔اگر شروع والی الف ہٹادیں تو باقی لفظ کو کیسے پڑھیں گے؟ ''للہ'' پڑھیں گے۔اس کا اشارہ بھی اللہ رب العزت کی طرف ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (البقرۃ ۲۸۴)

''اللہ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے''

اگر پہلی لام بھی ہٹادیں تو باقی ''لہ'' بچے گا۔اس کا اشارہ بھی اللہ رب العزت کی طرف ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ (البقرہ:۲۵۵)

''اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے''

اگر دوسری لام ہٹادیں تو باقی ''ہ'' بچے گا۔اس کا اشارہ بھی اللہ رب العزت کی طرف ہے۔اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (الحشر:۲۲)

''نہیں ہے کوئی معبود مگر وہی''

قربان جائیں اس پروردگار پر جس نے اپنا ذاتی نام بھی وہ پسند کیا کہ اگر کوئی اس نام کے حروف کو جدا کر کے ٹکڑے ٹکڑے بھی کردے تو ہر بچنے والا ٹکڑا اللہ رب العزت کی

طرف اشارہ کرے گا۔

تکمیل ایمان:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿تبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ﴾ (الرحمٰن:۷۸)

''برکت والا نام ہے تیرے رب کا''

اللہ تعالیٰ خود بتا رہے ہیں کہ یہ نام برکت والا ہے۔اسی نام کی وجہ سے ہمیں ایمان نصیب ہوتا ہے۔علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی یوں کلمہ پڑھے:

لا الہ الاالرؤف محمد رسول اللہ

لا الہ الا الرحیم محمد رسول اللہ

لا الہ الا الرحمن محمد رسول اللہ

تو وہ مسلمان نہیں ہوتا کیوں کہ صفاتی نام تو اوروں کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں مثلاً سمیع اور بصیر اوروں کے لیے بھی استعمال ہو سکتے ہیں۔جب تک وہ ''لَآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' کہہ کر ذاتی نام نہیں لے گا تب تک اس کا ایمان مکمل نہیں ہوگا۔

دوریاں ختم کرنے والا نام:

یہ ایسا برکت والا نام ہے کہ جہاں آجاتا ہے وہاں فاصلے سمٹ جاتے ہیں اور دوریاں ختم ہو جاتی ہیں۔مثال کے طور پر ایک لڑکی نامحرم تھی،شریعت کہتی ہے کہ اس کی طرف دیکھنا حرام ہے اور اس کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا حرام ہے،لیکن جب اسی لڑکی کو نکاح کے ذریعے قبول کر لیتے ہیں تو وہ اجنبیہ سب اپنوں سے بڑی اپنی بن جاتی ہے،حتیٰ کہ اسے زندگی کی ساتھی کہا جاتا ہے۔قرآن عظیم الشان نے کہا:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرہ:۱۸۷)

''وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو''

ذرا غور کریں کہ جسم کے سب سے زیادہ قریب انسان کا لباس ہوتا ہے۔ گویا بتایا گیا ہے کہ خاوند کے سب سے زیادہ قریب اس کی بیوی اور بیوی کے سب سے زیادہ قریب اس کا خاوند ہوتا ہے' یک جان دو قالب..... جسم دو ہیں اور دونوں کی جان ایک ہے۔ یہ اتنا قرب کا تعلق کیسے ہوا؟ اللہ کے نام کی برکت کی وجہ سے۔ قرآن عظیم الشان کہتا ہے:

﴿یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَ بَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ﴾ (النساء:۱)

''اے لوگو! ڈرو اس رب سے جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی نفس سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور پھیلائے ان دونوں میں بہت مرد اور عورتیں۔ اور ڈرتے رہو اس اللہ سے جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو۔ اور لحاظ کرو قربت داری کا''

تساءل کسے کہتے ہیں؟ ایسی برکت والی ذات ہے کہ اس : ات کی برکت سے ہم آپس کی رشتہ داریاں قائم کرتے ہیں۔ اگر اس کا نام درمیان میں نہ آتا تو نکاح بھی نہ ہوتا کتنا برکت والا ہے وہ نام کہ جب درمیان میں آتا ہے تو فاصلے سمٹ جاتے ہیں اور اجنبی لوگوں کو ایک دوسرے کا اپنا بنا دیتا ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ جس کی طرف دیکھنا حرام تھا اس کی طرف دیکھنا کارِ ثواب بن جاتا ہے۔

اسمِ ذات کی برکات:

اس نام کی برکتیں بہت ہیں لیکن سچی بات ہے کہ ہم ان برکتوں سے واقف نہیں ہیں اس لیے کہ ہم نے کبھی آزمایا ہی نہیں۔ اگر کبھی ہم ایسے لوگوں کے پاس بیٹھ جائیں جنہوں نے اس نام کی برکتوں کو دیکھا بھالا ہوتا ہے تو وہ اس کے معارف ہمارے سامنے کھولیں گے کہ اس نام کی کیا برکت ہے۔

اسم اعظم:

حدیثِ پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام اسمِ اعظم ہے۔ اس نام کی برکت سے جو دعا مانگی جائے قبول ہوتی ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تحقیق کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ذاتی نام ''اللہ'' ہی اسم اعظم ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر مظہری میں اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ وہ بھی یہی نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسم ذات اللہ ہی اسم اعظم ہے۔ آصف بن برخیا کو اسم اعظم ہی معلوم تھا جس کی وجہ سے انہوں نے ملکہء بلقیس کا تخت منگوالیا تھا۔ لیکن یاد رکھیں کہ ہر زبان اس قابل نہیں ہوتی کہ جب وہ اس نام کو لے تو ہر دعا قبول ہو جائے، البتہ کچھ زبانیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ ایسا درجہ پالیتی ہیں کہ جب ان سے یہ اللہ کا لفظ نکلتا ہے تو پھر وہ اسمِ اعظم والا اثر دکھا دیتا ہے۔ مثال کے طور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہا کرتے تھے، قُمْ بِاِذْنِ اللہ تو مردہ تھوڑی دیر کے لیے زندہ ہو جاتا تھا..... اگر آج ہم قُمْ بِاِذْنِ اللہِ کہیں تو سویا ہوا بندہ نہیں جاگتا، مرا ہوا کیا زندہ ہوگا ..... یہ وہی الفاظ ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام استعمال کرتے تھے اور یہی الفاظ ہم کہتے ہیں، بلکہ اگر ہم لاکھ مرتبہ بھی کہیں تو مردہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ الفاظ وہی ہیں مگر زبان بدل گئی۔ وہ نبی علیہ السلام کی زبان تھی اور یہ ہماری جھوٹی زبان ہوتی ہے جس کی وجہ سے اثر نہیں ہوتا۔

دیکھو کہ گولی سے شیر مر جاتا ہے لیکن اسی گولی کو غلیل میں رکھ کر ماریں تو شیر تو کیا چڑیا بھی نہیں مرتی۔ البتہ بندوق میں ڈال کر ماریں گے تو شیر بھی مرے گا اور ہاتھی بھی اسی طرح اسم اعظم تو ''اللہ'' ہی ہے۔ یہ جھوٹی زبانوں سے نکلے گا تو اثر نہیں ہوگا، جس منہ سے انسان چغل خوری کرتا ہے، بہتان لگاتا ہے، دوسروں کے بارے میں بدزبانی اور بدکلامی کرتا ہے ایسی زبان سے نکلے تو پھر اس کا کیا اثر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر:

① ..... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے ہیں، تلوار لٹکی

ہوئی ہے۔ثمامہ بن اثال جو اس وقت تک ایمان نہیں لایا تھا ادھر آ نکلا۔اس نے دیکھ کر کہا کہ یہ تو گولڈن چانس ہے، تلوار بھی ہے اور مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ بھی سوئے ہوئے ہیں، کیوں نہ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں۔چناں چہ وہ دبے پاؤں آیا اور اس نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی۔وہ چاہتا تھا کہ وار کرے مگر اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بے دار ہو گئے جب اس نے آپ ﷺ کو بیدار دیکھا تو کہنے لگا:

((مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ يَامُحَمَّدْ))

''اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ﷺ کو اب کون میرے ہاتھ سے بچائے گا؟''

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ''اللہ''۔اس لفظ میں ایسی تاثیر تھی کہ اس پر ایسا خوف طاری ہوا کہ اس نے کانپنا شروع کر دیا۔حتی کے اس کے ہاتھ سے تلوار نیچے گر گئی۔پھر نبی علیہ السلام نے تلوار اٹھائی اور فرمایا:

((مَنْ يَّمْنَعُكَ مِنِّيْ ؟))

''اب تجھے میرے ہاتھوں سے کون بچائے گا؟''

یہ سن کر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشامد کرنے لگا کہ آپ ﷺ تو قریشی خاندان میں سے ہیں، بڑے اچھے اخلاق والے ہیں، دشمنوں کو معاف کر دینے والے ہیں اور بلند ہمت ہیں ..... نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا، جا میں نے تجھے معاف کر دیا ..... جب نبی علیہ الصلوٰۃ نے معاف فرما دیا تو ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کھڑا رہا۔آپ ﷺ نے پوچھا، ثمامہ! میں نے تجھے معاف کر دیا ہے، اب تم جاتے کیوں نہیں؟ اس نے عرض کیا، اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ﷺ نے تو معاف کر دیا، اب اس لیے کھڑا ہوں کہ آپ ﷺ مجھے کلمہ بھی پڑھا دیجیے تا کہ اللہ تعالیٰ بھی مجھے معاف فرما دیں۔اللہ اکبر،

② .....ساتویں صدی ہجری میں تاتاریوں کا ایسا فتنہ اٹھا تھا کہ انہوں نے مسلمانوں سے تخت و تاج چھین لیا تھا۔اس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کے پاس کہیں

بھی حکومت نہیں رہی تھی .....تاتاری اس قدر غالب آ گئے کہ بغداد میں ایک دن میں دولاکھ مسلمانوں کو ذبح کر دیا گیا تھا.....مسلمانوں پر ڈراتنا اثر انداز تھا کہ ایک تاتاری عورت نے ایک مسلمان مرد کو دیکھا تو کہنے لگی ،خبردار! مت ہلنا۔وہ وہیں کھڑا رہا،وہ عورت گھر میں گئی اور خنجر لا کر اس نے اس مسلمان مرد کو قتل کر دیا.....تاتاری جس شہر میں جاتے تھے مسلمان وہ شہر ہی خالی کر دیتے تھے۔

در بند ایک شہر کا نام ہے۔ایک شہزادہ اپنے گروپ کو لے کر وہاں پہنچا اور مسلمانوں نے وہ شہر خالی کر دیا۔وہ مسکرا کر کہنے لگا ہماری بہادری دیکھو کہ مسلمان ہمارا نام سنتے ہیں اور شہر خالی کر کے بھاگ جاتے ہیں۔پولیس نے اطلاع دی کہ جناب! شہر میں ابھی تک دو بندے موجود ہیں۔ایک سفید ریش بوڑھے آدمی ہیں اور ایک ان کا خادم لگتا ہے اور وہ دونوں مسجد میں بیٹھے ہیں۔اس نے چونک کر کہا،کیا وہ ابھی نہیں نکلے؟ بتایا گیا کہ نہیں نکلے کہنے لگا کہ انہیں زنجیروں میں جکڑ کر میرے سامنے پیش کرو۔پولیس گئی اور انہیں ہتھکڑیاں ڈال کر لے آئی اور انہیں شہزادے کے سامنے لا کر کھڑا کر دیا.....ان کا نام شیخ احمد در بندی رحمۃ اللہ علیہ تھا اور یہ سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ تھے.....شہزادے نے کہا تمہیں پتہ نہیں تھا کہ میں اس شہر میں آ رہا ہوں۔فرمایا،پتہ تھا۔کہنے لگا،پھر شہر سے کیوں نہیں نکلے؟ انہوں نے فرمایا ہم کیوں نکلتے ،ہم تو اللہ کے گھر میں بیٹھے تھے۔وہ طیش میں آ کر کہنے لگا،اب تمہیں میری سزا سے کون بچائے گا؟.....جب اس نے یہ کہا تو حضرت در بندی رحمۃ اللہ علیہ نے جوش میں آ کر کہا،اللہ۔جیسے ہی انہوں نے اللہ کا لفظ کہا،ان کے ہاتھوں سے ہتھکڑیاں ٹوٹ کر نیچے گر پڑیں.....جب شہزادے نے یہ منظر دیکھا تو سہم گیا اور کہنے لگا کہ یہ کوئی عام آدمی نہیں ہے۔چناں چہ وہ کہنے لگا،اچھا میں آپ کو اس شہر میں رہنے کی اجازت دیتا ہوں۔

③.....ہمارے علاقہ میں حضرت خواجہ غلام حسن سواگ رحمۃ اللہ علیہ نامی ایک مشہور و

معروف بزرگ گزرے ہیں۔ان کا ایک بڑا مشہور واقعہ ہے۔اس واقعہ کے سینکڑوں چشم دید گواہ موجود تھے.....ایک جگہ پر ہندو اور مسلمان اکٹھے رہتے تھے۔ایک امیر ہندو حضرت کی توجہ سے مسلمان ہوگیا۔ ہندوؤں نے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف مقدمہ درج کرادیا کہ خواجہ صاحب ہندوؤں پر جادو کر کے مسلمان بنا دیتے ہیں۔جج بھی ہندو تھا حضرت کو جو پولیس گرفتار کر کے لائی وہ سب ہندو تھے۔حضرت جج کے سامنے پیش ہوئے۔پولیس کے سپاہی اور تھانیدار نے حضرت کے گرد گھیرا ڈالا ہوا تھا۔جج نے حضرت سے پوچھا کہ تو نے اس ہندو کو کیوں مسلمان کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ نہیں میں نے تو مسلمان نہیں کیا یہ تو خود مسلمان ہوا ہے۔جج نے اصرار کیا کہ نہیں تو نے مسلمان کیا ہے آخر حضرت نے ہندو تھانیدار کی طرف انگلی کا اشارہ کر کے فرمایا کیا اس کو بھی میں نے مسلمان کیا ہے، ساتھ ہی لفظ ''اللہ'' کے ساتھ قلبی توجہ دی تو وہ فوراً کلمہ پڑھنے لگا۔اب دوسرے کی طرف اشارہ کیا تو وہ بھی کلمہ پڑھنے لگا۔پھر اسی طرح آپ جس ہندو کی طرف اشارہ کرتے وہ مسلمان ہوجاتا یوں وہاں کھڑے کھڑے پانچ ہندوؤں نے کلمہ پڑھ لیا۔یہ صورت حال دیکھ کر جج دوسرے کمرے میں چلا گیا کہ کہیں میری طرف بھی انگلی کا اشارہ نہ ہوجائے اور وہیں سے حکم سنایا کہ خواجہ صاحب کو باعزت بری کیا جاتا ہے۔یہ اب یہاں سے چلے جائیں.....سبحان اللہ، اللہ کے نام میں بڑی برکت ہے مگر افسوس کہ ہمیں یہ نام لینا نہیں آتا۔ سچی بات عرض کروں کہ یہ تو ایک (Blank) خالی چیک ہے، جو اس پر لکھ سکتے ہو لکھ دو۔

④.....خواجہ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے بزرگ تھے ایک مرتبہ وہ اسم ذات کے فضائل سنا رہے تھے، اس وقت کا مشہور فلسفی اور حکیم بوعلی سینا بھی وہاں پہنچ گیا۔آپ فرمارہے تھے کہ اسم ذات سے انسان کی صحت میں برکت، انسان کے عمل میں برکت، انسان کے رزق میں برکت اور انسان کی عزت میں برکت ہوتی ہے

عقلی بندے تو عقلی ہی ہوتے ہیں۔ لہٰذا اس بیچارے کی عقل بھی پھنسی رہی۔ چناں چہ محفل کے اختتام پر اس نے حضرت سے پوچھا کہ جی اس ایک لفظ کا ذکر کرنے سے اتنی تبدیلیاں آجاتی ہیں۔ آپ نے فرمایا، ''اے خر! تو چہ دانی'' یعنی اے گدھے! تجھے کیا پتہ۔'' اب جب ایک مشہور آدمی کو بھرے مجمع کے سامنے گدھا کہا گیا تو اس کے پسینے چھوٹ گئے۔ حضرت بھی فیاض تھے۔ لہٰذا جب انہوں نے اس کے چہرے پر پسینہ اترتے دیکھا تو پوچھا، حکیم صاحب! پسینہ آرہا ہے۔ وہ کہنے لگا، حضرت! کیا کروں، آپ نے بھرے مجمع میں لفظ ہی ایسا کہہ دیا۔ حضرت نے فرمایا، حکیم صاحب! میں نے بھرے مجمع میں ایک لفظ گدھا کہا اور اس کی وجہ سے تمہارے تن بدن میں تبدیلی آگئی، کیا لفظ اللہ میں اتنی تاثیر بھی نہیں کہ وہ بندے کے دل میں تبدیلی کردے۔

ہر چیز کا اثر ہوتا ہے۔ کھٹاس کا نام دو تین دفعہ لیں تو منہ میں پانی آ ہی جائے گا مٹھاس کا نام لیں تو ماشاء اللہ منہ میں میٹھا پن محسوس ہوگا۔ اگر کھٹاس اور مٹھاس کے نام کی لذت بندہ محسوس کرتا ہے تو اللہ کے نام کی لذت محسوس کیوں نہیں کرسکتا۔ محسوس کرتا ہے مگر وہی جس نے محبت کی ہو۔ ہر بندے کو یہ لذت محسوس نہیں ہوتی۔ اس کی لذت ہمارے مشائخ کو ملی۔ ان کی زندگی ہمارے لیے مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہے۔

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی

یہ لوگ ''اَلْخَلْوَةُ فِی الْجَلْوَةِ'' کا مصداق بن جاتے ہیں۔ وہ جلوت میں بیٹھ کر خلوت کے مزے پاتے ہیں..... یہ ''اَلْخَلْوَةُ فِی الْجَلْوَةِ'' کب نصیب ہوتا ہے؟ انسان کو یہ ذکرِ الٰہی سے نصیب ہوتا ہے۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حلوہ بھی اسی سے نصیب ہوتا ہے۔

صوفی کی صفات:

ہمارے مشائخ نے فرمایا:

((اَلصُّوْفِی کَائِنٌ بَائِنٌ))

''صوفی کائن بائن ہوتا ہے''

صوفی کا لفظ اس بندے کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اپنے دل کو صاف کرنے کا متمنی ہو۔ صوفی کا لفظ صفا سے لیا گیا ہے..... اگر اس کی تحقیق معلوم کرنی ہو تو تصوف وسلوک کی کتاب میں ایک مستقل باب ہے وہ پڑھ لیجیے..... کائن بائن کا کیا مطلب ہے؟

((کَائِنٌ مَعَ الْخَلْقِ مِنْ حَیْثُ الظَّاهِرِ وَبَائِنٌ مِنْهُمْ مِنْ حَیْثُ الْبَاطِنِ))

''ظاہر میں مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے اور باطن میں مخلوق سے کٹا ہوا ہوتا ہے''

بعد میں فرمایا:

((اَلصُّوْفِیْ غَرِیْبٌ قَرِیْبٌ اَیْ غَرِیْبٌ بَیْنَ اَهْلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ مِنْ حَیْثُ تَوَحُّشَ بَاطِنُهٗ عَنْهُمْ وَقَرِیْبٌ مِنْهُمْ مِنْ حَیْثُ تَعَلُّقَ ظَاهِرُهٗ مَعَهُمْ))

''صوفی دور ہوتا اور قریب ہوتا ہے۔ یعنی اپنے گھر والوں سے اور دوستوں سے دور ہوتا ہے اس اعتبار سے کہ اس کا باطن ان سے کٹا ہوتا ہے۔ اور ان سے قریب ہوتا ہے اس اعتبار سے کہ ظاہری تعلق ان سے رہتا ہے''

یعنی ظاہر میں ان کے ساتھ الفت ہوتی ہے قریب ہوتا ہے اور باطن میں سب سے کٹا ہوا ہوتا ہے۔ ایک اللہ سے جڑا ہوا ہوتا ہے۔ اس کو مقام تجلل نصیب ہوتا ہے۔ وہ مخلوق سے کٹ جاتا ہے اور اپنے خالق سے جڑ جاتا ہے۔ اسی لیے کسی نے کہا:

(اَلصُّوْفِیْ فَرْشِیٌّ عَرْشِیٌّ)

''صوفی فرشی اور عرشی ہوتا ہے''

یعنی جسم کے اعتبار سے فرش پر ہوتا ہے اور اپنی روح کے اعتبار سے عرش پر ہوتا ہے یہ اللہ وہ نام ہے جو بندے کو فرش سے اٹھا کر عرش پر پہنچا دیتا ہے۔

یااللہ کہہ کر پکارنے میں راز:

یادرکھیں کہ یااللہ کہہ کر پکارنے میں زیادہ مزہ ہے..... کیوں؟ اس میں کیا حکمت اور راز ہے؟..... اگر یارحمٰن کہہ کر پکاریں گے تو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کو پکاریں گے اس میں اللہ تعالیٰ کی باقی صفات نہیں آئیں گی۔ مثلاً ستاری اور غفاری وغیرہ کا ذکر نہیں آئے اسی طرح اگر یا ستار کہہ کر پکاریں گے تو صرف صفتِ ستاری کی طرف اشارہ ہوگا باقی صفات کی طرف اشارہ نہیں ہوگا۔ پتہ چلا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو اس کے صفاتی ناموں سے پکاریں تو صرف ایک صفت کی طرف اشارہ ہوگا لیکن جب مومن بندہ یااللہ کہہ کر پکارتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی طرف اشارہ ہوجاتا ہے۔ حروف ندا میں سے ''یا'' سب سے کامل ہے۔ یہ قریب اور بعید دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ واہ میرے مولا! ندا کا لفظ بھی ایسا ہے جو سب سے کامل ہے اور اسم ذات اللہ بھی ایسا ہے جو سب سے کامل ہے گویا جب ہم یااللہ کہتے ہیں تو اس وقت یہ بات مستحضر رکھیں کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کو سامنے رکھ کر اسے پکار رہے ہوتے ہیں۔

اسم ذات کے حروف کی معرفت:

اللہ کا لفظ لکھا جائے تو لکھنے میں چار حروف نظر آتے ہیں مگر ادا کرنے میں پانچ حروف ہیں۔ لکھنے میں الف، لام، لام اور ہا ہیں۔ لیکن حقیقت میں اس میں پانچ حروف ہیں۔ الف، لام، لام پھر الف جو حذف ہوچکی ہے اور پھر آگے ہا۔ ہمارے اکابرین نے اس کی معرفت لکھا ہے۔

☆ الف سے اللہ۔ جو اسم مسمیٰ ہے۔ جس کا یہ اسم ہے وہ کون ہے؟ وہ اپنی ذات میں یکتا ہے۔

☆ پہلا لام۔ جمال کا لام ہے۔ یعنی وہ اپنے جمال میں یکتا ہے۔

☆ دوسرا لام۔ جلال کا لام ہے۔ یعنی وہ اپنے جلال میں بھی یکتا ہے۔

☆ پھر آگے الف آ گیا جو حذف ہو چکا ہے۔

☆ آگے ''ھا'' ہے۔ یہ گول دائرہ بنا دیا گیا۔ یعنی اگر تم اس کی معرفت کو حاصل کرنے کے لیے ساری زندگی لگے رہو تو تم اس کی معرفت تہہ تک نہیں پہنچ سکو گے۔ اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ یہ طوقِ عبودیت ہے۔ اس میں بندوں کے لیے اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گلے میں اپنی بندگی کا طوق ڈال دیا ہے۔

ہاتھ کی انگلیوں سے اسم ذات کا نقش:

آپ اس عاجز کی انگلیوں کی طرف دیکھیں۔ یہ اسم ذات ''اللہ'' بنتا ہے۔ الف، لام، لام اور ہا۔ اللہ کا لفظ ایسے ہی لکھا جاتا ہے۔ ہمارے مشائخ اللہ کے نام کی شکل انگلیوں پر بنا کر سالکین کے دل پر رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ راز کھولا۔ وہ سالکین کے دل پر انگلی رکھ کر روحانیت سے اللہ کا لفظ کہتے تھے منقول ہے کہ:

((كَانَ يَنَقَّشُ اِسْمَ اللّٰهِ عَلٰى قُلُوْبِ السَّالِكِيْنَ))

''وہ اللہ کا نام سالکین کے قلوب پر نقش کر دیا کرتے تھے''

سالک کو یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے میرے دل پر اللہ کا نام نقش کر دیا ہے ان کا نام تو بہاؤ الدین تھا مگر اس کی وجہ سے نقشبند مشہور ہو گئے۔ وہ دل میں اللہ کا نام نقش کر دیا کرتے تھے۔

اب یہ بات سمجھ میں بھی آتی ہے۔ آپ نے ویلڈنگ دیکھی ہو گی۔ جب دو ٹکڑوں میں ویلڈ کرنا ہو تو ایک راڈ ہوتا ہے جس کے وولٹیج بہت ہائی ہوتے ہیں۔ وہ جیسے ہی راڈ کو ہائی وولٹیج پر لگاتے ہیں تو spark ہوتا ہے اور دو ٹکڑے آپس میں جڑ جاتے ہیں اللہ والے بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ ان کے اندر روحانیت کا ہائی وولٹیج ہوتا ہے۔ وہ انگلی کو راڈ بنا کر اللہ کی شکل بندے کے دل پر لگاتے ہیں تو اسے اللہ تعالیٰ کا تعلق نصیب ہو جاتا

ہے۔اسی لیے خواجہ فضل علی قریشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جس دل پر یہ انگلی لگ گئی اس کو ایمان کے بغیر موت نہیں آسکتی۔

حضرت عبدالعزیز دباغ رحمہ اللہ کا کشف:

اسی نام (اللہ) کے ساتھ اللہ کی ساری مخلوق ذکر کرتی ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ذکر فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ﴾ (بنی اسرائیل: ۴۴)

''اور جو بھی کوئی چیز ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتی ہے''

اس آیت کے تحت عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے کشف میں اس کو سننے کی سعادت عطا فرمائی۔میں نے سنا کہ ہر چیز کا ایک ایک ذرہ اَللّٰہُ رَبِّیْ اَللّٰہُ رَبِّیْ کے نام سے اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔

اسمِ ذات کی انفرادیت:

اللہ تعالیٰ کا یہ نام تاریخ انسانی میں کبھی بھی غیر اللہ کے لیے استعمال نہیں ہوا۔کئی لوگوں نے خدائی دعوے کیے مگر اللہ کا نام کوئی بھی اپنے لیے استعمال نہ کر سکا۔اگر استعمال ہوا ہے تو فقط اللہ رب العزت کے لیے۔فرعون نے ربوبیت کا دعوی تو کیا مگر الوہیت کا دعوی نہیں کیا۔میرے مالک! آپ کتنے عظیم ہیں کہ آپ نے اپنے نام کو اپنے لیے خالص فرمالیا۔

اسمِ ذات کی برکت سے صور پھونکنے میں تاخیر:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ دنیا اس وقت تک قائم رہے گی جب تک ایک بندہ بھی اللہ اللہ کہنے والا ہوگا۔گویا اللہ کے نام کی برکت نے دنیا کو ٹوٹ پھوٹ سے بچایا ہوا ہے ترمذی شریف کی روایت ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ حضرت اسرافیل

علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے کہ جب بھی تم میرے بندوں سے میرا نام سنو گے تو چالیس سال تک تم نے سور پھونکنے میں تاخیر کر دینی ہے۔ جب تک اللہ کا نام سنو، ہر بار صور پھونکنے میں تاخیر کرتے رہو۔ چناں چہ جب آخری بندہ اللہ کا نام لینے والا ہوگا تو اسرافیل علیہ السلام نام سن کر اس کے بعد چالیس سال تک انتظار کریں گے کہ ہے کوئی اللہ کا نام پکارنے والا۔ جب کوئی اللہ کا نام لینے والا نہیں ہوگا تو وہ صور پھونک دیں گے اور اللہ تعالیٰ قیامت برپا کر دیں گے۔ یہ کیسا عجیب نام ہے کہ اس نام کو سن کر صور کا پھونکنا چالیس سال تک موخر کر دیا جائے گا۔ اے بندے! اگر اس نام کو سن کر فرشتے کو حکم ہے کہ تم صور پھونکنے میں تاخیر کر دینا تو اگر ہم صبح و شام اس نام کو پڑھیں گے تو کیا اللہ تعالیٰ پریشانیوں کو بھیجنے میں تاخیر نہیں فرمائیں گے۔

اسمِ ذات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تعریف:

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور انہوں نے اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھا تو پہلا کلام جو حضرت آدم علیہ السلام کی زبان سے نکلا وہ الحمدللہ تھا۔ انہوں نے سب سے پہلے اسم ذات کے ساتھ اللہ کی تعریف بیان کی۔ جب جنتی لوگ جنت میں جائیں گے تو وہ انہی کی اقتداء میں جنت میں داخل ہوتے وقت کہیں گے۔

﴿اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ (سورۃ یونس:۱۰)

''بے شک سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے''

پڑھو قرآن اور پھر سمجھو اللہ کی شان۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ سِیْقَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا﴾ (زمر:۷۳)

''اور چلایا جائے گا رب سے ڈرنے والوں کو جنت کی طرف''

فرشتے بھی اللہ کے نام سے اس کی حمد بیان کرتے ہیں۔

﴿وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ قِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾ (زمر:۷۵)

''اور آپ دیکھیں گے کہ فرشتوں کو جو حلقہ باندھے ہوئے ہوں گے۔ عرش کے اردگرد پاکی بیان کر رہے ہوں گے اپنے رب کی۔ اور فیصلہ ہوگا ان کے درمیان حق کا۔ اور کہا جائے گا تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''

علماء لکھتے ہیں کہ جو بندہ یہ منت مانے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو اللہ رب العزت کی ہر طرح سے حمد اور تعریف کروں گا اور وہ بندہ صرف الحمد للہ ہی کہہ دے تو اس کی طرف سے منت ادا ہو جائے گی۔

اللہ کا نام لینے سے نور برستا ہے:

اللہ رب العزت کا نام لیا جائے تو رحمتیں اور نور برستا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے نور کا نام استعمال فرمایا:

﴿اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ (النور:۳۵)

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے''

اللہ کا نور عجیب چیز ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے:

((اِتَّقُوْا فَرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰهِ))

''مومن کی فراست سے ڈرو، یہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے''

حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر غفلت میں بھی اللہ کا نام لیا جائے تو بھی فائدہ دیتا ہے۔ ارے! اگر کوئی غفلت سے نام لے تو اس کو بھی فائدہ ہوتا ہے تو جو انسان محبت سے نام لے گا اللہ تعالیٰ اس کو کتنی برکتیں عطا فرمائیں گے۔

سورۃ مجادلہ کی ہر آیت میں اسم ذات لانے کی وجہ:

قرآن مجید میں ایک سورۃ ایسی ہے جس کی ہر ہر آیت میں اللہ کا نام آیا ہے۔ وہ سورہ مجادلہ ہے۔ اب طالب علموں کے ذہن میں سوال پیدا ہوگا کہ سورۃ یٰسین کو "قلب قرآن" کہا گیا اور سورۃ فاتحہ کو "فاتحۃ الکتاب" کہا گیا۔ ان سورتوں کی ہر آیت میں اللہ کا نام ہونا چاہیے تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک کی کل ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ اس کا آدھا ستاون (۵۷) بنتا ہے۔ سورۃ مجادلہ قرآن مجید کی اٹھاون ویں سورۃ ہے۔ اس سے پہلے ستاون سورتیں ہیں۔ سورۃ فاتحہ پہلے نصف کی سورۃ ہے اور یہ پہلی ستاون سورتوں کے لیے فاتحۃ الکتاب ہے اور سورۃ مجادلہ دوسرے نصف کی پہلی سورۃ ہے اس طرح یہ سورۃ مجادلہ دوسرے نصف حصہ کے لیے فاتحۃ الکتاب ہے۔ اللہ رب العزت نے پہلے نصف قرآن کے لیے الحمد کو پسند فرمایا کیوں کہ اس میں سب کے لیے جنرل تعلیم ہے اور نماز میں اس سورۃ کو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب مومن بندہ قرآن مجید کو پڑھتے پڑھتے آدھا قرآن پڑھ لیتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی خاصی معرفت نصیب ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اگلا نصف حصہ شروع ہوتا ہے۔ اب اللہ نے اس سورۃ کی ہر ہر آیت میں اپنے نام کو استعمال فرما کر پیغام دے دیا کہ اے میرے بندے! تم آدھا سبق پڑھ چکے ہو اور اب اگلا آدھا سبق شروع کر رہے ہو۔ اگلے آدھے سبق کا نچوڑ یہ ہے کہ تم میرا کلام پڑھ رہے ہو۔ تم میرے کلام کی ہر ہر آیت میں میرا نام پاؤ گے۔ اب تمہیں یہ پیغام مل رہا ہے کہ تم جو بھی کرو گے، اگر میرا نام مقصود رہے گا تو تمہارا ہر ہر عمل مقبول ہوگا اور اگر میرا نام نہیں لیا جائے گا تو تمہارا کوئی عمل بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ مجادلہ میں چالیس مرتبہ اپنا نام استعمال فرمایا۔ اس لحاظ سے اللہ کے نام کو اور چالیس کے عدد کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

چالیس کے عدد کی برکتیں:

چالیس کے عدد کی برکتیں بھی بہت زیادہ ہیں.....حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کو چالیس روزے رکھنے کا حکم ہوا.....اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً﴾ (بقرۃ:۵۱)

''اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ علیہ السلام سے چالیس راتوں کا''

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی چالیس راتیں گزاریں۔

﴿فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً﴾ (اعراف:۱۴۲)

''پس پوری ہوئی تیرے رب کی مدت چالیس راتیں''

ہمارے مشائخ نے یہیں سے چلہ اخذ کیا.....ماں کے پیٹ میں جو بچہ پرورش پا رہا ہوتا ہے اس کی حالت ہر چالیس دن کے بعد بدل رہی ہوتی ہے.....اگر چالیس دن میں بچے کی جسمانی حالت بدل جاتی ہے تو چالیس دن اللہ کی یاد میں لگانے سے روحانی حالت بھی بدل جاتی ہے۔ ہمارے مشائخ اسی لیے چالیس چالیس دن اعتکاف کی حالت میں اللہ کی عبادت میں گزارتے تھے۔ اسی کو چلہ کہتے ہیں۔ ہمارے تبلیغی بھائی بھی چلہ لگواتے ہیں۔ کیوں کہ چلہ لگوانے سے واقعی انسان کے دل کی حالت بدلتی ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ جو آدمی چالیس نمازیں تکبیر اولیٰ سے ادا کرے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو پروانے ملتے ہیں۔ ایک نفاق سے بری ہونے کا اور دوسرا جہنم سے بری ہونے کا۔

آہ اور اسمِ ذات:

ایک اور عجیب بات سنیں.....اللہ کے نام کے شروع میں الف اور آخر میں ھا ہے۔ الف اور ھا کو ملایا جائے تو آہ کا لفظ بنتا ہے.....حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بارے میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِیْمٌ﴾ (التوبۃ: ۱۱۴)

''بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل اور تحمل مزاج والے تھے''

وہ اللہ رب العزت کی محبت میں آہیں بھرتے تھے۔ جب انسان پر محبت کی کیفیت ہوتی ہے تو پھر اس کے بس میں نہیں رہتا۔ عاشقوں کی پہچان بھی یہی ہے۔

آہ کو نسبت ہے کچھ عشاق سے
آہ نکلی اور پہچانے گئے

لوگوں کو اس کی آہوں سے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ دیوانہ ہے۔ رب کی یاد میں اس کی آہیں نکلتی ہیں۔ ہمیں بھی یہی کام کرنا ہے کہ اللہ رب العزت کے نام کو اتنا لینا ہے، اتنا لینا ہے کہ اللہ رب العزت کے نام کی برکت سے ہمیں بھی یہ سب نعمتیں نصیب ہو جائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلَیْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾ (الزمر: ۳۶)

''کیا اللہ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں ہے''

ہمیں اللہ بھی کافی ہے اور اللہ کا نام بھی کافی ہے۔ یعنی جس طرح اللہ کی ذات بندے کے لیے کافی ہے اسی طرح ذکر کے معاملے میں اللہ کا نام بھی ذکر کے لیے کافی ہے ماشاء اللہ۔

رہ حیات کی تاریک رہ گزاروں میں
تمہارا نام ہی کافی ہے روشنی کے لیے

اسمِ ذات کا استعمال:

اذان اور نماز دونوں کی ابتداء بھی اللہ کے نام سے ہوتی ہے اور اختتام بھی۔

۞.....اذان کی ابتداء بھی اللہ کے نام سے ہوتی ہے اور اس کا اختتام بھی اللہ کے نام پر ہوتا ہے۔ موذن شروع میں اللہ اکبر کہتا ہے اور آخر میں لا الہ الا اللہ کہتا ہے۔

۞.....اسی طرح اقامت کی ابتداء بھی اللہ تعالیٰ کے نام سے اور انتہا بھی اللہ تعالیٰ کے نام سے۔

۞.....نماز کی ابتداء بھی اللہ کے نام سے اور انتہا بھی اللہ کے نام سے۔ اللہ اکبر کہہ کر تحریمہ باندھتے ہیں اور السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہہ کر نماز مکمل کرتے ہیں۔

۞.....انسان پر شیطان کا حملہ ہوتا ہے تو وہ اللہ سے مدد مانگتا ہے۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ کو شیطان سے ذاتی دشمنی ہے اس لیے جب دشمن کی بات چلی تو پروردگار نے اپنے بندوں سے کہا کہ تم نے پناہ مانگنی ہے تو پناہ کا طریقہ یہ ہے کہ تم یوں پڑھو۔

﴿اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم﴾

''جب تم یوں کہو گے تو میں پروردگار تمہیں اس دشمن سے پناہ عطا فرمادوں گا''

۞.....اللہ تعالیٰ نے بسم اللہ میں بھی اپنا ذاتی نام استعمال فرمایا ہے۔ بچپن میں استاد بتاتے ہیں کہ الف کھڑی ہوتی ہے اور ''ب'' لیٹی ہوتی ہے۔ اس لیے جب بچے لکھتے ہیں تو وہ لیٹی ہوئی ہوتی ہے۔ لیکن جب یہی ''ب'' بسم اللہ میں لکھی جاتی ہے تو کھڑی حالت میں لکھی جاتی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام میں اتنی برکت ہے کہ جب لیٹی ہوئی ''ب'' اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ نتھی ہو جاتی ہے تو یہ نام اس لیٹی ہوئی 'ب' کو بھی کھڑا کر دیتا ہے۔

اے بندے! اگر تو بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ نتھی ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ تجھ گرے ہوئے بندے کو کیوں نہیں اوپر اٹھائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے بہت ساری نعمتیں عطا کرنے کے لیے قرآن مجید میں اپنا ذاتی نام استعمال کیا..... تھوڑی دیر کے لیے قرآن مجید کی سیر کیجیے تاکہ پتہ چلے کہ اللہ رب العزت نے کہاں کہاں اپنا ذاتی نام استعمال فرمایا ہے .....مثال کے طور پر.....

۞.....اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے دوستوں کا تذکرہ فرمایا وہاں بھی اپنا ذاتی نام

استعمال فرمایا:

﴿ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ (بقرۃ:۲۵۷)

''اللہ دوست ہے ایمان والوں کا''

۞.....دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَ اللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (آل عمران:۶۸)

''اللہ مومنین کا دوست ہے''

۞.....جو اچھے بندے ہیں وہ کہتے ہیں:

﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ﴾ (سورۃ انعام:۱۶۲)

''بے شک میری نماز میری قربانی میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''

۞.....اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے لیے اپنا ذاتی نام پسند فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴾ (الحدید:۲۱)

''یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا کر دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ ذُوْفَضْلٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ (آل عمران:۱۵۲)

''اور اللہ مومنین پر فضل کرنے والا ہے''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ﴾ (النور:۲۱)

''اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تمہارے اوپر''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِاللّٰهِ ﴾ (آل عمران:۷۳)

''کہہ دیجیے بے شک فضل تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے''

۞.....اپنی رحمت کے لیے بھی اسمِ ذات کو استعمال فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ﴾

''اور اللہ تعالیٰ کی رحمت''

۞.....اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ''سکینہ'' نازل ہوتی ہے۔ اس کا تذکرہ بھی اسم ذات سے فرمایا:

﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ﴾ (الفتح:۲۶)

''پس اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر سکینہ نازل فرمایا''

۞.....دنیا اور آخرت کے ثواب کا تذکرہ کیا تو اپنے ذاتی نام کو پسند فرمایا۔ چناں چہ ارشاد فرمایا:

﴿فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ﴾ (النساء:۱۳۴)

''پس اللہ کے ہاں دنیا و آخرت کا بدلہ ہے''

۞.....جہاں بندوں کو نیک اعمال کی توفیق دینے کا تذکرہ فرمایا وہاں بھی اسمِ ذات کو استعمال فرمایا:

﴿وَ مَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ (ہود:۸۸)

''میری توفیق صرف اللہ کی جانب ہے''

۞.....عبادت کا تذکرہ فرمایا تو اسمِ ذات کو پسند فرمایا:

﴿اُعْبُدُوا اللّٰهَ﴾

''اللہ کی عبادت کرو''

۞.....کمال کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾

''اور اللہ کا کلمہ ہی بلند ہو'' (التوبۃ:۴۰)

۞.....اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر احسان جتلایا تو اسمِ ذات کو پسند فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (آل عمران: ۱۶۴)

''تحقیق اللہ نے احسان فرمایا مومنین پر''

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ (النساء: ۹۴)

''پس تم پہلے ایسے ہی تھے پس اللہ نے تم پر احسان فرمایا''

ایک اور جگہ پر فرمایا:

﴿فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ وَقٰنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ﴾ (الطور: ۲۷)

''پھر اللہ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں بچا لیا لو کے عذاب سے''

۞.....جہاں مومنوں کی تعریف اور نصرت کا وعدہ فرمایا وہاں بھی ذاتی نام کو استعمال فرمایا:

﴿وَ اللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (آل عمران: ۱۳)

''اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد سے جس کو چاہتے ہیں قوت دیتے ہیں''

۞.....جب کسی کو ملک دینے کا تذکرہ فرمایا تو ارشاد فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (البقرۃ: ۲۴۷)

''اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنا ملک عطا فرما دیتا ہے''

۞.....حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ سے مدد مانگنے کی تعلیم دی۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے بھی ذاتی نام استعمال فرمایا:

﴿وَ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا﴾ (سورۃ اعراف: ۱۲۸)

''جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے، تم لوگ اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو''

۞.....اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کا امتحان لیا تو اس کا تذکرہ یوں فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى﴾ (الحجرات: ۳)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کا اللہ نے تقویٰ کے بارے میں امتحان لیا ہے''

۞.....حدود شرعیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ﴾ (الحج:۳۲)

''اور جو کوئی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے''

۞.....حلال اور حرام کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:

﴿لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ یُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ﴾ (سورۃ انعام:۱۲۱)

''اور تم نہ کھاؤ، ان جانوروں کا گوشت جن کے اوپر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو''

جب تک اس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے تب تک ذبح مکمل نہیں ہوتا۔

۞..... جہاں مہر جباریت لگانے کا تذکرہ ہوا وہاں بھی اپنے اسم ذات کو استعمال فرمایا، فرمایا:

﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ﴾ (سورۃ بقرۃ:۷)

''اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے''

۞..... جہاں خشیت کا تذکرہ ہوا وہاں اپنے ذاتی نام کو استعمال فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ﴾ (الاحزاب:۳۹)

''اور وہ نہیں ڈرتے مگر اللہ سے''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ (فاطر:۲۸)

''اللہ کے بندوں میں سے اللہ سے علماء ہی ڈرتے ہیں''

۞..... جہاں بندوں سے کوئی وعدہ فرمایا، وہاں ارشاد فرمایا:

﴿وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰی﴾ (الحدید:۱۰)

''اور سب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اچھا وعدہ فرمایا''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾

(المائدۃ:۸)

''اللہ کا وعدہ ہے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے کہ ان کے لیے مغفرت ہے اور بہت بڑا اجر ہے''

۞.....جب لوگوں نے کوئی بات پوچھی اور اللہ تعالیٰ نے فتویٰ دیا تو بھی اپنے ذاتی نام کو استعمال فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

﴿يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ﴾ (النساء:۱۷۶)

''لوگ فتویٰ پوچھتے ہیں آپ ﷺ سے۔ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اللہ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے''

سبحان اللہ، اللہ تعالیٰ فتویٰ دے رہے ہیں۔

۞.....اللہ تعالیٰ روزِ محشر عدل فرمائیں گے۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ﴾ (البقرۃ:۱۱۳)

''پس اللہ فیصلہ کرے گا ان کے درمیان''

۞.....اللہ تعالیٰ نے سچائی کا تذکرہ کرتے ہوئے ذاتی نام کو استعمال فرمایا:

﴿قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ﴾ (آل عمران:۹۵)

''کہہ دیجیے کہ اللہ نے سچ فرمایا''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ (النساء:۱۲۲)

''اور اللہ سے زیادہ سچا کون ہے؟''

۞.....جو اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کا تذکرہ فرمایا تو

ذاتی نام کو پسند فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَ مَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ (نساء:۱۰۰)

''اور جو نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف''

۞..... جب اللہ تعالیٰ نے محبت کا تذکرہ فرمایا تو وہاں بھی اپنے اسمِ ذات کو پسند فرمایا:

﴿وَاللّٰهُ یُحِبُّ الصّٰبِرِیْنَ﴾ (آل عمران:۱۴۶)

''اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ (آل عمران ۱۴۸)

''اور اللہ نیک کام کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَ یُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ﴾ (البقرۃ:۲۲۲)

''بے شک اللہ پسند کرتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور پاکیزگی والوں کو''

۞..... جہاں اپنی مخلوق کو اپنا ذکر کرنے کی تلقین فرمائی وہاں بھی اپنا ذاتی نام پسند فرمایا:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا﴾ (الاحزاب:۴۱)

''اور کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور عورتیں''

ہمارا ذکر کرنے کا طریق بھی یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ مشائخ نقشبندیہ پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے جنہوں نے اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی خشیت اور محبت اتنی پیدا کر لی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے اپنے اس پیارے نام کے معارف کھول دیے حتیٰ کہ انہوں نے اس نام کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لی۔ انہوں نے اپنے متعلقین کو بھی اسی نام کا ذکر کرنے کی تلقین فرمائی۔ لہٰذا ہم خوش نصیب ہیں کہ ''اللہ'' ہمارا ہر وقت کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اب تم میرے اس نام کا ذکر کرو۔

یااللہ! کیسے کریں؟.....ارشاد فرمایا:

﴿اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ﴾ (آل عمران:۱۹۰)

''جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے ہونے بیٹھنے اور لیٹنے کی حالت میں''

یعنی بیٹھنا چاہو تو اللہ.....کھڑے ہونا چاہو تو اللہ.....تم لیٹنا چاہو تو اللہ.....تم اٹھنا چاہو تو اللہ.....تم چلنا چاہو تو اللہ.....جب ہر وقت اللہ اللہ کہتے رہو گے تو یہ اللہ کا نام تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا فرمادے گا۔انسان اتنا ذکر کرے کہ وہ باقی سب کچھ بھول جائے۔

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پہ سب گھر بار لٹادوں خانہء دل آباد رہے
سب خوشیوں کو آگ لگادوں غم سے تیرے دل شاد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرادوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تادمِ آخر وردِ زباں اے میرے الٰہ!
لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ

کسی نے کیا خوب ہی کہا ہے:۔

بتاؤں آپ کو کیا عاشقوں کا کام ہوتا ہے
دل ان کی یاد میں لب پہ ان کا نام ہوتا ہے

اسمِ ذات کی مٹھاس:

جو بندہ اس نام کی برکتوں سے واقف ہو جاتا ہے اس کی زندگی میں بہار آجاتی ہے۔

اللہ ہو کے بڑے مزے
جو بھی چاہے وہ چکھ لے

کسی نے کیا ہی اچھی بات کہی:۔

مؤمنا ذکرِ خدا بسیار گو
تا بیابی در دو عالم آبرو

اے مومن! اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا کہ دونوں عالم میں عزت پالے۔

ذکر کن ذکر تا ترا جان است
پاکی دل ز ذکر رحمان است

ذکر کر جب تک کہ تیرے جسم میں جان ہے۔ کیوں کہ دل تو ذکر سے پاک ہوتا ہے۔

اگر دل میں محبت الٰہی ہو تو اللہ تعالیٰ کا نام لیتے ہوئے لذت آتی ہے۔ ایک صاحب کہنے لگے، آپ یہ جو اللہ اللہ کرتے ہیں، اس کا کیا مطلب؟ مجھے اس وقت ایک شعر یاد آیا اور کہا، بھئی! بات یہ ہے کہ

ہم پئیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو
ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے

بس بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت ہوتی ہے وہ اللہ کا نام سن کر بھی تڑپ اٹھتا ہے۔ یہ مومن کی پہچان ہے..... قرآن عظیم الشان..... سنیے اور دل کے کانوں سے سنیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ (الانفال:۲)

"بے شک ایمان والے بندے وہ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل تڑپ اٹھتے ہیں"

اس مضمون کو کسی شاعر نے یوں بیان کیا:

اِک دم بھی محبت چھپ نہ سکی
جب تیرا کسی نے نام لیا

اللہ کے نام کے بارے میں شعراء نے عجیب اشعار کہے۔ ایک صاحب کہتے ہیں

نام لیتے ہی نشہ سا چھا گیا
ذکر میں تاثیر دورِ جام ہے

ایک اور عارف نے تو عجیب مضمون باندھا۔ وہ فرماتے ہیں:۔

ہر وادی ویراں میں گلستان نظر آیا
قرباں میں تیرے نام کی لذت سے خدایا

اللہ تعالیٰ کے نام میں عجیب لذت ہے۔ ایک شاعر نے کہا:۔

نامِ چو برز بانم می رُوَد
ہر بُنِ مو از عسل جوئے شود

جب اس کا نام میری زبان سے نکلتا ہے تو گویا جسم کے ہر انگ انگ سے شہد کا ایک چشمہ جاری ہو جاتا ہے۔

جسم کے اندر ایسی مٹھاس آ جاتی ہے۔

ایک شاعر نے کہا:۔

اللہ اللہ ایں چہ شیریں است نام
شیرو شکر می شو جانم تمام

کسی نے کہا:۔

اللہ اللہ کیسا پیارا نام ہے
جو رٹے وہ لائق انعام ہے

کسی نے کہا:۔

اللہ اللہ کیسا پیارا نام ہے
عاشقوں کا مینا ہے اور جام ہے

جیسے پینے والے جام اور صراحی سے پیتے ہیں اسی طرح یہ اللہ کا نام بھی عاشقوں کے

لیے جام اور صراحی کی مانند ہے۔ وہ اللہ کا نام لیتے ہیں تو ان کے دل میں مٹھاس آ جاتی ہے .....اللہ اکبر.....!!!

جی ہاں، اگر ہم نے اللہ کی محبت کا مزہ چکھا ہوتا تو ہمیں پتہ ہوتا کہ اس نام کے لینے میں سکون کتنا ہے۔ اس نام کو لینے سے مخلوق کی محبت دل سے نکلتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں بیٹھ جاتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ ریا کاری کرتا ہے تو کچھ عرصے کے بعد یہ نام اس کے دل میں بھی خلوص پیدا کر دیتا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی بندے نے ساری زندگی میں ایک مرتبہ اللہ کا لفظ کہا ہوگا تو یہ نام اس کے لیے کبھی نہ کبھی جہنم سے نکلنے کا سبب بن جائے گا۔

سکون کی تلاش:

یاد رکھیں کہ جس طرح اللہ کا نام برکت والا ہے اسی طرح اس کی ذات بھی برکت والی ہے۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ﴾ (الملک:۱)

''برکت والی ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہے ملک''

جب بندہ اس ذات کے ساتھ واصل ہوتا ہے تو اس بندے کی زندگی میں بھی برکتیں آ جاتی ہیں۔ آج ہماری زندگی میں برکتیں نہیں۔ نہ پیسے کی کمی ہے، گھر بھی ہے، اولاد بھی ہے، کاریں بھی ہیں، بہاریں بھی ہیں مگر سکون نہیں ہے۔ سکون نہ ہونے کی وجہ کیا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ برکت نہیں ہے۔ یہ برکت کیسے آئے گی؟..... جب ہم اپنی زندگی میں اللہ رب العزت کے نام کا کثرت سے ذکر کریں گے اور اپنے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کریں گے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی کو شریعت کے مطابق بنا لیں گے تو پھر ہماری زندگیوں میں اللہ رب العزت کے نام کی برکت آ جائے گی۔ سکون کی تلاش میں مارے مارے پھرنے والوں کے لیے یہ مژدۂ جانفزا ہے۔

عین الیقین کا مقام حاصل کرنے کی ضرورت:

ایک نقطے کی بات عرض کر دیتا ہوں۔ اسے توجہ سے سنیے گا۔ یقین کے تین درجے ہیں:

① علم الیقین ② عین الیقین ③ حق الیقین

مثال سے یہ بات ذرا جلدی سمجھ میں آئے گی۔ آپ سردی سے ٹھٹھرتے ہوئے کسی دوست کے پاس پہنچے۔ وہ کہتا ہے، میں ابھی چائے لاتا ہوں۔ جب اس نے کہا کہ چائے لاتا ہوں تو آپ کو علمی طور پر یقین ہوگا کہ گرم گرم چائے لائے گا۔ اس کو علم الیقین کہتے ہیں۔ اور اگر اس نے وہ چائے کا کپ آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا اور آپ نے اس کے اندر سے بخارات اٹھتے دیکھے، اس کو عین الیقین کہتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے جب اس چائے کو نوش کیا تو پتہ چلا کہ واقعی گرم چائے تھی، اسے حق الیقین کہتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حق الیقین کا مقام نصیب تھا۔ چناں چہ حضرت علی فرمایا کرتے تھے کہ مجھے جنت اور جہنم پر اتنا یقین ہے کہ اگر وہ میرے سامنے آجائیں تو میرے یقین میں ذرہ برابر بھی اضافہ نہ ہو۔ یہاں نکتے کی بات ہے..... ہمارے مشائخ نے کہا کہ موت کے وقت اس بندے کا ایمان سلامت رہتا ہے جس کو کم از کم عین الیقین کا مقام نصیب ہو، اور علم الیقین والے خطرے میں ہوتے ہیں..... وہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو کاروبار توڈٹ کے کرتے ہیں مگر غفلت بھری زندگی گزارتے ہیں۔ وہ نماز بھی ظاہرداری کی پڑھتے ہیں ان کی فقط حاضری ہوتی ہے حضوری نہیں۔ وہ سارا دن دکان کے اندر ہوتے ہیں اور جب نماز پڑھنے لگتے ہیں تو دکان ان کے اندر ہوتی ہے۔ ایسی نمازوں سے ایمان و یقین میں کمال پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے اور اللہ کے راستے میں قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ اس لیے اپنے یقین کو علم الیقین کے مقام سے اوپر اٹھا کر کم از کم عین الیقین تک پہنچایا جائے۔ اور عین الیقین کا مقام تب ملے گا جب اللہ کا ذکر کر کر

کے اس کی برکتیں اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ اسی لیے نبی کریم ﷺ نے دعا مانگی:

﴿اَللّٰھُمَّ اَرِنَا حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ﴾

''اے اللہ! ہمیں چیزوں کی حقیقت دکھا دیجیے جیسی کہ وہ ہیں''

کیا ہمیں بھی چیزوں کی حقیقت کی حقیقت نظر آتی ہے؟ ہر چیز ذکر کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَ لٰکِنْ لَّا تَفْقَھُوْنَ تَسْبِیْحَھُمْ﴾

(بنی اسرائیل:۴۴)

''اور جو کوئی بھی چیز ہے وہ اللہ کے نام کی تسبیح کر رہی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے''

کیا کبھی ہمارے دل میں تمنا پیدا ہوئی ہے کہ ہم بھی ان کی تسبیح کو سمجھ سکیں۔ ہاں جب سالک کا دل جاری ہوتا ہے تو پھر اس کو اللہ کی نشانیاں نظر آتی ہیں۔ ہمارے مشائخ نے لکھا ہے کہ جب سالک ذکر کرتے کرتے سلطان الاذکار کے سبق پر پہنچتا ہے تو اسے اس وقت ایسا مقام نصیب ہو جاتا ہے کہ اس کے جسم کا رواں رواں اللہ کا ذکر کر رہا ہوتا ہے اسے ہر چیز ذکر کرتی سنائی دیتی ہے۔ چناں چہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مجھے کپڑا بھی اللہ کا ذکر کرتا سنائی دیتا ہے اور ہوا بھی اللہ کا ذکر کرتی سنائی دیتی ہے۔ سبحان اللہ، انہوں نے دنیا میں اللہ کی نشانیوں کو دیکھا ہے۔ کیا ہم نے بھی کوئی نشانی دیکھی؟ ہمیں شکلیں صورتیں دیکھنے سے ہی فرصت نہیں ہے۔

اللہ اللہ کرنے کی مقدار:

اگر ہم اللہ کے نام کی برکتوں سے واقف ہونا چاہیں تو ذرا اسے آزما کر دیکھیں۔ اس کو دل میں سے بار بار گزرنا پڑتا ہے، ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بار گزارنا پڑتا ہے تب اس کی تاثیر دل میں پیدا ہوتی ہے۔ دیکھیں، ہر چیز کی ایک مقدار ہوتی ہے۔ قرآن عظیم

الشان کہتا ہے:

﴿وَ كُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ﴾ (الرعد:۸)

''اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر چیز کی ایک مقدار مقرر ہے''

جب ایک بندے کو بخار ہو تو ڈاکٹر اسے اینٹی بائیوٹک ادویات پانچ دن تک صبح دوپہر شام کھانے کو کہتے ہیں۔ یہ ایک مستقل مقدار ہے۔ اگر کوئی آدمی پانچ دن کی بجائے دو دن کھائے تو اسے تیسرے دن پھر بخار ہو جائے گا۔ ڈاکٹر اسے نئے سرے سے پانچ دن ادویات کھانے کو کہے گا..... جس کو ہیپاٹائٹس سی ہو جاتا ہے اس کو تقریباً نوے ٹیکے لگتے ہیں اور ڈاکٹر کہتے ہیں کہ درمیان میں ناغہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ایک بھی ناغہ ہو گیا تو پھر نئے سرے سے لگوانے پڑیں گے۔ نوے ٹیکے ایک مقررہ مقدار ہے، اگر یہ مقدار پوری ہو گی تو بیماری ختم ہو گی ورنہ آدمی موت کے منہ میں چلا جائے گا۔

Tuberculosis ٹی بی کے مریضوں کو متواتر نو مہینوں تک دوائی لینی پڑتی ہے اگر ایک وقت بھی ناغہ ہو جائے تو کہتے ہیں کہ پہلے والی دوائی ختم، اب پھر نئے سرے سے شروع کی جائے گی۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت معلوم کرنی ہو تو اس کی بھی ایک مقدار ہے۔ جب ہم اللہ کے نام کو اس مقدار کے مطابق دل سے گزاریں گے تو پھر دل کی بیماریاں دور ہو جائیں گی اور اس کی برکتیں ظاہر ہو جائیں گی۔ ایک مثال عرض کیے دیتا ہوں اگر پانی کی ٹونٹی لیک ہو اور قطرہ قطرہ پانی ٹپک رہا ہو تو وہ پانی کا قطرہ تواتر کے ساتھ بار بار ٹپکے تو وہ پتھر میں راستہ بنا لیتا ہے، کیا اللہ رب العزت کا نام اگر بار بار بندے کے دل پر پڑے تو کیا یہ اس کے دل میں راستہ نہیں بنا سکتا؟ جی ہاں، یہ بھی دل میں راستہ بناتا ہے مگر ہم اس کا ذکر بار بار نہیں کرتے۔ آج کل کے سلوک سیکھنے والے بھی بڑی شان والے ہیں۔ ان سے پوچھا جائے کہ مراقبہ کیا ہے؟ کہتے ہیں، یاد ہی نہیں رہا، وقت ہی نہیں ملتا۔

وہ تجلی کی تاب نہ لا سکا:

سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ شہر فاس کے مشہور ولی اللہ گزرے ہیں۔ان کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ وہ گھنٹوں نہیں بلکہ دنوں تک مراقبہ کرتے تھے۔اس مراقبے میں ان کو اللہ کی طرف سے معرفت کا وہ نور نصیب ہوا کہ ان کے چہرے پر اتنی نورانیت تھی کہ لوگ ان کے چہرے کی تاب نہ لا سکتے تھے۔چناں چہ جب وہ لوگوں میں آتے تھے تو اپنے چہرے کو چھپاتے تھے۔عبدالمجید نامی ان کا ایک خادم تھا۔اس نے ان کی کئی سال خدمت کی۔ایک دن حضرت اس سے بڑے خوش ہوئے اور دعائیں دینے لگے۔اس نے موقع پا کر عرض کیا حضرت! آپ کے چہرے کا دیدار کیے ہوئے بہت مدت گزر چکی ہے،اب میرا جی چاہتا ہے کہ آپ کے چہرے کا دیدار کرلوں،آپ اس وقت خوش ہیں لہٰذا مہربانی فرما کر اپنے چہرے کا دیدار کروا دیجیے۔اس کے کہنے پر حضرت نے نقاب اٹھا دیا۔ان کے چہرے کا نور اتنا تھا کہ عبدالمجید اس تجلی کی تاب نہ لا سکا۔چناں چہ وہ وہیں گرا اور اپنی جان دے دی:.....اللہ اکبر!!!

آنسوؤں سے خوش بو:

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے شیخ ابوالحمد سیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ انہیں اللہ کی محبت ایسی نصیب تھی کہ جب وہ اللہ کی محبت میں روتے تھے تو ان کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں سے مشک جیسی خوش بو آیا کرتی تھی.....اللہ اکبر،محبتِ الٰہی میں نکلے ہوئے آنسوؤں کی قدر دیکھو.....وہ فرماتے ہیں کہ لوگ خود ان کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسوؤں سے مشک کی سی خوش بو سونگھا کرتے تھے۔

منہ سے خوش بو:

امام عاصم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے منہ سے خوش بو آتی رہتی تھی۔کسی

نے پوچھا، حضرت! آپ کے منہ سے بڑی خوش بو آتی ہے، آپ منہ میں کیا رکھتے ہیں؟ فرمانے لگے، میں تو کچھ نہیں رکھتا۔ اس نے کہا آپ کے منہ سے عنبر سے زیادہ بہتر خوش بو محسوس ہوتی ہے۔ فرمانے لگے، ہاں، ایک مرتبہ خواب میں نبی علیہ الصلوٰۃ السلام کا دیدار نصیب ہوا۔ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، عاصم! تم سارا دن اخلاص کے ساتھ قرآن مجید پڑھتے پڑھاتے ہو، کیوں نہ میں تمہارے منہ کو بوسہ دوں۔ چناں چہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے منہ کو بوسہ دیا تو اس وقت سے میرے منہ سے مشک کی خوش بو آتی ہے۔

جی ہاں، محبت کا تعلق جوڑ کر تو دیکھیں۔ ہمیں تو نفس اور شیطان آگے بڑھنے ہی نہیں دیتے۔ ہم تو مخلوق میں ہی اٹکے پھرتے ہیں۔ ہم کیا جانیں کہ اللہ رب العزت کی محبت کا نشہ کیا ہوتا ہے۔

اسمِ ذات کے لیے انا اور نحن کا استعمال:

طالب علموں کے لیے ایک علمی نقطہ عرض کرتا چلوں اللہ رب العزت نے اپنی ذات کے لیے کہیں انا کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور کہیں نحن کا لفظ۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھیں کہ اللہ رب العزت جب مجرد ذات کا ذکر کرتے ہیں تو انا کا صیغہ استعمال فرماتے ہیں۔ مثال کے طور پر

۞ .....مجرد ذات کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ﴾ (طٰہٰ: ۱۴)

''میں ہی خدا ہوں۔ میرے سوا کوئی خدا نہیں پس میری عبادت کرتے رہو''

۞.....اور ذات اور صفات دونوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ (ق:۱۶)

''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں''

پروردگارِ عالم کا اپنے عاشقوں سے پیار:

اللہ تعالیٰ کو اپنے عاشقین سے اتنی محبت ہے کہ جب قرآن مجید میں ان کا تذکرہ کیا تو فرمایا:

﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ (المائدہ: ۵۴)

''اللہ تعالیٰ ان سے محبت کریں گے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے''

عقل کہتی ہے کہ یوں فرمانا چاہیے تھا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت کریں گے، مگر نہیں، محبت چیز ہی کچھ اور ہے۔ پروردگارِ عالم کو اپنے عشاق سے اتنا پیار ہے کہ ارشاد فرماتے ہیں يُحِبُّهُمْ (اللہ تعالیٰ ان بندوں سے محبت کریں گے) وَيُحِبُّونَهُ (اور یہ بندے اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے) اپنی محبت کو مقدم فرمایا۔ اسی لیے حدیث قدسی میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

((اَلَا طَالَ شَوْقُ الْاَبْرَارِ اِلٰی لِقَائِیْ وَاَنَا اِلَیْهِمْ لَاَشَدُّ شَوْقًا))

''جان لو کہ نیک لوگوں کا شوق میری ملاقات کے لیے بڑھ گیا اور میں ان کی ملاقات کے لیے ان سے بھی زیادہ مشتاق ہوں''

جب کہ دنیا یہ کہتی ہے کہ ؎

الفت میں جب مزہ ہے کہ ہوں وہ بھی بے قرار
دونوں طرف ہو آگ برابر لگی ہوئی

مگر یہاں معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ عشق کی جتنی آگ سالک کے دل میں ہوتی ہے اللہ رب العزت اس سے بڑھ کر اس سے پیار فرماتے ہیں۔ اسی لیے اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جب میری طرف چل کر آتا ہے تو اگر وہ ایک قدم چلتا ہے تو میری رحمت دو قدم آگے بڑھتی ہے، اگر وہ ایک بالشت چل کر آتا ہے تو میری رحمت اس کی طرف دوڑ کر جاتی ہے۔ پتہ چلا کہ جتنا پیار بندہ اپنے رب سے

کرتا ہے اللہ رب العزت اس سے بڑھ کر اس سے پیار کرتے ہیں۔ اس لیے خوش نصیب ہے وہ بندہ جو اللہ تعالیٰ سے ٹوٹ کر پیار کرے۔

اللہ تعالیٰ اپنے عاشقین کو دنیا میں چار انعامات عطا فرماتے ہیں۔

① سب سے پہلے ان کو بغیر خاندان اور عزت عطا فرماتے ہیں۔ وہ کسی کے خاندان اور حسب نسب کی وجہ سے عزت ملتی ہے جو اللہ کا بن جاتا ہے، خواہ وہ ذات پات کا بھی ہو، اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں اس کی ایسی محبت بٹھا دیتے ہیں اس کو عزتیں نصیب ہو جاتی ہیں۔

② دوسرا انعام یہ ملتا ہے کہ بغیر کسب کے اللہ تعالیٰ ان کو علم عطا فرماتے ہیں ایک علم کسبی ہوتا ہے جو مدارس میں درس و تدریس کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے اور ایک علم لدنی ہوتا ہے جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں فرمایا:

﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ (الکہف: ۶۵)

''پس پالیا انہوں نے اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ، جس کو ہم نے اپنے پاس رحمت دی تھی اور اپنے پاس سے علم دیا تھا''

③ ..... تیسرا انعام یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بغیر مال کے رزق عطا فرما دیتے ہیں وہ ظاہر میں تو فقیر ہوتا ہے مگر دل کا بڑا امیر ہوتا ہے۔ امیروں کے پاس بھی ایسے دل نہیں ہوتے جو اللہ تعالیٰ اپنے ولیوں کو عطا فرما دیتے ہیں۔

④ ..... اللہ تعالیٰ اپنے عاشقین کو چوتھا انعام یہ دیتے ہیں کہ بغیر جماعت کے ان کو انس عطا فرما دیتے ہیں۔

جنتیوں کے چار گروہ:

گھروں میں عام لوگ مہمان آتے ہیں تو آدمی اپنے نوکر سے کہہ دیتا ہے کہ ان کو

پانی پلاؤ لیکن جب قریبی رشتہ دار آتے ہیں تو خود جگ ہاتھ میں لے کر ان کو پلا رہا ہوتا ہے۔ یہ عزت افزائی کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح جنت میں جنتیوں کے چار گروہ ہوں گے۔

① ایک گروہ وہ ہوگا کہ جن کو جنت کے خدام مشروب پلائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ﴾ (الواقعہ: ۱۷)

''چکر لگاتے ہیں ان کے ارد گرد لڑکے، ہمیشہ کے لیے رہنے والے''

یہ جنت کے خادم ہوں گے جو ان کو مشروب پلائیں گے۔

② ..... پھر ایک اور جماعت ایسی ہوگی جن کو ملائکہ مشروب پلائیں گے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿بَيْضَاءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ﴾ (صافات: ۴۶)

''سفید رنگ کی پینے والوں کو مزہ دینے والی''

اللہ کے فرشتے پلا رہے ہوں گے۔

③ ایک جماعت ایسی ہوگی جن کو جنت کے داروغے مشروب پلائیں گے۔

﴿وَ مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ﴾ (مطففین ۲۷)

''اور اس میں ملاوٹ ہے تسنیم سے''

اس آیت کے تحت مفسرین نے لکھا ہے کہ رضوان جنت خود ان کو مشروب پلائیں گے۔

④ ایک جماعت ایسی ہوگی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَ سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا﴾ (دہر ۲۱)

''اور ان کا پروردگار ان کو شراب طہور پلائے گا''

علماء نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک صائم الدھر کو دیکھیں گے اور مسکرا کر فرمائیں گے

''اے میرے عاشق! تو میری خاطر پیتا نہ تھا اب پی لے، تو کھانا نہ کھاتا تھا اب کھالے، تو اب میرا مہمان ہے اور میں تیرا میزبان ہوں۔''

﴿نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ﴾ (حم سجدہ: ۳۲)

''مہمانی ہے بخشنے والے مہربان کی جانب سے''

محبت الٰہی مانگنے کی تعلیم:

اللہ کے محبوب ﷺ نے ہمیں اللہ تعالیٰ سے اس کی محبت مانگنے کی تعلیم دی ہے۔ مثال کے طور پر.....

- نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے یہ دعا مانگی:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ﴾

''اے اللہ میں آپ سے آپ کی محبت مانگتا ہوں اور آپ سے محبت کرنے والوں کی محبت بھی مانگتا ہوں''

- ایک اور موقع پر فرمایا:

﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ﴾

''اے اللہ! اپنی محبت کو میرے نزدیک ٹھنڈا پانی پینے سے بھی زیادہ مرغوب بنا دے''

جب بندہ صحرا میں ریت پر چل رہا ہو، سخت گرمی ہو، پانی نہ ملے اور جان نکل رہی ہو تو اس وقت وہ ٹھنڈا پانی بڑی رغبت سے پیتا ہے۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے دعا میں بھی یہی عرض کیا کہ اے اللہ! جس طرح وہ بندہ رغبت اور شوق سے اس ٹھنڈے پانی کو پیتا ہے مجھے تیری محبت کی لذت اس سے بھی زیادہ نصیب ہو جائے۔

- .....حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ اللہ کے محبوب ﷺ نے دعا مانگی:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ شَوْقًا اِلٰی وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ﴾

''اے اللہ! میں آپ سے ملاقات کا شوق مانگتا ہوں اور آپ سے آپ کے کریم چہرے کو دیکھنے کی لذت طلب کرتا ہوں''

دنیا اور آخرت میں خوشخبری:

اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے عاشقوں کا بڑا مقام ہے۔ دنیا میں بھی ان کی عزت افزائی فرماتے ہیں اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں تو یہ خوشخبری سنائی کہ:

﴿هُمْ رِجَالٌ لَّا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ﴾

''یہ اللہ رب العزت کے وہ بندے ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بندہ کبھی بد بخت نہیں ہوتا''

اور آخرت میں کیسے عزت افزائی فرمائیں گے؟ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک آدمی فوت ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بخشش فرمادی۔ اس نے پوچھا، اے پروردگار عالم آپ نے مجھے کس عمل کی وجہ سے بخشا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، میرے بندے! تیرا ایک عمل تیرے نامہ اعمال میں ایسا ہے کہ جس کی وجہ سے میں نے تجھے بخش دیا ہے۔ اس نے کہا اے اللہ! میرے تو سارے اعمال ہی خراب ہیں، میں غافل اور بدکار تھا، آپ کو میرا کون سا عمل پسند آیا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا، تیرے نامہ اعمال میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ میرا ایک ولی بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ راستے میں جارہا تھا، تمہیں نہیں معلوم تھا کہ یہ کون ہے، تم نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ اس نے کہا کہ یہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، تم نے پہلے سن رکھا تھا کہ وہ اللہ کے دوستوں میں شمار ہوتے ہیں، لہٰذا تم نے محبت سے میرے ولی پر نظر ڈالی تھی، میں نے اسی ایک نظر کے ڈالنے کی برکت سے تمہارے گناہوں کی بخشش فرمادی ہے۔ سبحان اللہ۔

اسمِ ذات میں مشغولیت کی انتہا:

کوشش کریں کہ یہ ذکر کرتے کرتے دل میں اللہ رب العزت کی ایسی محبت نصیب ہوجائے کہ اللہ رب العزت کے سوا ہر چیز کو بھول جائیں۔

ضربیں لگا کہ کلمہء طیب کی بار بار
دل پہ لگا جو زنگ ہے اس کو ہٹایئے
مشغول اسمِ ذات میں ہوں آپ اس طرح
اس کے سوا ہر ایک کو بس بھول جایئے

بلکہ ایک بزرگ تو یہاں تک فرماتے تھے کہ:

﴿عَجَبٌ لِمَنْ يَقُوْلُ ذَكَرْتُ رَبِّيْ﴾

''جب کوئی کہتا ہے کہ میں نے اپنے رب کا ذکر کیا تو میں تعجب کرتا ہوں''

گویا وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ میں اللہ کو بھولتا ہی کب ہوں جو میں اسے یاد کروں۔

شَرِبْتُ الْحُبَّ كَأْسًا بَعْدَ كَأْسٍ
فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَلَا رَوَيْتُ

''میں نے محبت کی شراب پیالوں کے پیالے پی لی۔ پس نہ تو شراب ختم ہوئی اور نہ ہی میں سیر ہوا''

اللہ والوں کے عشق کا تو معاملہ ہی اور ہے کہ وہ جام بھر بھر کے پیتے ہیں اور ان کے دل بھرتے ہی نہیں۔

رحمان کی شان پوچھنا چاہو تو

اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

﴿اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ (الفرقان:۵۹)

''رحمٰن کے بارے میں خبر رکھنے والوں سے پوچھو''

اللہ تعالیٰ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر تم ہمارے عشق و محبت کی داستانیں پوچھنا چاہتے ہو تو ہمارے عاشقوں سے پوچھو۔ کسی انجان سے نہ پوچھنا، ان بے چاروں کو کیا پتہ۔

- ہمارے حسن و جمال کی داستانیں ہمارے عاشقوں سے پوچھو۔
- ہماری شان ہمارے دوستوں سے پوچھو۔

۞.....ہماری شوکت کیسی ہے؟

﴿اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا﴾ (فرقان:۵۵)

۞..... ہم کتنے غیور ہیں کہ جب کوئی بندہ کسی غیر کی طرف محبت کی نظر اٹھاتا ہے تو ہم اس سے روٹھ جاتے ہیں، نظریں ہٹا لیتے ہیں، اس کو اپنے در سے پیچھے ہٹا دیتے ہیں۔ اس بندے کو ہماری شانِ بے نیازی معلوم کرنی ہو تو اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِيْرًا..... ہم ایسے بے نیاز ہیں کہ ہلعم باعور کی چار سو سال کی عبادت کو ٹھوکر لگا کر رکھ دیتے ہیں۔ مصر کے مینارے پر اذان دینے کے لیے آدمی چڑھتا ہے، وہ غیر محرم پر نظر ڈالتا ہے اور اس کا ایمان سلب کر لیا جاتا ہے، نیچے اتر کر مرتد بن جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہماری شان ہمارے عاشقوں سے پوچھو..... اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے بندو! میں سب گناہوں کو بخش دوں گا لیکن اگر تم شرک کرو گے اور میری محبت میں کسی اور کو شامل کرو گے تو میں اس بات کو قطعاً معاف نہیں کروں گا۔ کسی نے کسی محدث سے پوچھا، حضرت! جب شرک بھی ایک گناہ ہے تو پھر یہ معافی کے قابل کیوں نہ ٹھہرا؟ انہوں نے فرمایا کہ شرک گناہ بھی ہے اور ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی غیرت کا معاملہ بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب تم ہمارے حسن و جمال کو جان لینے کے باوجود محبت کی نظر غیر کی طرف اٹھالی تو ہم تم کو اپنے در پر نہیں آنے دیں گے۔

۞.....ہم کتنے عظیم ہیں کہ ہمارے سامنے جب کوئی آدمی ناز کرتا ہے تو اس کے ناز کو توڑ دیتے ہیں۔ جب کوئی تکبر کرتا ہے تو اس کو ہم سزا دیتے ہیں۔ الکبر رداعی (بلندی اور عظمت تو ہماری چادر ہے)

۞.....ہمارا حکم چلتا ہے۔ ہمارے سب بندے ہمارے سامنے سرنگوں ہیں حضرت آدم علیہ السلام چاہتے ہیں کہ میں جنت میں رہوں مگر اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے، چناں چہ ان کو جنت چھوڑ کر زمین پر آنا پڑا۔ حکم کس کا چلا؟ اللہ رب العزت کا۔ حضرت نوح علیہ السلام

چاہتے ہیں کہ میرا بیٹا بچ جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا اور ان کا بیٹا غرق ہو گیا۔ حکم کس کا چلا؟ اللہ رب العزت کا..... حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو چھری کے نیچے دے کر لٹائے ہوئے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ ذبح کر دیں لیکن اللہ رب العزت نے نہ چاہا۔ لہٰذا بیٹا ذبح نہ ہوا۔ حکم کس کا چلا؟ اللہ رب العزت کا..... نبی علیہ السلام نے اپنے اوپر شہد کا کھانا منع فرما دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرما دی:

﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ (التحریم:۱)

''اے نبیؐ! تم وہ کیوں حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے''

اللہ تعالیٰ کے اس خطاب کے بعد اللہ کے محبوب ﷺ نے بھی ان کی مرضی پر عمل کیا حکم کس کا چلا؟ اللہ رب العزت کا قیامت والے دن اللہ رب العزت فرمائیں گے لِمَنِ الْمُلْكُ الْیَوْمَ (آج کس کی بادشاہت ہے) کوئی جواب دینے والا نہیں ہوگا۔ ایک ہزار سال تک خاموشی رہے گی۔ پھر اللہ رب العزت خود ہی ارشاد فرمائیں گے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ (المؤمن:۱۶)..... اللہ اکبر..... اَلرَّحْمٰنُ فَسْئَلْ بِهٖ خَبِیْرًا ''اللہ کے بارے میں اس کے جاننے والوں سے پوچھو''

پیاروں کی دلداری:

ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد فرمایا:

''اے میرے پیارے موسیٰ! میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ وہ سرگوشی کریں تو میں کان لگا کر سنتا ہوں، وہ پکارتے ہیں تو میں متوجہ ہو جاتا ہوں، وہ میری طرف آتے ہیں تو میں قریب ہو جاتا ہوں، وہ میرا تقرب ڈھونڈتے ہیں تو میں ان کی کفایت کرتا ہوں، وہ مجھے اپنا سرپرست بنا لیتے ہیں تو میں ان کی سرپرستی قبول کر لیتا ہوں، وہ خالص مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں، وہ عمل کرتے ہیں تو میں ان کو جزا دیتا ہوں، میں ان کے کاموں کا مدبر ہوں، میں ان کے قلوب کا نگہبان ہوں، ان کے

احوال کا متولی ہوں، ان کی بیماریوں کا شافی ہوں، ان کے دلوں کی روشنی ہوں، ان کے دلوں کی تسکین ہوں، ان کے دلوں کی تسکین میری یاد میں ہے، ان کے دلوں کی منزل میرے پاس ہے، ان کو میرے سوا چین نہیں ملتا۔''

کاش کہ ہمیں بھی اللہ کی محبت میں وہ کیفیت نصیب ہو جائے کہ اللہ کی یاد کے سوا ہمیں چین نہ آئے۔ جس طرح آدمی اگر ایک وقت کھانا نہ کھائے تو وہ اگلے وقت کی محسوس کرتا ہے، اسی طرح اگر ہم بھی ایک وقت میں اوراد و وظائف نہ کریں تو ہمیں بھی قلبی طور پر کمی محسوس ہوگی۔ ذکر کے بغیر ہمیں کھانا اور نیند اچھی ہی نہ لگے۔ جب یہ کیفیت دل میں پیدا ہو جائے گی تو پھر اللہ رب العزت ہمیں بھی اپنے عاشقین میں شامل فرما دیں گے۔

صفاتی ناموں کے معارف:

اب تک تو آپ نے اسم جلالہ، کی برکات سنیں۔ اب کچھ صفاتی ناموں کا ذکر کیا جائے گا۔ ان میں دو نام تو ایسے ہیں جن کا احادیث کے اندر ذکر آیا ہے۔ اور تین نام اسماء الحسنیٰ میں بیان کیے جائیں گے۔

غلافِ کعبہ پر دو صفاتی ناموں کی کثرت:

اللہ کے دو صفاتی نام ہیں:

① .....حنان

② .....منان

یہ دونوں نام اسماء الحسنیٰ میں سے نہیں ہیں لیکن احادیث میں آئے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اگر آپ حج و عمرہ پر چلے جائیں تو غلافِ کعبہ پر ہر دوسری تیسری لائن پر ''یا حنان، یا منان'' لکھا ہوا نظر آئے گا۔ چاروں طرف پوری پوری لائن پر یہی نام لکھے ہوئے ہیں اور بھی نام لکھے ہوئے ہیں مگر ان کی پوری پوری لائنیں نہیں ہیں۔ یہ عاجز بہت عرصہ تک یہ سوچتا رہا کہ علمائے امت نے ان دو ناموں کی پوری پوری لائنیں کیوں لکھوائی

ہوئی ہیں، جب ان کے معنی سوچنے لگے تو عجیب وغریب معنی سامنے آئے۔

حنان کا مفہوم اور معارف:

حنان اس ہستی کو کہتے ہیں کہ جب کوئی اس سے روٹھنا چاہے تو وہ اس کو روٹھنے نہ دے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے سے دور نہیں جانے دیتے.....اس لیے کہ جب کوئی بندہ اللہ رب العزت کے در سے غافل ہوتا ہے تو وہ اس کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ کبھی اس کے کاروبار میں پریشانی، کبھی صحت میں پریشانی، کبھی کوئی اور پریشانی۔ یہ چھوٹی موٹی پریشانیاں اس لیے آتی ہیں کہ یہ جاگے اور میرے در پر آئے۔

یہاں ایک بزرگ نے نکتہ لکھا ہے کہ پاک ہے وہ پروردگار جو اپنے بندوں کو پریشانیوں کی رسیوں سے جکڑ جکڑ کر اپنی بارگاہ کی طرف کھینچ رہا ہوتا ہے۔ جیسے مچھلی شکاری سے دور بھاگتی ہے تو وہ اس کو قریب کھینچتا ہے اسی طرح جب بندہ اپنے گناہوں کی وجہ سے اللہ سے دور ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے حالات اس طرح بنا دیتے ہیں کہ جن کی وجہ سے اسے heat پہنچتی ہے اور وہ اللہ کے در پر آ کر دعائیں مانگنا شروع کر دیتا ہے دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کتنے بہترین انداز میں فرمایا:

﴿فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ ؟﴾

''او میرے بندے! تم کدھر جا رہے ہو؟''

ایک اور جگہ پر فرمایا:

﴿ يَا أَيُّهَا الْإِنسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ﴾ (الانفطار:٦)

''اے انسان! تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا''

۔ جیسے ماں اپنے بیٹے کو پیار سے منا رہی ہوتی ہے کہ بیٹا! تو اپنی امی سے روٹھ گیا، اس انداز سے فرمایا کہ تم مجھ سے کیوں روٹھ رہے ہو؟

منان کا مفہوم اور معارف:

منان اس ہستی کو کہتے ہیں جو احسان تو کرے مگر اس کو احسان جتلانے کی عادت نہ ہو ... کئی لوگ احسان تو کرتے ہیں مگر جتلاتے بھی بہت ہیں۔لیکن اللہ تعالیٰ وہ احسان فرمانے والے ہیں کہ جو بندوں پر احسان بھی کرتے ہیں اور جتلاتے بھی نہیں ہیں

...اب دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہمارے اوپر کتنے احسانات ہیں۔

یاد رکھیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں

- ... بینائی نہ دیتے تو ہم اندھے ہوتے۔
- گویائی نہ دیتے تو ہم گونگے ہوتے۔
- .....سماعت نہ دیتے تو ہم بہرے ہوتے۔
- عقل نہ دیتے تو ہم پاگل ہوتے۔
- .....صحت نہ دیتے تو ہم بیمار ہوتے۔
- .....مال پیسہ نہ دیتے تو ہم فقیر ہوتے۔
- .....عزت نہ دیتے تو ہم ذلیل ہوتے۔اور
- .....اولاد نہ دیتے تو ہم لاولد ہوتے۔

معلوم ہوا کہ ہم جو عزتوں بھری زندگی گزار رہے ہیں، یہ اس مالک کا احسان ہی تو ہے۔البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں میں سے ایک نعمت ایسی بھی دی ہے کہ اس نعمت جیسی کوئی اور نعمت تھی ہی نہیں، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا﴾ (آل عمران: ۱۶۴)

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ اس نے اپنے محبوب ﷺ کو ان پر معبوث فرمایا''

واقعی کائنات میں کوئی دوسری نعمت ایسی ہو ہی نہیں سکتی تھی.....جیسے کسی کو اپنے مال

پر بڑا ناز ہوتا ہے اسی طرح یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے محبوب پر اتنا ناز تھا کہ اس نعمت کو بھیجتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ہاں ہم نے ایمان والوں پر احسان فرمایا ہے۔

کریم کا مفہوم اور معارف:

اسماء الحسنیٰ میں سے اللہ تعالیٰ کا ایک نام کریم ہے..... کریم اس ہستی کو کہتے ہیں جو کسی سائل کو آتا ہوا دیکھے تو اس کی کیفیت کا خود اندازہ لگا کر ان کے مانگنے سے پہلے ان کو کچھ دے دیتے ہیں۔ اسی طرح جب بندہ سچی توبہ کی نیت سے اپنے گھر سے چل کر اللہ کے در پر پہنچ جاتا ہے تو اس کا ندامت سے چل کر آ جانا ہی کافی ہو جاتا ہے اگر چہ اس نے ابھی تک ہاتھ ہی نہ اٹھائے ہوں۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک آدمی جس نے سو آدمیوں کو قتل کیا تھا توبہ کے ارادے سے نیکوں کی بستی کی طرف چل پڑا۔ ابھی پہنچا نہیں تھا بلکہ راستے میں ہی تھا کہ اسے موت آ جاتی ہے۔ جنت کے فرشتے بھی آ جاتے ہیں اور جہنم کے بھی، اب دونوں طرف سے دلائل چلتے ہیں..... دوزخ کے فرشتوں کا دعویٰ تھا کہ سو بندوں کا قاتل ہے لہٰذا اسے ہم لے جائیں گے..... معاملہ بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوا۔ پروردگارِ عالم نے فرمایا کہ تم زمین کی پیائش کرلو کہ کس بستی کے زیادہ قریب ہے، اگر اپنی بستی کے قریب ہے تو یہ گنہگاروں میں سے ہے اور اگر نیکوں کی بستی کے قریب ہے تو یہ نیکوکاروں میں شامل ہے چناں چہ زمین کی پیائش کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دے دیا کہ اے نیکوں کی طرف والی زمین! تو ذرا سکڑ جا۔ چناں چہ زمین سکڑ گئی لہٰذا جب پیائش کی گئی تو فرشتوں نے دیکھا کہ اسے دونوں طرف کے راستے کے بالکل درمیان میں موت آئی اور اس کی لاش نیکوں کی بستی کی طرف گری تھی۔ اب چوں کہ اس کی لاش نیکوں کی بستی کی طرف گری، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اتنے قرب کو بھی قبول کر کے اس کا شمار نیکوں میں فرمادیا..... تو اگر مرتے مرتے ہماری لاش نیکوں کی طرف گر جائے گی، تو اللہ تعالیٰ پھر بھی نیکوں میں شمار کر دیں

گے اور اگر ہم جیتے جاگتے ان محفلوں میں جا کر ان کی صحبت اختیار کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ ہمارے آنے کو کیوں قبول نہیں فرمائیں گے۔

قیامت کے دن اس کریم ذات کا کرم ظاہر ہوگا۔ اسی لیے کسی عارف نے کیا ہی خوب کہا:

وَفَدتُ عَلَى الْكَرِيْمِ بِغَيْرِ زَادٍ
مِنَ الْاَعْمَالِ وَالْقَلْبِ السَّلِيْمِ
فَاِنَّ الزَّادَ اَقْبَحُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ
اِذَا كَانَ الْوَفُوْدُ عَلَى الْكَرِيْمِ

میں کریم کی خدمت میں بغیر زادہ راہ کے حاضر ہو گیا ہوں، نہ میرے پاس اعمال ہیں اور نہ سنورا ہوا دل ہے اور زادِ راہ سب بُری چیز سمجھی جاتی ہے جب جانے والے نے کسی کریم کے پاس جانا ہو۔

اگر کوئی منسٹر آپ کو اپنے گھر کھانے پر بلائے اور آپ اپنا کھانا ٹفن میں لے کر جائیں تو کیا وہ اچھا سمجھے گا؟ وہ کہے گا کہ تم میری دعوت پر آئے ہو اپنا کھانا ساتھ کیوں لائے ہو؟

علماء نے کریم کا ایک معنی یہ بھی لکھا ہے کہ کریم وہ ذات ہوتی ہے جو اگر کوئی چیز دے دے تو اسے واپس لینے کی عادت نہ ہو..... اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں واپس نہیں لیتے البتہ ہم اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی وجہ سے ان نعمتوں کو دھکے دے دے کر واپس بھیجتے ہیں۔

رحمان اور رحیم کے معارف:

اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت بھی ایک عجیب صفت ہے۔ یہ عجیب اور مزے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی صفات ہیں، ہر صفت کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت کی صفت ایسی ہے کہ اس کے مقابلہ میں اس کے دو نام ہیں۔ ''رحمٰن اور

رحیم" معلوم ہوا کہ یہ صفت باقی صفات پر غالب ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَ رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾ (الاعراف:۱۵۶)

"اور میری رحمت نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے"

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو نام بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ حالانکہ رحمٰن بھی رحمت سے نکلا اور رحیم بھی رحمت سے نکلا، ایک نام ہی کافی تھا۔ لیکن غور کرنے سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آ جاتی ہے..... دیکھیں کہ بندے کا امیر ہونا ایک صفت ہے اور اس کا سخی ہونا دوسری صفت ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایک بندہ بڑا امیر ہو لیکن کنجوس مکھی چوس ہو اور ایک دمڑی بھی خرچ نہ کرتا ہو، اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے اس کے دل کو کچھ ہوتا ہو۔ اب یہ امیر ہے تو ہے مگر اس میں خرچ کرنے کی صفت نہیں ہے اور ایک آدمی دل کا حاتم طائی ہو مگر اس کے پلے ہی کچھ نہ ہو تو اس کی سخاوت کا یہ جذبہ بھی کسی کام کا نہیں۔ مال کا ہونا ایک علیحدہ صفت ہے اور مال کو خرچ کرنے کی عادت ایک علیحدہ صفت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ رحمت کے دو نام تجویز کیے۔ ایک رحمٰن اور ایک رحیم۔ گویا اللہ تعالیٰ نے بتا دیا کہ اے میرے بندو! میرے پاس رحمت کے خزانے بھی بے شمار ہیں اور میری رحمت خرچ بھی بے شمار ہو رہی ہے۔

رحمٰن کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے پرائے سب پر مہربان ہے۔ مسلمانوں پر بھی مہربان ہے اور کافروں پر بھی۔ کافر بھی تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ ان کو بھی اولاد دیتے ہیں، عزتیں دیتے ہیں، ان کے کاروبار میں ترقی دیتے ہیں، انہیں دنیا میں خوشیاں دیتے ہیں اور ان کی کئی تمنائیں پوری ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیتے ہیں۔ اور رحیم کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن تو اس کی رحمت خالصتاً ایمان والوں کے لیے ہوگی۔ اسی لیے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا﴾ (الاحزاب:۴۳)

اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت کے دو حصے ہیں۔ایک رحمانیت اور ایک رحیمیت۔اللہ تعالیٰ نے مرد کے اندر رحمانیت کی تجلی کو زیادہ رکھ دیا ہے اور عورت کے اندر رحیمیت کی تجلی کو زیادہ رکھ دیا ہے۔اس لیے باپ بھی اولاد سے محبت تو کرتا ہے لیکن جہاں ڈسپلن کا مسئلہ آ جاتا ہے وہاں اس کو سیدھا بھی کر دیتا ہے۔چوں کہ اللہ تعالیٰ نے نظام کو ٹھیک رکھنا تھا اس لیے اس نے باپ کی طبیعت ہی ایسی بنا دی کہ وہ نرمی بھی دکھاتا ہے اور گرمی بھی دکھاتا ہے۔وہ اسے پیار بھی دیتا ہے اور شیر کی آنکھ سے بھی دیکھتا ہے۔.....اللہ تعالیٰ نے ماں کے اندر رحیمیت کی صفت کو ڈالا ہے اس لیے دنیا میں ماں ہی تو ہے جو اپنے نیک بچوں سے محبت کرتی ہے تو اسے برے بچوں سے بھی محبت ہوتی ہے۔باپ اپنے برے بیٹے کو کہہ دے گا کہ چلو گھر سے دفع ہو جاؤ لیکن ماں کبھی نہیں کہے گی۔بلکہ ماں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ خود تو مار لے گی مگر کسی اور کو نہیں مارنے دے گی۔باپ لائق سے محبت کرے گا لیکن نالائق بچوں سے بیزاری کا اظہار بھی کر دے گا مگر ماں تو ماں ہوتی ہے۔وہ کہتی ہے کہ میں کیا کروں، لائق اور نالائق ہونا تو مقدر کی بات ہے، میں تو اپنی ماما کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی ساری اولاد سے محبت کروں گی۔ماں کو مال پیسے کی طلب نہیں ہوتی اس کی محبت اس کے دل میں اس جذبہ کی وجہ سے ہے جس سے وہ سمجھتی ہے کہ یہ میرا جگر گوشہ ہے، یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون ہے۔

رحمتِ الٰہی کی انتہا.....!!!

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تو یہ حال ہے کہ ایک آدمی جو بتوں کا پجاری تھا وہ بیٹھا ''یا صنم! یا صنم! یا صنم! کی تسبیح پڑھ رہا تھا۔وہ یا صنم کہتے کہتے رات کو تھک گیا تو اسے اونگھ آنے لگ گئی۔جب اونگھ آئی تو اس کی زبان سے یا صنم کی بجائے یا صمد کا لفظ نکل گیا۔جیسے ہی اس کی زبان سے یہ لفظ نکلا تو اللہ رب العزت نے فوراً فرمایا:

﴿لَبَّیْكَ یَا عَبْدِیْ!﴾

''میرے بندے! میں حاضر ہوں، مانگ کیا مانگتا ہے؟''

فرشتے حیران ہو کر پوچھنے لگے، اے اللہ! یہ بتوں کا پجاری ہے اور ساری رات بت کے نام کی تسبیح کرتا رہا، اب نیند کے غلبہ کی وجہ سے اس کی زبان سے آپ کا نام نکل گیا اور آپ نے فوراً متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے میرے بندے! تو کیا چاہتا ہے، اس میں کیا راز ہے ؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میرے فرشتو! وہ ساری رات بتوں کو پکارتا رہا اور بت نے کوئی جواب نہ دیا، جب اس کی زبان سے میرا نام نکلا، اگر میں بھی جواب نہ دیتا تو مجھ میں اور بت میں کیا فرق رہ جاتا.....تو جو پروردگار اتنا مہربان ہو کہ بندے کی زبان سے نیند کی حالت میں بھی اگر نام نکل آئے تو پروردگار اس کو بھی قبول فرما لیتے ہیں تو اگر ہم ہوش وحواس میں دعائیں مانگیں گے تو پروردگار ہماری دعاؤں کو کیوں نہ قبول فرمائیں گے۔ دعا ہے کہ پروردگار عالم ہمیں اپنی سچی محبت عطا فرما دے اور موت کے بعد ہمارے پاس ایمان کی نعمت سلامت رہے اور قیامت کے دن ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے سائے تلے حاضر ہو جائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

مناجات

اک نشہ سا ہے جو چھائے ہے تیرے نام کے ساتھ
اک تسلی سی بھی آئے ہے تیرے نام کے ساتھ

عنبر و عود لٹائے ہے تیری یاد جمیل
ایک خوش بوسی بھی آئے ہے تیرے نام کے ساتھ

گویا کونین کی دولت کو سمیٹا اس نے
دل کی دنیا جو بسائے ہے تیرے نام کے ساتھ

ہے تیرا ذکر حلاوت میں کچھ ایسا کہ زبان
ایک نیا ذائقہ پائے ہے تیرے نام کے ساتھ

دل تڑپتا ہے سنے جب بھی تیرا نام کہیں
آنکھ بھی اشک بہائے ہے تیرے نام کے ساتھ

خوب کیا عشق الٰہی کا اثر ہوتا ہے
روح بھی وجد میں آئے ہے تیرے نام کے ساتھ

حشر کیا ہوگا بھلا ان کا تیری دید کے دن
جن کا دل جوش میں آئے ہے تیرے نام کے ساتھ

خوب جی بھر کے جو کرتا ہے تیرا ذکر فقیر
دل کی ظلمت کو مٹائے ہے تیرے نام کے ساتھ

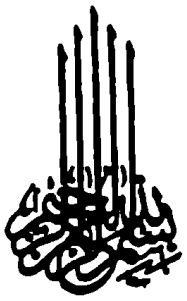

پاجا سراغ زندگی

ایمان اور محبت الٰہی

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

ایمان اور محبت الٰہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ و کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی' اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ○ (سورۃ البقرۃ:۱۶۵)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

تمہید:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ھُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ فَمِنْکُمْ کَافِرٌ وَّمِنْکُمْ مُّؤْمِنٌ ○ (سورۃ تغابن:۲)

''وہ ذات جس نے تمہیں پیدا کیا پس تمہیں سے کچھ لوگ ماننے والے ہیں اور کچھ لوگ انکار کرنے والے ہیں''

انسانوں کی تقسیم دو طرح سے ہے:

- ..... کچھ ایمان والے اور کچھ کافر۔
- ..... کچھ ماننے والے اور کچھ نہ ماننے والے۔
- ..... جو ماننے والے ہیں وہ سعید ہیں اور نہ ماننے والے شقی ہیں۔
- ..... ماننے والے اصحاب الیمین ہیں' نہ ماننے والے اصحاب الشمال ہیں۔

۞.....ماننے والے اصحاب المیمنہ ہیں اور نہ ماننے والے اصحاب المشئمہ ہیں۔

۞.....ماننے والے اصحاب الجنۃ ہیں اور نہ ماننے والے اصحاب النار ہیں۔

یہ تقسیم اللہ رب العزت کے یہاں بہت کھلی دھلی اور واضح ہے۔ لہٰذا ایمان والوں سے اللہ رب العزت کو ذاتی محبت ہے' کفر اور کافری سے اللہ رب العزت کو ذاتی عداوت ہے۔

ایمان والوں سے محبت:

اللہ رب العزت کو ایمان والوں سے ذاتی محبت ہے' اسی لیے ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ (سورۃ بقرۃ:۲۵۷)

اللہ تعالیٰ دوست ہے ایمان والوں کا

ذرا غور کیجیے کہ آداب شاہانہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ یوں کہہ دیا جاتا: ایمان والے اللہ رب العزت کے دوست ہیں۔ مگر ایسا نہیں کیا بلکہ پروردگار نے نسبت کو اپنی طرف پسند فرمایا۔

اگر کوئی وقت کا بادشاہ کسی بھنگی کو کہے کہ میں تمہارا دوست ہوں تو اس کی بات کچھ اور ہوتی ہے۔ یوں تو ہر چھوٹا موٹا کہتا ہے کہ میں بادشاہ کا دوست ہوں۔ لیکن محبت چیز ہی ایسی ہے کہ وہ نسبت کو اپنی طرف زیادہ پسند کرتی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کو ایمان والوں سے ذاتی محبت ہے' اس کی کوئی دلیل ہے آپ کے پاس؟ انہوں نے فرمایا ہاں! دستور یہ ہے کہ جب کسی سے ذاتی محبت ہو تو انسان اسے چاہے جتنا بڑا ہدیہ اور تحفہ کیوں نہ پیش کرے اس کو تھوڑا سمجھتا ہے اور اس کے جواب میں اگر محبوب اس کو چھوٹا سا تحفہ پہنچا دے تو وہ اس کو بہت بڑا سمجھتا ہے۔ فرمانے لگے کہ اس دستور کو سامنے رکھیں پھر دیکھیں کہ اللہ رب العزت نے اپنے بندے کو ان گنت نعمتیں دیں اور فرمایا:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (سورۃ نحل:۱۸)

اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم گن بھی نہیں سکتے۔

ان گنت نعمتیں دینے کے بعد پھر اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ﴾ (سورۃ نساء:۷۷)

''آپ فرما دیجیے کہ دنیا کی متاع تھوڑی سی ہے''

اب اس کے جواب میں بندوں نے اپنے رب کو یاد کیا' بندوں کی عمریں محدود' ان کے عمل محدود' ان کے ذکر محدود' تھوڑا سا ذکر تھا مگر چونکہ محبت کی وجہ تھی اس لیے پروردگار نے اس تھوڑے کو بھی بڑا سمجھا اور قرآن مجید میں اس کے بارے میں فرمایا:

﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ﴾ (سورۃ احزاب:۳۵)

''کثرت کے ساتھ ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں''

بندوں کے تھوڑے عمل کے لیے اللہ تعالیٰ نے کثیر کا لفظ استعمال کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں کے ساتھ محبت کی نشانی ہے۔

اب حق یہ بنتا ہے کہ جب پروردگار کو بندوں سے اتنی محبت ہے تو مومن بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کرے۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ جس نے بھی کلمہ پڑھ لیا اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا بیج موجود ہے۔ اس بیج کو ذرا اچھا ماحول ملے تو یہ درخت بنے گا' پھل پھول لگیں گے اور پھر یہ سایہ دار بن جائے گا۔ اسی طرح کلمہ کو کتنا ہی غافل کیوں نہ ہو' کتنا ہی بے عمل کیوں نہ ہو' کلمہ پڑھنے کی وجہ سے اس کے دل میں اللہ کی محبت کا بیج موجود ہوتا ہے۔ کوئی وقت آ گیا' کوئی محفل مل گئی' کسی کی بات دل میں اتر گئی۔ کسی گناہ پر ندامت دل میں آ گئی' کسی بھی وقت اس کی زندگی کا رخ بدل سکتا ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء میں شامل ہو سکتا ہے۔ اس لیے ہر کلمہ گو کی عزت کرنا چاہیے۔ مگر حق یہ بنتا ہے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت زیادہ ہو۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ○ (سورۃ البقرۃ:۱۶۵)

''ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے''

یا یوں کہہ لیجیے کہ ایمان والے اللہ کی محبت میں سرشار ہوتے ہیں اور ایمان والوں کے دل اللہ تعالیٰ کی محبت سے لبریز ہوتے ہیں۔

محبت محبت تو کہتے ہیں لیکن
محبت نہیں جس میں شدت نہیں ہے
محبت کے انداز ہیں سب پرانے
خبردار ہو اس میں جدت نہیں ہے

محبت تو ہوتی ہی وہ ہے جس میں شدت ہو، جس کی بندہ حرارت محسوس کرے، جس کی گرمی کو دل محسوس کر رہا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح محبت ہے، اس محبت کو حاصل کرنے کے لیے انسان کو محنت کرنی پڑتی ہے۔

دوعالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

اللہ رب العزت کی اس محبت کا نشہ ہی کچھ اور ہے۔ اسی لیے جو انسان اللہ رب العزت سے دور ہوا، اس کا ایسا نقصان ہوا کہ جس کا کوئی اور حل ہو نہیں سکتا۔ ہمارے مشائخ نے فرمایا:

لِکُلِّ شَیْءٍ اِذَا فَارَقْتَہٗ عِوَضٌ
وَلَیْسَ لِلّٰہِ اِنْ فَارَقْتَہٗ عِوَضٌ

اے دوست! دنیا میں کوئی چیز بھی تجھ سے دور ہوئی تیرے لیے اس کا کوئی نہ کوئی بدل موجود ہے، لیکن اگر تو اللہ تعالیٰ سے جدا ہو گیا تو تیرے لیے اس کا کوئی بدل موجود نہیں ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کو دل میں خوب اچھی طرح بھر لیں۔

محبت کی چار وجوہات:

محبت ہونے کی عام طور پر چار وجوہات ہوتی ہیں۔ جن کی بنا پر انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے۔

پہلی وجہ حسن و جمال:

حسن و جمال بنیادی طور پر کسی سے محبت کرنے کی وجہ بنتا ہے۔ آپ کسی اچھے منظر کو دیکھیں وہ آپ کو اچھا لگے گا' جی چاہے گا کھڑا رہوں' منظر کو دیکھتا رہوں۔ اسی طرح اچھی بلڈنگ دیکھی' خوب صورت مسجد دیکھی' دل خوش ہو جاتا ہے۔ دل چاہتا ہے دیکھتے رہ جائیں۔

بیت اللہ شریف کا منظر جنہوں نے دیکھا وہ ذرا تصور کی آنکھوں سے دیکھیں' دل چاہتا ہے کہ اللہ کے گھر کو دیکھتے ہی رہ جائیں۔ اب گھر کو اللہ نے کیا خوب صورتی عطا فرمائی' اس قدر شان و شوکت ہے' وہ منظر اس قدر جاذب نظر ہے کہ بے اختیار بندے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

اسی طرح بندہ کوئی خوب صورت شخصیت دیکھے تو اس کو بھی دیکھنے کو دل کرتا ہے' اسی طرح کوئی خوب صورت لباس دیکھے' کوئی چیز دیکھے تو خوب صورتی کی وجہ سے انسان کا دل متوجہ ہوتا ہے۔ یہ محبت کی بنیاد بن جاتی ہے۔ اگر ہم اس نقطہ نظر کی وجہ سے اللہ رب العزت کی ذات کو دیکھیں تو حدیث پاک میں ہے:

﴿اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَ یُحِبُّ الْجَمَالَ﴾

''اللہ رب العزت خوب صورت ہیں اور خوب صورتی کو پسند کرتے ہیں''

اللہ رب العزت کی خوب صورتی کی بات ہمارے وہم و گمان سے بھی بلند تر ہے۔ سوچنا چاہیے کہ جس پروردگار نے حسن کو پیدا کر دیا۔ اس کے اپنے حسن و جمال کا عالم کیا

ہوگا۔

ہم ہوئے تم ہوئے میر ہوئے
اس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

سب اسی کے چاہنے والے ہیں' سب اسی کے اوپر جھکنے والے ہیں۔ یہ پکی بات ہے کہ جتنا اللہ رب العزت کو چاہا گیا' جتنی اللہ کے سامنے فریادیں کی گئیں' جتنے اللہ رب العزت کے سامنے دامن پھیلائے گئے' جتنا مشکل میں اس ذات کو پکارا گیا اور جتنے تنہائیوں میں اس کے سامنے آنسو بہائے گئے' کائنات میں کوئی ایسی دوسری ہستی نہیں کہ جس سے مخلوق نے اتنا ٹوٹ کے پیار کیا ہو' یہ شان فقط اللہ رب العزت کی ہے۔

نہ دانم آں گل خنداں چہ رنگ وبودارد
کہ مرغ ہر چمن گفتگوئے او دارد

''میں نہیں جانتا کہ اس مسکراتے پھول کی خوشبو اور اس کی خوب صورتی کا کیا عالم ہے کہ جس باغ میں بھی جاؤ اس کا ہر پرندہ اسی پھول کی تعریف کرنے میں لگا ہوا ہے۔''

روایت میں آیا ہے کہ اللہ رب العزت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ستر ہزار پردوں میں سے تجلی فرمائی۔ اس کے باوجود یہ عالم تھا کہ جس وقت تجلی پڑی اس زمین کا جہاں بھی پانی کھاری تھا وہ سب میٹھا ہوگیا۔ شجر اور حجر سب کے سب سجدے میں جا گرے۔ جب کہ موسیٰ علیہ السلام پر براہ راست یہ تجلی نہیں تھی' کوہ طور پر ڈالی' اس کوہ طور پر تجلی کا یہ اثر پڑا:

﴿وَخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾ (سورۃ اعراف:۱۴۳)

حضرت موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے۔

کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چہرے پر اتنا نور آ گیا تھا کہ اس کے بعد ان کے چہرے کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا انسانوں کے لیے ناممکن ہوگیا تھا۔

جس نے اللہ رب العزت کی تجلی کو ستر ہزار پردوں میں سے دیکھا' اس کا حسن اتنا بڑھا کہ لوگ اس کے حسن کی تاب نہیں لا سکتے تو خود اس ذات کے حسن کا کیا عالم ہوگا۔

علماء نے کتابوں میں لکھا ہے کہ جنتی لوگ جب جنت میں جائیں گے اور جنتی مخلوق کے حسن کو دیکھیں گے تو دیکھتے ہی ستر سال تک ٹکٹکی باندھ کر ان کو دیکھتے رہ جائیں گے۔ حور و غلمان کا حسن اتنا ہوگا۔

﴿اِذَا رَاَیْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا﴾ (سورۃ دھر:۱۹)

''تو انہیں دیکھے تو ایسا معلوم ہوگا کہ کوئی چمکتا ہوا موتی پڑا ہوا ہے''

جب جنتی انہیں دیکھیں گے تو یہ ایسا حسن ہوگا پھر جنت میں رہنا شروع کریں گے۔ ایک وقت آئے گا' اللہ تعالیٰ پوچھیں گے کہ اے میرے بندو! تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟ عرض کریں گے پروردگار! ہر نعمت مل گئی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے' اچھا اپنے علما سے پوچھو۔

ذمہ داری سے بات عرض کر رہا ہوں۔ ہمیں علماء کی ضرورت جنت میں بھی پڑے گی۔ جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ علماء سے پوچھو تو جتنی لوگ علماء سے رجوع کریں گے۔ علماء فرمائیں گے کہ ہاں! پروردگار کا وعدہ تھا۔

﴿وَلَدَیْنَا مَزِیْدٌ﴾ (سورۃ ق:۳۵)

جنت کا وعدہ تھا اور ایک مزید نعمت کا بھی وعدہ تھا۔ وہ نعمت ابھی نہیں ملی۔ ہمیں اللہ رب العزت کا دیدار بھی نصیب نہیں ہوا۔ چناں چہ جنتی فریاد کریں گے۔

پروردگار ان کو جنت عدن کی طرف بلائیں گے۔ یہ جنت عدن وہ جنت ہے کہ جس میں اللہ رب العزت جنتیوں کو اپنا دیدار کروائیں گے۔ باقی جنتوں کو تو فرشتوں نے بنایا لیکن جنت عدن کو پروردگار نے خود بنایا' اس کے درخت کے پتوں پر.....

سُبْحَانَ اللّٰہ' اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ' لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ' اَللّٰہُ اَکْبَر

یہ تسبیحات لکھی ہوئی ہیں۔ جیسے کسی جگہ معزز مہمان کی دعوت کرنی ہو تو اس کمرے کو خاص طور پر سجایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنت عدن کو خاص طور پر سجا دیا۔ چناں چہ جنتیوں کو حکم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لیے تیاری کرو۔ اب جنتی ایسے تیاری کریں گے جیسے دنیا میں لوگ شادی بیاہ کی تقریب میں شرکت کے لیے تیاری کرتے ہیں۔

چناں چہ ایک بازار ہوگا جہاں پر انسان کو حسن و جمال ملے گا۔ وہ کیسے؟ جب بندہ وہاں جائے گا تو وہاں جا کر وہ چاہے گا کہ میری شخصیت ایسی نظر آئے' آنکھیں ایسی نظر آئیں' ہاتھ ایسے نظر آئیں۔ جیسا سوچتا جائے گا' اس کے جسم کی خوب صورتی ویسی بنتی چلی جائے گی۔ اس دنیا کے بھی بیوٹی پارلر ہیں مگر وہ تو چہرے کے اوپر لیپ لگا دینے کے سوا کچھ کر نہیں سکتے' کسی کی آنکھیں چھوٹی ہیں تو ان کو موٹی نہیں بنا سکتے۔ کسی کا چہرہ لمبا ہے اس کو گول نہیں بنا سکتے۔ کسی کا قد چھوٹا ہے' اونچا نہیں بنا سکتے۔ اوپر سے صرف لیپ لگا دیں گے کہ ظاہر میں خوب صورت نظر آئے' جیسے کوئی حور کی بچی ہو۔ چاہے اندر میں ڈائن کی بہن بیٹھی ہوئی ہے۔ مگر جنت کا یہ بیوٹی پارلر عجیب ہوگا۔ کہ انسان جیسا تصور کرے گا' اس کی پسند کے مطابق حسن و جمال نصیب ہو جائے گا۔ آنکھیں ایسی بنیں گی' پلکیں ایسی بنیں گی' ہونٹ ایسے بنیں گے' ذرا سوچیے تو سہی کہ جنتی لوگ اپنے آپ کو کیسا حسن دیکھنا پسند کریں گے' من مرضی کا حسن ملے گا۔

اس کے بعد جنتی جنت عدن میں پہنچیں گے' وہاں دریا کے کنارے ایک تقریب ہوگی' کرسیاں لگی ہونگی' جنتی لوگ بیٹھیں گے۔ حضرت داؤد علیہ السلام زبور کی تلاوت فرمائیں گے۔ حضرت داؤد علیہ السلام جب پڑھتے تھے تو ان کی آواز میں اتنا اثر تھا کہ بہتا پانی رک جاتا تھا۔ پرندے ان کے ارگرد آ کر بیٹھ جاتے تھے اور پہاڑ ان کے ساتھ چلتے تھے۔ قرآن مجید میں ان کے تذکرے ہیں۔ سوچیے پھر اس وقت ان کی کیا کیفیت ہوگی۔ پھر نبی علیہ السلام قرآن مجید کی تلاوت فرمائیں گے اس وقت کتنا مزا آئے گا۔ پھر اللہ رب

العزت سورۃ یٰسین کی تلاوت فرمائیں گے۔ کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ تلاوت فرمائیں گے تو ایک ہوا چلے گی اور جنت کے درخت کے پتے ہلیں گے تو ان میں سے عجیب قسم کی آواز پیدا ہوگی۔

دلوں کے تار چھیڑنے کے لیے آج ہم قاری عبدالباسط' عبدالصمد کی تلاوت سنتے ہیں تو طبیعت پر ایک عجیب کیفیت ہوتی ہے۔ جب قیامت میں اللہ رب العزت خود اپنا کلام سنائیں گے تو ذرا سوچیے تو سہی کہ اس وقت انسانوں کی لذت کا کیا عالم ہوگا' پھر اللہ تعالیٰ اپنا دیدار فرمائیں گے:

﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۝ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (سورۃ القیامۃ:۲۲۔۲۳)

قیامت کے دن اگر کسی بندے کو تجلی نصیب ہو جائے تو یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ کچھ بندے ایسے ہونگے جن کو اللہ تعالیٰ مسکرا کر دیکھیں گے۔ ایک تو یہ ہوتا ہے کہ محبوب ویسے ہی کسی کو دیکھ لے یہ بھی بڑی بات ہے کہ اس کو حسن دیکھنے کا موقع ملا اور دوسرا یہ کہ محبوب مسکرا کر دیکھے۔

چناں چہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ کچھ ایسے بندے ہونگے جن کو اللہ تعالیٰ مسکرا کر دیکھیں گے اور ان میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے بندے ہونگے۔

حدیث پاک میں آیا ہے:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ لوگوں کے لیے عام تجلی فرمائے گا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے خاص تجلی فرمائے گا' ان کی طرف مسکرا کر دیکھیں گے کہ میرے محبوب کا یار آ گیا۔

اگر حسن و جمال کے نقطہ نظر سے دیکھیں تو دل سے یہ آواز اٹھتی ہے کہ انسان اگر محبت کرے تو اللہ رب العزت سے کرے۔ مخلوق کے حسن پر کیا مرنا۔ ع

چار دن کی چاندنی اور پھر اندھیری رات

چند دن کی بات ہوتی ہے' جوانی میں جن کی زلف فتنہ گر ہوتی ہے' بڑھاپے میں وہی

دم خربن جاتی ہے۔ جوانی میں جس کے چہرے کو دیکھنے کے لیے آنکھیں ترستی ہیں' بڑھاپے میں ان کا چہرہ چھوارے جیسا ہو جاتا ہے۔ دیکھنے کو دل ہی نہیں کرتا۔ مخلوق کے حسن کا تو یہ عالم ہے مگر اللہ رب العزت کا حسن دائمی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ لہٰذا اگر انسان محبت کرے تو پروردگار عالم سے کرے۔

دوسری وجہ:

محبت کرنے کی دوسری وجہ کسی کی صفات ہونا۔ کوئی بندہ اگر کسی فن میں کمال پیدا کرلے تو لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے نمبروں والی جرسیاں پہنے پھر رہے ہوتے ہیں کہ کچھ کھیلنے والے اپنے کھیل میں اتنے ماہر ہوتے ہیں کہ اب انہیں ان کو دیکھے بغیر ان کا نام اچھا لگتا ہے۔ لہٰذا ان کا نمبروں والا لباس پہن لیتے ہیں۔ ان کو محبت ہے ان کے کمال کی وجہ سے' اس نقطہ نظر سے دیکھیں کہ اللہ رب العزت کا کمال کتنا ہے۔ ہم تو اللہ رب العزت کے کمال اور ان کی صفات کا احاطہ بھی نہیں کر سکتے۔ ہم کیا کریں گے۔ کائنات کے سب سے بڑے اور سچے پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ لَااُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ))

اے اللہ! میں آپ کی تعریفوں کا احاطہ نہیں کر سکتا آپ ایسے ہیں جیسے آپ نے اپنی تعریفیں خود فرمائیں ہیں۔ گویا نبی علیہ السلام نے بھی ایک جگہ آ کر اپنے ہتھیار ڈال دیئے کہ میں اپنے اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ وہ اس سے زیادہ بلند تر ہستی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی تعریفیں خود فرمائیں ہیں۔ سنئے اور دل کے کانوں سے سنئے' ارشاد فرماتے ہیں:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَاتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا﴾ (سورۃ کہف:۱۰۹)

''اے محبوب! فرما دیجیے کہ اگر ساری دنیا کے سمندروں کا پانی سیاہی بن جاتا ہے اور اس سیاہی سے تیرے رب کی تعریفیں لکھنا شروع کی جاتیں تو یہ سیاہی تو ختم ہو جاتی لیکن تیرے محبوب کی تعریف کبھی ختم نہ ہوتی'' اس سے بھی بڑھ کر ایک بات کہی اور ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ﴾ (سورۃ لقمان:۲۷)

''ساری دنیا کے اندر جتنے درخت ہیں اگر ان کی قلمیں بنا دی جاتیں''

﴿وَالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ﴾ (سورۃ لقمان:۲۷)

ساری دنیا کے سمندر کا جتنا پانی ہے اتنے سات سمندر اور ہوتے یہ سیاہی بنتے اور زمین کے تمام درختوں کی قلمیں بنتیں' ان قلموں اور سیاہی سے تیرے رب کی تعریفیں لکھنی شروع کی جاتیں' ایک وقت آتا یہ قلمیں ٹوٹ جاتیں' یہ سیاہی ختم ہو جاتی لیکن تیرے رب کی تعریفیں کبھی ختم نہ ہوتیں۔ جب اللہ رب العزت کی صفات کا یہ عالم ہے تو دل سے آواز نکلتی ہے کہ بندہ جب محبت کرے تو اپنے پروردگار سے کرے۔

تیسری وجہ:

محبت کرنے کی تیسری وجہ عام طور پر کسی کا مال و منال ہوتا ہے۔ اگر کسی کے پاس مال ہو تو دنیا اس سے تعلق رکھنا اپنا اعزاز سمجھتی ہے۔ کوئی رشتہ دار منسٹر ہو تو اس کا کارڈ جیب میں رکھتے ہیں اور لوگوں کو دکھاتے پھرتے ہیں کہ یہ میرا رشتہ دار ہے' یہ منسٹر ہے۔ اللہ رب العزت کے مال و منال کا کیا عالم! پروردگار ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ (سورۃ منافقون:۷)

آسمان اور زمین کے خزانے اللہ رب العزت کے پاس ہیں۔

چناں چہ ارشاد فرمایا:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ﴾ (سورۃ الحجر:۲۱)

''جو کوئی بھی چیز ہے اس کے ہمارے پاس خزانے ہیں''

﴿وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ (سورۃ الحجر:۲۱)

ہم ایک معلوم اندازے کے مطابق اتارتے ہیں' ہمارے پاس عزتوں کے خزانے' صحت کے خزانے' رزق کے خزانے' نعمتوں کے خزانے۔ گویا ہر چیز کے خزانے رب العزت کے پاس موجود ہیں۔ اللہ کے پاس خزانوں کی کنجیاں موجود ہیں۔

معلوم ہوا کہ اس لحاظ سے بھی اگر دیکھا جائے تو بھی دل سے آواز نکلتی ہے کہ انسان اگر محبت کرے تو اللہ رب العزت سے کرے۔

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (سورۃ آل عمران:۲۶)

''حقیقی بادشاہی اللہ کے پاس ہے۔ اور رہ گیا دنیا کے بادشاہوں کا معاملہ تو ان کا حال تو یہ ہے کہ رات کو امیر ہیں صبح کو فقیر ہیں' رات کو وزیر ہیں تو صبح کو اسیر ہیں' رات کو وزیر اعظم ہیں صبح کو اسیر اعظم ہیں' رات کو ملک کے صدر ہوتے ہیں صبح کو ملک بدر ہوتے ہیں۔ ان کا کیا کہنا! اللہ رب العزت حقیقی شہنشاہ اور بادشاہ ہیں' اس نقطہ نظر سے دیکھیں تو دل سے آواز آتی ہے کہ انسان اگر محبت کرے تو اللہ رب العزت کے ساتھ کرے۔

چوتھی وجہ:

محبت کرنے کی چوتھی وجہ کسی کا جود وسخا ہوتا ہے۔ کوئی بندہ احسان کرے تو اس سے محبت ہوتی ہے۔ انسان تو پھر انسان ہے شیر جیسا جانور بھی جو اس کو گوشت ڈالتا ہے' شیر اس کا لحاظ کرتا ہے' سرکس کے تماشوں میں لوگ اس پر سوار ہو جاتے ہیں' اور شیر ان کو لے کر گدھے کی طرح چل رہا ہوتا ہے' شیر کے منہ کے اندر ہاتھ ڈال دیتے ہیں اور شیر ان کے ہاتھ کا کچھ نہیں بگاڑتا۔ یعنی ایک جانور بھی احسان کا اتنا مرہون منت ہوتا ہے۔ انسان تو بالآخر انسان ہے۔ اسی لیے کہا کہ:

((اَلْاِنْسَانُ عَبْدُ الْاِحْسَانِ.....))

''انسان احسان کا بندہ ہوتا ہے''

چناں چہ حدیث پاک میں فرمایا گیا:

((جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ اِلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْهَا))

اللہ تعالیٰ نے قلوب کی فطرت جبلت ایسی بنادی کہ جو احسان کرتا ہے یہ اس کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔

محسن کے ساتھ محبت فطری بات ہے۔ اگر ہم اللہ رب العزت کے احسانات کو دیکھیں کہ ہمارے اوپر کتنے ہیں تو ہم تو اللہ تعالیٰ کے احسانات میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک۔ ہم اللہ رب العزت کے احسانات میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہم ان احسانات کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید میں فرمایا:

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (سورۃ النحل:۱۸)

اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم گن بھی نہیں سکتے۔

اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ میرے دوستو! اگر اللہ تعالیٰ ہمیں بینائی نہ دیتے تو ہم اندھے ہوتے' گویائی نہ دیتے تو ہم گونگے ہوتے' سماعت نہ دیتے تو ہم بہرے ہوتے' عزت نہ دیتے تو ہم ذلیل ہوتے' صحت نہ دیتے تو ہم بیمار ہوتے' گھر نہ دیتے تو ہم بے گھر ہوتے' اولاد نہ دیتے تو لاولد ہوتے' اگر اللہ تعالیٰ ہمیں عقل نہ دیتے تو ہم پاگل ہوتے۔ معلوم یہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزتوں بھری زندگی دی ہے تو یہ سب کا سب اس مالک کا احسان ہے۔ ہم تو اللہ تعالیٰ کے احسانوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس نقطہ نظر سے دیکھیں تو بھی دل کہتا ہے کہ انسان اگر محبت کرے تو اپنے پروردگار سے محبت کرے۔ لہٰذا محبت کرنے کی چاروں وجوہات کامل طور پر اللہ رب العزت کے اندر موجود ہیں۔

محبوب حقیقی:

ہمارا محبوب حقیقی فقط اللہ رب العزت کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿مَاجَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ﴾ (سورۃ احزاب:۴)

''اے محبوب! ہم نے کسی انسان کے سینے میں دو دل نہیں بنائے کہ ایک رحمٰن کو دے دے اور دوسرا نفس اور شیطان کو دے دے''

فرمایا' نہ..... نہ..... نہ..... دل ایک ہے اور ایک ہی کے لیے ہے۔

اللہ رب العزت کی محبت دل میں آ جائے۔ اللہ رب العزت کی محبت دل میں سما جائے بلکہ اللہ رب العزت کی محبت دل میں چھا جائے۔ اس کو کہتے ہیں:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (سورۃ بقرۃ:۱۶۵)

ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہوتی ہے۔ بس اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے ساری مخلوق راضی ہو گئی۔ اور اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے تو ہماری بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ساری مخلوق ناراض ہو گئی۔ اور اللہ تعالیٰ ناراض ہو گئے تو ہماری بربادی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ساری مخلوق ناراض ہو گئی اور اللہ رب العزت راضی ہو گئے ہماری سعادت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اصل میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے۔

مولانا محمد علی جوہر رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ اشعار کہے ہیں' بڑے ہی عجیب اشعار ہیں۔ جب ان کو دشمن نے کہا تھا کہ ہم تمہیں موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور ہم تمہیں پابند سلاسل کر دیں گے تو انہوں نے محبت الٰہی میں عجیب اشعار کہے۔

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لیے ہے
پر غیب میں سامان بقا میرے لیے ہے
پیغام ملا تھا جو حسینؓ ابن علیؓ کو
خوش ہوں کہ وہ پیغام قضا میرے لیے ہے

اللہ کے راستے کی جو موت آئے تو مسیحا
اکسیر یہی ایک دوا میرے لیے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لیے ہے

اس کو محبت کہتے ہیں۔ کسی عارف نے کہا:

لَیْتَكَ تَحْدُوْ وَالْحَیَاةُ مَرِیْرَةٌ
وَلَیْتَكَ تَرْضٰی وَالْاَنَامُ غَضَابٌ
وَلَیْسَتْ بَیْنِیْ وَبَیْنَكَ عَامِرٌ
وَبَیْنِیْ وَبَیْنَ الْعَالَمِیْنَ خَرَابٌ

اے محبوب! کاش تو میٹھا ہو جائے اگرچہ پوری زندگی میری کڑوی ہی بن جائے' کاش کہ تو راضی ہو جائے اگرچہ سب بندے مجھ سے ناراض ہو جائیں' اے اللہ! جو میرے اور تیرے درمیان ہے وہ رشتہ آباد ہو جائے اگرچہ وہ جو میرے اور مخلوق کے درمیان ہے وہ سب کچھ خراب ہو جائے۔

خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

یاد میں تیری سب کو بھلا دوں کوئی نہ مجھ کو یاد رہے
تجھ پر سب گھر بار لٹا دوں خانہ دل آباد رہے
سب کو نظر سے اپنی گرا دوں تجھ سے فقط فریاد رہے
اب تو رہے بس تا دم آخر ورد زباں اے میرے الہ
لَا اِلٰـــــہَ اِلَّا اللہ لَا اِلٰـــــہَ اِلَّا اللہ

محبت تو یہ ہوتی ہے کہ محبوب کے سوا کسی اور کی طرف اس کی توجہ ہی نہ جائے۔ میرے دوستو! اِلٰـہَ اور لَا کے چکر سے ذرا نکلو اور سوز عشق کی زنجیر ذرا اپنے گلے

میں ڈال کر دیکھو۔ عقل کی دنیا سے قدم ذرا آگے بڑھاؤ اور عشق الٰہی کی دنیا میں قدم رکھ کے دیکھو۔

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغ راہ ہے منزل نہیں ہے
عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ ملا ہے نہ واعظ نہ خطیب
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بت کدہ تصورات

یہ اللہ رب العزت کی محبت ہے جو شریعت کے اندر ایک جان پیدا کر دیتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں نہیں تو پھر یہ زندگی کسی کام کی نہیں۔ شیطان عالم تھا' عابد تھا' عارف تھا مگر عاشق نہیں تھا۔ اس لیے دربار سے دھتکار دیا گیا۔ کاش کہ عاشق ہوتا تو جب حکم ہوا تھا:

﴿اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ (سورۃ البقرۃ:۳۴)

تو حکم سنتے ہی یہ سجدے میں جا گرتا۔ یہ تو عشق کی بات ہوتی ہے:

نالہ ہے بلبل شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں ذرا اور اسے تھام ابھی
پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
عشق فرمودہ قاصد سے سبک گام عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنی پیغام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عقل کھڑی دیکھتی رہ جاتی ہے' سمجھتی ہے کہ راستہ ہی آگے کوئی نہیں' عشق کہتا ہے کہ ہزاروں دفعہ میں منزل پہ ہو کر واپس آیا ہوں۔

عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بیکراں سمجھا تھا میں

ایک چھلانگ کافی ہے عشق کی۔ عشق ایسی کیفیت ہے کہ خاک کی مٹھی میں جب مل جاتا ہے اس بندے کو وہ پرواز دیتا ہے کہ پھر یہ ثریا کو بھی پیچھے چھوڑ جاتا ہے۔

خاص راتوں کی عبادات:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ سے محبت کرنے والے جب خاص راتوں میں عبادات کرتے ہیں تو فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان کے ہاتھوں سے وہ مصافحہ کر رہے ہوتے ہیں اور ان کی دعاؤں پر آمین کہہ رہے ہوتے ہیں۔ یہ عشق اللہ رب العزت کی عجیب نعمت ہے۔

عقل کو افکار سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

ہم اپنے اعمال کی بنیاد عشق الٰہی کو بنائیں پھر دیکھیں کہ عبادات کا مزا کیا ہے' پھر شریعت پر عمل کرنا کتنا آسان نظر آتا ہے:

(اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ)

''محب جس سے محبت کرتا ہے اس کا مطیع ہوتا ہے''

دیکھئے' ذرا توجہ فرمایئے' ایک علمی نکتہ ہے بالخصوص طلباء و علماء کے لیے کہ جب کسی کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے۔ طبیعت کا میلان ہوتا ہے تو اس ابتدائی کیفیت کو رغبت کہتے ہیں۔ جب یہ رغبت بڑھ جاتی ہے تو پھر اس کا نام طلب پڑ جاتا ہے۔ کہ دل میں فلاں چیز حاصل کرنے کی طلب پیدا ہوئی۔ جب یہ طلب بڑھ جاتی ہے تو بڑھتے بڑھتے ایک ایسی

کیفیت بن جاتی ہے کہ پھر اس کو محبت کہتے ہیں کہ اس بندے کے دل میں فلاں چیز کی محبت پیدا ہوگئی۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رغبت ہو تو اللہ کی،

﴿اِنَّآ اِلَی اللّٰہِ رٰغِبُوْنَ﴾ (سورۃ توبہ:۵۹)

رغبت ہو تو اللہ کی' طلب ہو تو اللہ کی' اگر غیر کی طلب ہوگی تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ﴾ (سورۃ الحج:۷۳)

یہ طلب کرنے والے اور جن کو طلب کیا جا رہا ہے' یہ دونوں بودے اور ضعیف ہیں۔

اگر دل میں محبت ہو تو اللہ کی ہو۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾ (سورۃ البقرۃ:۱۶۵)

ایمان والوں کو اللہ سے شدید محبت ہوتی ہے۔ جب یہ محبت بڑھتی ہے اور بہت زیادہ راسخ ہو جاتی ہے تو پھر ایک اور کیفیت بن جاتی ہے۔

معراج محبت:

ایک دفعہ اس عاجز نے نوجوانوں سے سوال کیا کہ بھئی بتاؤ محبت کی معراج کیا ہے؟ وہ سمجھ نہ سکے۔ کہنے لگے کہ ذرا پھر سمجھائیں۔ میں نے کہا کہ محبوب کو محبت سے بڑا تحفہ کیا دے سکتا ہے؟ کسی نے کہا کہ مال قربان کر دے' کسی نے کہا کہ جان قربان کر دے' سب نے جوانوں والے جواب دیئے۔ کہنے لگے اب آپ بتائیں تو اس عاجز نے بتایا کہ ہمارے مشائخ نے یہ لکھا ہے کہ محبت کی معراج یہ ہے کہ محب کے دل میں محبوب کی محبت اتنی بڑھے' اتنی بڑھے کہ محبت میں بے خود ہو کر وہ اپنے محبوب کے قدموں پر سر رکھ دے' یہ محبت کی معراج ہوتی ہے۔ گویا محبت کی معراج کو عبادت کہتے ہیں۔ ہم نے جو کلمہ پڑھا تھا اس میں اللہ تعالیٰ سے کیا وعدہ کیا' یا اللہ! محبتوں کی جو انتہا ہے اگر ہمارے دل میں ہوگی تو وہ فقط تیری ذات کے لیے ہوگی' جب اللہ تعالیٰ رغبت کو جو ابتدائی تعلق کی قسم ہے غیر کے

لیے پسند نہیں فرماتے تو پھر وہ عبادت کو کسی غیر کے لیے کیسے پسند فرمائیں گے' فرمادیا:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ (سورۃ نساء:۱۱۶)

شرک کو معاف نہیں کریں گے۔ ایک طالب نے پوچھا کہ جی قیامت کے دن سب گناہ معاف ہوسکتے ہیں تو شرک بھی تو ایک گناہ ہے۔ یہ کیوں نہیں معاف ہوسکتا؟ استاد نے جواب دیا کہ یہ شرک گناہ بھی ہے اور یہ شرک اللہ رب العزت کی غیرت کا بھی مسئلہ ہے۔ جب غیرت کا معاملہ آتا ہے تو پھر محب چھوٹی سی غلطی کو بھی معاف نہیں کیا کرتا اس لیے فرمایا کہ شرک کو تو معاف بالکل نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندوں کے دل میں میری ہی محبت ہو اور میری محبت سے ان کے دل بھرے ہوئے ہوں۔

عشق کا سودا:

یہ عشق کا سودا اللہ والوں سے ملتا ہے۔ کہتے ہیں کہ برف ملتی ہے برف والوں سے' کپڑا ملتا ہے کپڑے والوں سے' سونا ملتا ہے سونے والوں سے' لہٰذا اللہ بھی ملتا ہے اللہ والوں سے۔ اللہ والوں کی صحبت میں چند دن گزار کر دیکھیں دل کی کیفیت کیا ہوتی ہے؟ خود بخود اللہ کی محبت دل میں بھرے گی۔ کہتے ہیں کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے ہم کہتے ہیں اللہ والوں کو دیکھ کر دنیا رنگ پکڑتی ہے اور خود بخود دل میں اللہ والوں کی محبت آتی ہے۔ کچھ دن ساتھ گزارنے والوں کی کیفیت ایسی بن جاتی ہے۔ کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ ہم کسی اور دنیا میں چلے گئے اور جب محفل سے اٹھے تو پھر اس دنیا میں واپس آئے ہیں' ایسی کیفیت ہوتی ہے۔ محبت الٰہی چیز ہی ایسی ہے۔ اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھئے' یہ اللہ والے عشق کی دکانیں ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں نا!

جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دوکان اپنی بڑھا گئے' یہ اللہ والے دوائے دل بیچتے ہیں' یہ عجب نعمت ہے۔

کراٹے کا کھلاڑی:

ملتان شہر میں کوئی کراٹے کا کھلاڑی تھا بلیک بیلٹ۔ وہ بیعت ہوا' وہ بھی کوئی عجیب ہی شئے تھا' کہنے لگا حضرت! میں نے بہت محنت کی ہے۔ ہم نے کہا وہ کیسے؟ کہنے لگا جی میں آپ کو دکھاتا ہوں۔ وہ لیٹ گیا اور اس کے اوپر ایک دو من کے بندے نے دس مرتبہ چھلانگیں لگائیں اور وہ آرام سے نیچے پڑا رہا۔ پیٹ کے اوپر دو من کا بندہ دو فٹ اچھل کر چھلانگ رہا ہے اور وہ آرام سے پڑا ہوا ہے۔ پھر کہنے لگا جی میں یوں بھی کر سکتا ہوں اور یہ بھی کر سکتا ہوں۔ اس کی تفصیل کی تو ضرورت نہیں وہ تو کوئی عجیب ہی شے تھا۔ بہر حال وہ بیعت ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ملاقات ہوئی پوچھا کہ بھئی کیا حال ہے؟ کہنے لگا کہ حضرت! میرا کلب پورے شہر کے اندر کراٹے میں سب سے بڑا ہے اور میں نے کالج کی لڑکیوں کو بھی کراٹے سکھانے کے لیے ایک برانچ کھولی ہوئی تھی' بیعت ہونے کے بعد تو اس برانچ کو میں نے بالکل بند کر دیا۔ یہ پہلی بات ہوئی۔

دوسری بات یہ کہ میں نے اپنے بچوں کو سمجھایا کہ بھئی ہم جو ایک دوسرے پر اٹیک کرتے ہیں اور زبان سے ایک بے معنی سا لفظ نکالتے ہیں تو اس کی بجائے ہم ''اللہ'' کا لفظ کیوں نہ نکالیں' انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ چناں چہ میں نے کہا کہ تم نے اب فائٹ کرنی ہے' اٹیک کرنا ہے تو اللہ کے لفظ سے اٹیک کرنا ہے۔ کہنے لگا کہ جب ہم نے اللہ اللہ سے اٹیک کرنا شروع کیا تو باہر سے گزرنے والے لوگ سمجھنے لگے کہ اندر محفل ذکر ہو رہی ہے' لوگ دروازے پر جمع ہو کر کہنے لگے کہ ہم بھی محفل ذکر میں آنا چاہتے ہیں' تب ان کو پتہ چلا کہ جناب یہاں تو کراٹے سکھائے جا رہے ہیں۔ بیوی تو بڑی پریشان تھی کہ لڑکیوں کی کلاس بند ہو گئی۔ اب آمدنی کم ہو جائے گی' لیکن جب انہوں نے اپنے بچے بھی بھیجنے شروع کر دیئے' یوں لڑکیوں کی کلاس کی تلافی ہو گئی۔ چناں چہ ہمارے لڑکوں کی تعداد پہلے سے تین گنا ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے رزق میں بھی اضافہ کر دیا۔ اب دیکھئے کہ دل میں محبت

الٰہی آئی تو پھر ایک دوسرے کے ساتھ کھیل کود میں بھی اللہ یاد آنے لگا۔ یہ محبت چیز ہی ایسی ہے۔

محبت الٰہی کا عجیب واقعہ:

تاجکستان جانا ہوا' ہمارے سلسلہ عالیہ کے ایک بزرگ ہیں۔ حضرت خواجہ محمد عارف ریوگری رحمۃ اللہ علیہ ان کے مزار پر گئے تو مسجد بنی دیکھی۔ عجیب بات کہ بنانے والوں نے جب مسجد بنائی تو اینٹوں کو اس طرح جوڑا کہ چند اینٹیں ملتیں تو اللہ کا لفظ بن جاتا۔ ساری دیوار پر اینٹوں سے اللہ اللہ لکھا ہوا تھا۔ وہاں کے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ انہوں نے کہا حضرت کے مریدین جو مسجد کے معمار تھے' حضرت نے ان کے دل میں ایسی محبت بھر دی تھی کہ وہ مریدین جب اینٹیں جوڑتے تھے تو ان کو بھی اللہ کے لفظ کی شکل میں جوڑتے تھے۔ ؎

میں نے تو یوں ہی خاک میں پھیری تھیں انگلیاں
دیکھا جو غور سے تو تیری تصویر بن گئی

اینٹیں جوڑتے تھے تو ''اللہ'' کا لفظ بن جاتا تھا کیا محبت بھر گئی تھی۔ اس لیے کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے کچھ دھوبی بیعت تھے' وہ جب کپڑے دھوتے تھے تو ''الا اللہ'' کی ضربیں لگاتے تھے' قریب سے گزرنے والے سمجھتے تھے کہ یہ بھی کوئی محفل ذکر ہو رہی ہے۔

اولیاء کی شان:

ایک ہوتا ہے رنگ اور کچھ لوگ ہوتے ہیں رنگ فروش اور کچھ ہوتے رنگ ریز۔ رنگ فروش کہتے ہیں رنگ بیچنے والے کو اور رنگ ریز کہتے ہیں رنگ چڑھانے والے کو۔ کتاب وسنت رنگ ہے' علمائے کرام رنگ فروش ہیں اور مشائخ عظام رنگ ریز ہیں۔ ان کے پاس جایئے یہ اللہ کے رنگ میں رنگ دیں گے۔

﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾ (سورۃ البقرۃ ۱۳۸)

کچھ ایسے قسمت والے بھی ہوتے ہیں جو رنگ فروش بھی ہوتے ہیں اور رنگ ریز بھی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جامع الشریعت والطریقت بنا دیتا ہے۔ یہ عشق کی پڑیا ان دکانوں سے ملتی ہے۔

چناں چہ مشہور واقعہ ہے، جگر مراد آبادی ایک شاعر تھا۔ پینے پلانے کی زندگی تھی۔ ایک مرتبہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب رحمۃ اللہ علیہ سے ملا، دیکھا کہ افسر اتنے بڑے مگر طبیعت میں سادگی تو پوچھنے لگے کہ ارے میاں! آپ کے مسٹر کی ٹرکیسے مس ہوئی۔ انہوں نے بتایا کہ مجھے ایک اللہ والے مل گئے ہیں تھانہ بھون میں، میں نے ان کی غلامی اختیار کر لی ہے۔ اور میری ٹرمس ہوگئی ہے۔ کہنے لگے، اچھا میں بھی کبھی آؤں گا مگر شرط یہ ہے کہ پیتا ہوں، وہاں بھی جا کر پیوں گا۔

حضرت خواجہ مجذوب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بتادی، شاعر بڑا نمایاں تھا۔ ملکی سطح کا استاد شاعر تھا۔ قادر الکلام شاعر تھا۔ اللہ والوں کی نظر ایسی صفات والے بندوں پر گہری ہوتی ہے۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت! اس نے کہا ہے کہ وہاں بھی پیوں گا۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ خانقاہ تو عوام الناس کے لیے ہوتی ہے، میں اس کو گھر میں ٹھہرادوں گا۔ گھر وہ جو کرے وہ اس کا انفرادی عمل ہوگا۔ چناں چہ اس شرط پر جگر مراد آبادی گئے، جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ملے تو انہوں نے حضرت سے چار دعائیں کروائیں:

پہلی دعا: کہ حضرت دعا کیجیے کہ میں شراب پینا چھوڑ دوں۔

دوسری دعا: کہ حضرت دعا کیجیے کہ میں بھی سنت کو چہرے پر سجالوں اور داڑھی رکھ لوں۔

تیسری دعا: کہ حضرت دعا فرمائیں کہ میں حج کر آؤں، اللہ کا گھر دیکھ آؤں۔

چوتھی دعا: کہ حضرت دعا کیجیے کہ میرا خاتمہ بالخیر ہو۔

اب وہاں سے پلٹے تو بیمار ہوگئے۔ ہسپتال گئے۔ ڈاکٹروں نے کہا' یکدم شراب چھوڑنے کی وجہ سے تو موت کا خطرہ ہے۔ اب آپ تھوڑی تھوڑی کر کے چھوڑیں' ابھی کچھ عرصہ پیتے رہیں۔ دل میں سوچا کہ جب تھوڑی تھوڑی کر کے بھی چھوڑنی ہے تو کیوں نہ ایک ہی دفعہ چھوڑنے والے عہد پر قائم رہیں۔ کہنے لگے' اب میں دوبارہ پینا نہیں چاہتا۔ اس کے ساتھ ساتھ چہرے پر سنت بھی سجالی۔ اب سارے شہر میں ہنگامہ مچ گیا۔ جس کو دیکھو وہی ان کا تذکرہ کر رہا ہے کہ جی سنا ہے جگر مرادآبادی تو بہ تائب ہوگیا ہے۔ ان سے ملنے والے لوگ آنے لگے۔ جب وہ پوچھتے کہ بھئی آپ نے یک دم کیوں چھوڑ دی تو جگر مرادآبادی کہتے:۔

یوں پینے کو تو بے حساب پی لی
اب ہے روز حساب کا دھڑکا

اب آخرت کا غم لگ گیا۔ چناں چہ جب داڑھی بڑھ گئی لوگ ملنے کے لیے آتے تو انہوں نے اپنے بارے میں خود شعر بنا دیا:۔

چلو دیکھ آئیں تماشہ جگر کا
سنا ہے وہ کافر مسلماں ہوا ہے

بدلنے کا راز کیا ہے؟ آپ نے تو کمال کر دیا' آپ کی دلوں پر حکومت ہوگئی تو انہوں نے ایک شعر کہا کہ:۔

میرا کمال عشق میں اتنا ہے اے جگر
وہ مجھ پہ چھا گئے میں زمانے پہ چھا گیا

جب دل میں اللہ چھا جاتے ہیں تو پھر بندہ زمانے پر چھا جایا کرتا ہے۔ یہ محبت الٰہی عجیب نعمت ہے۔

ہر کہ عاشق شد جمال ذات را
اوست سید جملہ موجودات را

لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کی بات دل میں اثر کرتی ہے' یہ اس لیے کہ اس کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے۔

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے:

از دل خیزد بر دل ریزد

دل سے بات اٹھتی ہے تو دل پر جا کر ٹیک کرتی ہے۔ دل پہ ہٹ کرتی ہے۔ چناں چہ اللہ والوں کی سادہ باتوں میں بھی مزا ہوتا ہے۔ شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کے بیٹے شاہ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ پڑھ کر آئے تو حضرت نے فرمایا کہ محفل میں کچھ وعظ کرو۔ انہوں نے بڑا معارف بھرا وعظ کیا لیکن مجمع پر کوئی اثر نہ ہوا۔ جب انہوں نے وعظ کر لیا تو حضرت لوگوں سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ رات ہم نے روزہ رکھنے کے لیے دودھ رکھا تھا' بلی آئی اور دودھ پی گئی۔ جب حضرت نے یہ جملہ کہا تو سارے مجمع نے رونا شروع کر دیا۔ ان الفاظ کے اندر اتنا غم تھا کہ لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر حضرت نے بیٹے سے تنہائی میں جا کر پوچھا کہ بیٹے تو نے اتنا معرفت بھرا خطبہ دیا کوئی ٹس سے مس نہ ہوا' میں نے سادہ سی بات کر دی تو لوگوں کے دل تڑپ اٹھے۔ بیٹے نے کہا کہ ابا جی! یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے۔ فرمانے لگے' بیٹے! تم نے فقط قال ان کے سامنے پیش کیا تھا' میں نے سادہ الفاظ میں حال ان کے سامنے پیش کر دیا۔ میں نے دل سے توجہ ساتھ ڈالی تھی' سادہ سی بات نے ان کے دل میں رقت پیدا کر دی۔

اللہ والوں کی باتوں میں تاثیر ہوتی ہے۔ اللہ والوں کی نگاہوں میں بھی تاثیر ہوتی ہے۔ ان کی نگاہوں سے فیض ملتا ہے۔ دیکھئے شریعت کے اندر ایک حکم ملتا ہے کہ:

﴿اَلْعَیْنُ حَقٌّ﴾

کہ نظر کا لگ جانا حق ہے۔ یہ سچ ہے کہ نظر لگتی ہے۔

چناں چہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو نظر لگی اور نبی علیہ السلام نے ان کو نظر اتارنے کا طریقہ

بتایا۔ سوچئے کہ جس نظر کے اندر عداوت ہے دشمنی ہے، حسد ہے، کینہ ہے، اگر وہ نظر دوسرے پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے تو جس نظر کے اندر محبت ہو، اخلاص ہو، رحمت ہو، شفقت ہو، للّٰہیت ہو، پھر وہ نظر دوسرے کے اوپر کیوں اپنا اثر پیدا نہیں کر سکتی؟ اللہ والوں کی بھی نظر لگ جاتی ہے، اللہ کرے کہ ہمیں بھی کسی اللہ والے کی نظر لگ جائے۔ جیسے دنیا والوں کی نظر لگنے سے انسان کی حالت بدل جاتی ہے۔ وہ مجنون سا بن جاتا ہے تو جس کو اللہ والوں کی نظر لگتی ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا دیوانہ ہو جاتا ہے۔

اللہ والوں کی نظر:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اٹھارہ سال مسجد فتح پوری میں اعتکاف کیا اور قرآن پاک کا اردو میں ترجمہ لکھا۔ فرماتے ہیں کہ جب باہر نکلے تو سامنے ایک کتا تھا۔ اس [illegible] پر ان کی نظر پڑ گئی۔ کتے پر ایسی حالت طاری ہو گئی کہ وہ جہاں جا کر بیٹھتا تھا دوسرے کتے اس کے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ جایا کرتے تھے۔

فرماتے ہیں کہ جانوروں پر نظر پڑے تو ان میں بھی تاثیر آتی ہے۔ انسان تو پھر انسان ہے۔ اس لیے کہنے والے نے کہا:

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

یہ ہے اللہ والوں کی نظر۔ اس سے دلوں میں محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے ان کے اعمال میں بھی تاثیر ہوتی ہے۔

حضرت محمود الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا انداز بندگی:

حضرت مولانا محمود الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نماز کا سجدہ لمبا کیا کرتے تھے۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمانے لگے کہ ہر سجدہ کرتا ہوں تو دل کہتا ہے کہ معلوم نہیں پھر یہ موقع ملے نہ ملے اس لیے

میرا سر اٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔ اسی طرح حضرت مولانا یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ لمبا سجدہ کرتے تھے۔ کسی نے کہا کہ حضرت! اتنا لمبا سجدہ؟ فرمانے لگے کہ روایت میں آیا ہے:

((اَلسَّاجِدُ یَسْجُدُ عَلٰی قَدَمَی الرَّحْمٰنِ))

سجدہ کرنے والا اللہ کے قدموں پر سجدہ کر رہا ہوتا ہے۔ جب میں سجدہ کرتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔ اس لیے میرا سر اٹھانے کو جی نہیں چاہتا۔

نشان سجود تیری جبیں پر ہوا تو کیا
کوئی ایسا سجدہ کر کہ زمیں پر نشاں رہے

کاش ہم بھی کوئی ایسا سجدہ کر جاتے۔ حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نقشبندی سلسلہ کے ایک بزرگ تھے۔ وہ جب مراقبے کے لیے لوگوں کو بلاتے تو کہتے آؤ بھائی پریم پیالہ پئیں۔ انہوں نے اس مراقبے کا نام پریم پیالہ رکھا ہوا تھا۔ کہتے تھے کہ آؤ بھائی پریم پیالہ پئیں۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ اشرف علی! جب میں سجدہ کرتا ہوں مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میرے رب نے میرے رخسار کا بوسہ لے لیا ہو۔

حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے لطف کی چیز:

سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے نوجوانوں کے سامنے ذرا حور و قصور کے تذکرے کیے۔ نوجوانوں کو یہ تذکرے بڑے اچھے لگتے ہیں۔ آخر میں حضرت نے فرمایا کہ اگر قیامت کے دن اللہ رب العزت کا ہم پر فضل ہو گیا تو میں عرض کروں گا کہ یا اللہ! مجھے تو اپنے عرش کے نیچے مصلے کی جگہ عطا فرما دیجیے۔ ان کو کیا مزا آتا ہوگا۔

شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ کی حالت:

شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے کہا کہ جنت میں نماز نہیں ہوگی تو حضرت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کسی نے کہا کہ حضرت! روتے کیوں ہیں؟ فرمانے لگے کہ [illegible]

جنت میں نماز نہ رہی تو پھر جنت میں مزا کیا آئے گا۔ غور کیجیے ان کو کتنا مزا ملتا ہوگا نماز میں' یہ کیسے ملتا ہے؟ یہ محبت الٰہی کی وجہ سے ملتا ہے۔ جیسے ہم باہر گرمی کے موسم سے اندر آئیں اور ٹھنڈا مشروب ملے تو ہم کیسے بڑے بڑے گھونٹ لذت لے لے کر پیتے ہیں۔ اللہ والے جب قرآن مجید پڑھتے ہیں تو قرآن مجید کی ایک ایک آیت کو یوں لذت لے لے کر پڑھا کرتے ہیں۔ ہم نمازیں پڑھتے تو ثواب کو سامنے رکھ کر پڑھتے ہیں کہ اشراق پڑھو تو ایک حج عمرے کا ثواب ملے گا' اوابین پڑھو تو اتنے سال کی عبادت کا ثواب ملے گا' ہمارے سامنے عبادت مطلوب ہوتی ہے۔ اللہ والے ان عبادتوں اور اجر وثواب کو سامنے نہیں رکھتے۔ وہ تو اللہ کی محبت میں اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونا چاہتے ہیں' ان کی تو یہ کیفیت ہوتی ہے۔

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے
ہم ثواب و عذاب کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب ملتا ہے
عشق والے حساب کیا جانیں

عشق والوں کو حساب و کتاب کا کیا پتہ' وہ تو اللہ تعالیٰ کی محبت میں نمازیں پڑھ رہے ہوتے ہیں۔

عشق کی دکانیں تو یہ ہیں:

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ مولانا! تم نے کبھی عشق کی دکانیں بھی دیکھی ہیں؟ عجیب سوال کیا' مولانا تھوڑی دیر سوچتے رہے اور سوچ کر جواب دیا کہ حضرت! میں نے دو عشق کی دکانیں دیکھی ہیں' پوچھا کہ کون کون سی؟ فرمانے لگے کہ دہلی میں شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک شاہ آفاق رحمۃ اللہ علیہ کی۔

یہ دونوں نقشبندی سلسلہ کے بزرگ تھے۔ یہ دو عشق کی دکانیں دیکھی ہیں۔ جس طرح دکانوں سے سودا ملتا ہے۔ اسی طرح ان اللہ والوں کی دکانوں سے عشق کی پڑیا مل جاتی ہے۔ عشق کی پڑیا لینے کے لیے اس طرح کی محفل میں آنا پڑتا ہے۔ یہ خانقاہیں اسی لیے آباد ہیں۔ یہاں عشق کی دوا ملتی ہے۔ اور اللہ رب العزت پھر دلوں کو اپنی محبت سے بھر دیتے ہیں۔ ہم نے بھی اپنے شیخ کو دیکھا کہ عشق کی بڑی دکان تھی' تھوک کا بیوپار تھا۔

جس قلب کی گرمی نے دل پھونک دیئے لاکھوں
اس قلب میں یا اللہ کیا آگ بھری ہوگی

اس لیے آج اللہ رب العزت سے دنیا کی نعمتیں مانگنے والے تو بڑے ہیں۔ کوئی اولاد مانگتا ہے' کوئی نیک بیوی مانگتا ہے' کوئی گھر بار مانگتا ہے۔ کوئی کاروبار مانگتا ہے۔ کوئی اچھی صحت مانگتا ہے' سب نعمتیں اللہ تعالیٰ سے مانگنے والے موجود ہیں۔ لیکن آج اللہ سے اللہ کو مانگنے والے بہت تھوڑے ہیں۔ نہیں دیکھا کہ کوئی اس لیے رو رہا ہو۔

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْکَ))

اے اللہ! میں آپ سے آپ ہی کو چاہتا ہوں۔ آج کی رات ۲۹ کی رات' ختم قرآن کی رات' اس محفل میں بس آپ اللہ سے اللہ کو مانگئے' یہ دعا مانگیں اے اللہ.....!

تیرے عشق کی انتہا چاہتا ہوں
مری سادگی دیکھ کیا چاہتا ہوں

یہ وہ نعمت ہے جس کو اللہ کے محبوب بھی اللہ سے مانگتے تھے۔

چناں چہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے دعا مانگی:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْکَ حُبَّ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ))

اے اللہ! میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور اللہ! جو آپ سے محبت کرنے والے ہیں میں ان کی بھی محبت کا سوال کرتا ہوں۔ یہ نعمت مانگنے کی چیز ہے:

وَاللّٰہِ مَاطَلَعَتْ شَمْسٌ وَّلَاغَرَبَتْ
اِلَّاوَاَنْتَ فِیْ قَلْبِیْ وَوِسْوَاسِیْ
وَلَاذَکَرْتُکَ مَحْزُوْنًا وَّلَامَسْرُوْرًا
اِلَّاوَحُبُّکَ مَقْرُوْنٌ بِاَنْفَاسِیْ
وَلَاحَمَمْتُ بِشُرْبِ مَاءٍ مِنْ عَطْشٍ
اِلَّارَاَیْتُ خَیَالًامِنْکَ فِیْ کَاْسِیْ
فَلَوْ قَدَرْتَ عَلَی الْاِتْیَانِ زُرْتُکُمْ
صَحَابًاعَلَی الْوَجْہِ اَوْ مَشْیًاعَلٰی رَاْسِیْ

اللہ کی قسم کہ سورج کبھی طلوع ہوا اور نہ کبھی غروب ہوا مگر ایسی حالت میں کہ اے محبوب! تو میرے دل میں اور میرے خیالوں میں رہتا ہے اور میں کبھی کسی قوم کے پاس گفتگو کرنے نہیں بیٹھا مگر اے محبوب ایسی حالت میں کہ ہم جیسوں میں تیرا ہی تو ذکر ہوتا ہے اور میں نے کبھی رنج اور خوشی میں تیرا ذکر نہیں کیا مگر اس حالت میں کہ میرے سانسوں میں تیری محبت ہی تو لپٹی ہوئی ہوتی ہے اور میں نے کبھی پیاس کی وجہ سے پانی نہیں پیا مگر اے محبوب! میں پیالہ میں تیری ہی تصویر کو تلاش کرتا رہتا ہوں اور اے محبوب! اگر مجھے تیرے زیارت کے لیے آنے کی قدرت ہوتی تو میں رخساروں کے بل اور سر کے بل چل کے آنے کے لیے تیار ہو جاتا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ایسی محبت عطا فرمائے کہ ادھر سے نماز کے لیے اللہ اکبر کی آواز ہو اور ہمارا دل تڑپ اٹھے کہ ہم بھی رخساروں اور سر کے بل چل کے اللہ کے گھر کی طرف پہنچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ ایسی محبت عطا فرمادیں۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَااَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

۞۞۞

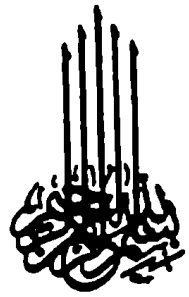

پاجا سراغ زندگی

خوفِ الٰہی کے انعامات

پیرِ طریقت رہبرِ شریعت مفکرِ اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مجددی نقشبندی مدظلہ

خوفِ الٰہی کے انعامات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا (سورۃ فاطر:۲۸)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی مَقَامٍ اٰخَرَ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَہَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی ○ فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی ○ (سورۃ نازعات آیت ۴۰/۴۱)

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی مَقَامٍ اٰخَرَ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ جَنَّتٰنِ ○ (سورۃ رحمٰن:۴۶)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

تمہید:

دو الفاظ کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ ایک امید اور دوسرا خوف۔ آج آپ کے سامنے بیٹھا کر دل میں یہ بات آئی کہ خوف والی نعمت کا بھی تذکرہ کرنا چاہیے۔

ہم امید کو تو نعمت سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ رب العزت کی یہ بھی ایک نعمت ہے۔ کیوں کہ تمام گناہوں سے بچنے کی یہ کنجی ہے۔ اسی لیے نبی علیہ السلام دعا میں اللہ رب العزت سے یہ نعمت مانگتے تھے۔

﴿اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِہٖ بَیْنِیْ وَبَیْنَ مَعْصِیَتِکَ﴾

اے اللہ! میں آپ سے آپ کی خشیت مانگتا ہوں جو میرے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے' خوف خدا یہ اللہ رب العزت کی بڑی نعمت ہے۔ جس کے ذریعے انسان گناہوں سے بچتا ہے۔ آج اس محفل میں ہم مقام خوف کی سیر کریں گے' پھر اپنے دل میں جھانک کر دیکھیں گے کہ کیا ایسا خوف ہمارے دلوں میں موجود ہے؟

خوف اور حزن کیا ہے:

دو باتیں ذہن میں رکھئے ایک ہوتا ہے ''خوف'' دوسرا ہوتا ہے ''حزن'' خوف باہر کے ڈر کو کہتے ہیں اور حزن اندر کا غم ہوتا ہے۔ جب کبھی آدمی کے دل میں حزن بڑھتا ہے تو اس آدمی کا کھانا پینا کم ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک ماں کا بیٹا فوت ہو گیا' کئی دن تک وہ کھانا نہیں کھائے گی' اسی طرح ایک آدمی کے کاروبار میں نقصان ہو گیا' اس کا کھانے کو دل نہیں کرے گا' طالب علم اگر امتحان میں فیل ہو گیا تو اچھے کھانے گھر میں ہونے کے باوجود اس کا دل نہیں چاہے گا۔

جب حزن بڑھتا ہے تو کھانا پینا کم ہو جاتا ہے اور جب خوف بڑھتا ہے تو انسان گناہ کرنا کم کر دیتا ہے۔ اسی لیے جس کے دل میں خوف خدا ہو گا وہ گناہوں سے بچے گا' گناہ آٹومیٹک ختم ہو جائیں گے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جس آدمی کو پھانسی پر چڑھانے کا حکم دے دیا جائے وہ اپنی تنہائی میں کال کوٹھڑی میں بیٹھ کر گناہوں کی پلاننگ نہیں کرتا' اس کے دل پر ایسا غم سوار ہوتا ہے کہ گناہوں کی طرف اس کا دھیان ہی نہیں جاتا۔ اسکو ہر دم یہ خوف لگا ہوتا ہے کہ کل مجھے پھانسی پر لٹکا دیا جائے گا۔ خوف انسان کو گناہوں سے بچانے کی کنجی ہے۔ تاہم کب دل میں خوف ہونا چاہیے اور کب دل میں امید ہونی چاہیے؟ یہ تقسیم بڑی عجیب ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جوانی کے عالم میں بندے پر خوف غالب ہونا چاہیے تاکہ نفس کا زور ٹوٹ سکے۔ انسان گناہوں سے بچ سکے۔ لیکن جب بڑھاپا آ جائے

تب امید غالب ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ قویٰ ضعیف ہو چکے اب اس پر امید غالب ہو جائے اور اللہ سے پر امید رہے۔ آگے فرماتے ہیں خوشی کے موقع پر بندے پر خوف غالب ہونا چاہیے تا کہ خوشی میں آ کر حدود و قیود سے باہر نہ نکلے اور اگر کوئی غم کی کیفیت ہو تو پھر امید غالب ہونی چاہیے تا کہ یہ انسان اللہ کی رحمت سے کہیں مایوس نہ ہو جائے۔ صحت کا عالم ہو تو بندے پر خوف غالب ہونا چاہیے اور اگر بیماری کی کیفیت ہو تو پھر اس کے اوپر امید غالب ہونی چاہیے۔ چوں کہ نوجوان چہرے سامنے نظر آ رہے ہیں' اس لیے آج کی تقریر کا عنوان آپ کے چہروں نے بتلا دیا اور واقعی ہمیں اس عنوان پر بہت کچھ دل میں بٹھانے کی ضرورت ہے۔ وہ خوف جو ہونا چاہیے آج ہمارے دل اس سے محروم ہیں۔ یہ خوف اللہ رب العزت کی عجیب نعمت ہے' اسے مانگنا چاہیے۔ اے اللہ! ہمیں ایسا خوف عطا فرما کہ جس کی وجہ سے ہم گناہوں سے بچ کر زندگی گزار سکیں۔ معصیت سے خالی زندگی گزار سکیں۔

اللہ ہر چیز پر قادر ہے:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں ہر جگہ حکم اللہ تعالیٰ کا چلتا ہے۔

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (سورۃ یوسف:۴۰)

وہ ایسا قدرت والا بادشاہ ہے' شہنشاہ ہے' مالک اور خالق ہے کہ ہر چیز کو اس نے پیشانی سے پکڑا ہوا ہے۔ ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے۔ انسان کے باہر جتنا بھی جہاں ہے اس پر اللہ کا حکم سو فیصد چلتا ہے۔ اور کوئی چیز اس کے حکم سے آگے نہیں چل سکتی۔

﴿لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَآ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ۭ وَكُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ﴾ (سورۃ یٰسین:۴۰)

نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آ سکتی ہے اور

دونوں ایک ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔

ہر چیز اپنے اپنے دائرے میں تسبیح بیان کر رہی ہے' جو کام ذمہ لگا وہ ڈیوٹی سرانجام دے رہی ہے۔ اب رہ گیا انسان' اسکا نصف تو اللہ کے ضابطے کے تابع ہے۔ مثلاً آپ لقمہ منہ میں ڈالنے کا اختیار رکھتے ہیں لیکن منہ میں ڈالنے کے بعد آپ کا اختیار ختم۔ اب پیٹ میں جائے گا اور وہاں آٹومیٹک پروسیس ہے۔ وہاں اللہ کا ایک ضابطہ ہے وہ چل رہا ہے۔ آپ اس کے خلاف نہیں کر سکتے۔ آدھا جسم گویا اللہ کے حکم کے مطابق چل رہا ہے۔ باقی آدھے جسم پر پروردگار نے ہمیں کچھ وقت کے لیے اختیار دے دیا کہ تم اپنے جسم کو میرے حکموں کے مطابق استعمال کرو۔ یہاں پھر ایک فرق ہے جو اللہ والے ہوتے ہیں وہ جسم کے اس حصے کو بھی اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق استعمال کرتے ہیں اور جو غافل ہوتے ہیں وہ اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں۔ نفس اور شیطان کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ مگر کتنی دیر تک' بکرے کی ماں آخر کب تک خیر منائے گی۔ ہم اگر گناہ کریں گے تو آخر کہاں بھاگیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ﴾ (سورۃ رحمٰن:۳۳)

اے جن اور انسان کے گروہ! اگر تم زمین و آسمان کے کروں سے نکل کر دکھا سکتے ہو تو دکھاؤ نکلو گے کسی دلیل سے نکلو گے۔

ہم تو گھڑے کی مچھلی کی مانند ہیں۔ کہاں بھاگ سکتے ہیں؟ اس لیے عقلمندی کا تقاضا یہی ہے کہ ہم اپنے جسم کے اس آدھے حصے کو بھی اللہ کے سپرد کر دیں۔

﴿وَاِلَیْهِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ﴾ (سورۃ ہود:۱۲۳)

ہر چیز اسی کی طرف لوٹتی ہے۔

سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرمانبردار

بندے بن جائیں' جس نے اس راز کو سمجھ لیا اس کو دنیا اور آخرت کی سعادتیں ملیں اور جس نے من مانی کی بس چند دن کی بات ہے پھر آخر اللہ رب العزت کے حضور جانا ہے اور اللہ رب العزت نے بتلا دیا:

﴿اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ﴾ (سورۃ ہود:۱۰۲)

بلاشبہ اس کی دارو گیر بڑی الم رساں (اور) سخت ہے۔

تقویٰ کا مفہوم:

ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچنا' اس کا نام تقویٰ ہے۔ اللہ پاک نے اس کی وصیت فرمائی۔ قرآن پاک میں فرمایا:

﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ (سورۃ نساء:۱۳۱)

تحقیق ہم نے وصیت کی تمہیں بھی اور تم سے پہلے اہل کتاب کو بھی کہ تم اللہ سے ڈرو' تقویٰ اختیار کرو' پرہیز گار بن جاؤ۔ گناہوں سے بچنا اس کا نام پرہیز گاری ہے' ہر اس چیز سے بچنا جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ کے تعلق میں فرق آ جائے اس کا نام تقویٰ ہے اور ہمیں اس کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

منشاء اللہ ہی کی پوری ہوتی ہے:

اللہ رب العزت کی مرضی ہر حال میں چلتی ہے۔ وہ بے نیاز ذات ہے' اگر ساری زمین کعبہ کے مانند بن جائے اور سارے انسان سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مرتبہ پر فائز ہو کر اللہ کی عبادت کریں تب بھی اللہ کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح اگر ساری زمین کفرستان بن جائے اور سارے انسان فرعون' قارون' ہامان سے بھی برے بن جائیں پھر بھی اللہ کی شان میں کوئی کمی نہیں آتی۔ وہ مالک بے نیاز ہے ہماری عبادتیں سب کی سب اللہ رب العزت کی عظمتوں کے پردے سے نیچے رہ جاتی ہیں۔

﴿وَهُوَ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰی وَرَاءُ الْوَرٰی ثُمَّ وَرَاءُ الْوَرٰی ثُمَّ وَرَاءُ الْوَرٰی﴾

وہ ذات اس سے بھی بلند ہے اس سے بھی بلند ہے اس سے بھی بلند ہے' وہ اتنی عظمتوں والی ذات ہے۔

دیکھئے! حضرت آدم علیہ السلام چاہتے تھے کہ جنت ہی میں رہیں' اسی اشتیاق میں درخت کا پھل کھایا اور اللہ رب العزت چاہتے تھے کہ انہیں دنیا میں بھیجیں۔ نتیجہ کیا نکلا؟ مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ کی۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے چھری چلاتے ہیں' دل میں نیت یہ ہے کہ میں بیٹے کو ذبح کروں مگر اللہ رب العزت کی مرضی یہ ہے کہ یہ بچہ ذبح نہ ہو۔ مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ رب العزت کی۔

سیدنا نوح علیہ السلام کے سامنے بیٹا ہے' اس کو سمجھاتے ہیں:

﴿یٰبُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا﴾ (سورۃ ہود:۴۳)

اے بیٹے ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا' کافروں کا ساتھ نہ دے' وہ کہتا ہے کہ نہیں میں اوپر چڑھ جاؤں گا۔ اب دیکھئے حضرت نوح علیہ السلام چاہتے ہیں کہ بیٹا بچ جائے اور اللہ رب العزت نہیں چاہتے تو مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ رب العزت کی۔

نبی علیہ السلام ایک موقع پر دل میں فیصلہ فرما لیتے ہیں کہ آج کے بعد میں نے شہد استعمال نہیں کرنا' پروردگار عالم کی طرف سے پیغام آ جاتا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِیْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ (سورۃ تحریم:۱)

اے نبی! جس چیز کو اللہ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے آپ (قسم کھا کر) اس کو اپنے اوپر کیوں حرام فرماتے ہیں پھر وہ بھی اپنی بیبیوں کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

چناں چہ نبی علیہ السلام پھر شہد استعمال فرماتے ہیں تو مرضی کس کی پوری ہوئی؟ اللہ کی۔ ان تمام واقعات سے بات یہ سامنے آئی کہ ہر حال میں مرضی اللہ رب العزت کی پوری ہوتی ہے۔ پھر ہم کیوں اس کی نافرمانی کر کے اس کو ناراض کرتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس پروردگار کو راضی کریں۔ اس کو خوش کریں۔ اس لیے کہ جس نے اللہ رب العزت کو ناراض کر لیا وہ انسان کبھی کامیابی کی زندگی نہیں گزار سکتا۔ اللہ تعالیٰ جب ناراض ہوتے ہیں تو پھر بندے کو تگنی کا ناچ نچا دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ﴾ (سورہ حج آیت ۱۸)

جسے اللہ رب العزت ذلیل کرنے پر آتے ہیں' اسے عزت دینے والا اور کوئی نہیں'

اس لیے جو انسان اللہ رب العزت کو ناراض کر بیٹھا اب اس کے پلے کچھ نہ رہا۔ اپنی ہر چیز کو ضائع کر بیٹھا اس لیے اس کی ناراضگی سے ہم ڈریں' خوف کھائیں کہ اللہ ناراض نہ ہو جائے۔

خوف کے درجات:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے خوف کے تین درجے ہیں:

سب سے نیچے کا درجہ اس کو عوام الناس کا خوف کہتے ہیں۔ عوام الناس کا خوف بچے کے خوف کی مانند ہوتا ہے۔ جیسے بچے سے کوئی شیشے کی چیز ٹوٹ جاتی ہے تو اس کو ذہنی طور پر اس کا احساس ہوتا ہے کہ امی کو جب پتہ چلے گا تو مجھے مار پڑے گی۔ کیوں کہ اس سے غلطی ہوئی۔ لہٰذا وہ پہلے سے انتظار میں ہے کہ امی کو جب پتہ چلے گا تب میری مرمت ہوگی' تو عوام الناس کا خوف اس درجہ کا ہوتا ہے کیوں کہ انہوں نے اللہ رب العزت کے حکم کو توڑا ہوتا ہے' گناہ کیے ہوتے ہیں۔ نفس کی خواہشات کو پورا کیا ہوتا ہے۔ ان کے دل میں خوف ہے' وہ اپنے گناہوں کو دیکھتے ہیں۔ اپنے معاملات کو دیکھتے ہیں تو پھر ان کے دل میں ایک ڈر ہوتا ہے کہ ہمیں آخرت کے اندر سزا ملے گی۔

دوسرا خوف اس سے ذرا بلند درجہ کا ہے۔ اسے کہتے ہیں ابرار کا خوف' نیکوکاروں کا خوف' اور وہ کیا ہے؟ وہ یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے تو نیک عمل کیے ہوتے ہیں مگر یہ سمجھتے ہیں کہ جیسا عمل کرنا چاہیے تھا ہم ایسا عمل نہیں کر سکے۔ پتہ نہیں یہ ہمارے اعمال اللہ رب العزت کے یہاں قبول بھی ہونگے یا نہیں؟ لہٰذا ان کو ڈر لگا رہتا ہے۔ یہ لوگ گناہ تو نہیں کرتے لیکن اعمال کی قبولیت کے بارے میں ڈر رہے ہوتے ہیں۔

چناں چہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال عشاء کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ حرمین شریفین کی زیارت کے لیے گئے۔ مقام ابراہیم پر دو رکعت میں پورا قرآن کریم پڑھا اور پھر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی:

﴿مَاعَبَدْنَاكَ حَقَّ عِبَادَتِكَ وَمَاعَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ﴾

اے اللہ! جیسے آپ کی عبادت کا حق تھا وہ حق ادا نہیں کر سکے' اور جیسی آپ کی معرفت حاصل کرنی چاہیے تھی وہ معرفت حاصل نہیں کر سکے۔

یہ لوگ کرتے بھی ہیں ڈرتے بھی ہیں۔ عمل بھی کیا اپنی طرف سے مگر قبولیت کے بارے میں ڈرتے ہیں' دن رات اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ نیکیاں کمائیں اور پھر رات کو روتے ہیں کہ:

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لیے

اس لیے کتابوں میں لکھا ہے کہ ہمارے اکابرین ساری ساری رات عبادتوں میں گزارتے تھے۔ لیکن صبح کے وقت اتنی ندامت سے استغفار کرتے تھے کہ جیسے ساری رات کسی کبیرہ گناہ کے مرتکب ہوتے رہے ہوں۔

﴿كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ﴾ (سورۃ ذاریات:۱۷)

وہ لوگ رات کو بہت کم سوتے تھے اور اخیر شب میں استغفار کیا کرتے تھے۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ تہجد میں اس طرح روتے تھے جیسے کوئی بچہ باپ سے پٹ رہا ہوتا ہے۔ اور وہ معافیاں مانگتا ہے۔ فریاد کرتا ہے' روتا ہے' اس طرح وہ اللہ رب العزت کے سامنے گریہ وزاری فرمایا کرتے تھے۔

یہ خوف کا دوسرا مرتبہ کہ اپنی طرف سے تو نیک اعمال کیے۔ لیکن پھر یہ دل میں رکھا کہ یہ عمل جیسا کرنا چاہیے تھا ویسا ہو نہیں سکا۔ جیسے آج کل کوالٹی کنٹرول کا دور ہے' ہر جگہ کوالٹی کنٹرول کی باتیں ہوتیں ہیں تو اللہ رب العزت کے یہاں بھی کوالٹی کنٹرول ہے:

﴿اَلَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (سورۃ ملک:۲)

جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون شخص عمل میں زیادہ اچھا ہے۔ اکثر عملا نہیں کہا بلکہ اَحْسَنُ عَمَلًا کہا کہ تم عمل کرو مگر جیسے کرنے کا حق ہے اس طرح کرو۔

تیسرا خوف عارفین کا خوف' وہ یہ کہ اپنی طرف سے تو وہ اعمال تو خوب اچھی طرح کر رہے ہوتے ہیں لیکن ڈرتے ہیں کہ معلوم نہیں موت تک ہم ان کو بحفاظت پہنچا سکیں گے یا نہیں؟ کہیں فتنہ میں نہ پڑ جائیں' محروم نہ کر دیے جائیں' نگاہ ناز ہم سے ہٹ نہ جائے' ہمیں الجھا نہ دیا جائے' اس لیے انجام کے بارے میں ڈر رہے ہوتے ہیں کہ انجام کا تو کسی کو نہیں پتہ۔ یہ عارفین کا خوف ہوتا ہے جو بلند مرتبہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ حتی کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے دلوں میں بھی یہی خوف ہوتا ہے۔ یہی ڈر ہوتا ہے' ہر وقت:

﴿وَمَا اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِکُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ﴾

(سورۃ احقاف آیت ۹)

اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور نہ (یہ معلوم کہ) تمہارے ساتھ (کیا کیا جائے گا) میں تو صرف اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کے ذریعے آتا ہے۔

وہ ڈر رہے ہوتے ہیں کہ معلوم نہیں ہمارا کیا بنے گا؟ اس لیے کہ رب کریم کی

عظمتوں کو وہ جانتے ہیں' اس کی جلالت کو وہ سمجھتے ہیں' اس کی بے نیازی کی جب نگاہ اٹھتی ہے تو پھر بلعم باعور کی چار سو سال کی عبادت کو ٹھوکر لگا کر رکھ دیتے ہیں۔ اور جب اس کی رحمت کی نگاہ اٹھ جاتی ہے تو فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کو ڈاکوؤں کی سرداری سے نکال کر ولیوں کا سردار بنا دیتے ہیں۔ وہ اللہ رب العزت کی شان بے نیازی سے ڈرتے ہیں کہ وہ چاہے تو بغیر کسی وجہ کے پکڑ لے' یہ بھی اس کا عین انصاف ہے۔ ایک بات ہماری نظر میں چھوٹی ہے ممکن ہے اللہ رب العزت کی نظر میں بڑی ہو' کئی مرتبہ مشائخ پر چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے آزمائش آ گئی۔

اللہ کی گرفت:

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ اندلسی رحمۃ اللہ علیہ یہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ تھے۔ ایک بار کفار کی بستی کے قریب سے گزرتے ہوئے ان کے دل میں خیال آیا کہ یہ کیسے بے عقل لوگ ہیں کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں' بس اس بات پر پکڑ آ گئی کہ تم ہدایت پر ہو تو تمہاری عقل کا کمال ہے یا ہمارا کمال ہے جس نے تمہیں ہدایت پر رکھا ہوا ہے؟ چناں چہ کفار کی کسی لڑکی پر نظر پڑی اور باطن کی ساری نعمت چھن گئی۔ لوگوں کو کہا کہ جاؤ اپنے گھروں کو چلے جاؤ۔ حافظ القرآن اور حافظ الحدیث تھے' ہزاروں انسانوں کی ہدایت کے لیے ان کے مربی بنے ہوئے تھے۔ آزمائش میں آ گئے' دل سے سب کچھ نکل گیا' لڑکی کے گھر گئے۔ اس کے والد سے کہا کہ اس کا میرے ساتھ نکاح کر دو۔ اس نے کہا کہ ہمارے پاس رہو' دو سال خدمت کرو کچھ آپس میں موانست ہو' جان پہچان ہو پھر کر دیں گے۔ لیکن کام جو آپ کے ذمے لگے گا وہ یہ کہ ہمارے سور چرانے پڑیں گے؟ کہنے لگے' چراؤں گا۔ دو سال تک سور چراتے رہے۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال آیا کہ معلوم نہیں وہ کس حال میں ہیں۔ میں دیکھ کر آؤں۔ لہٰذا وہ ملنے کے لیے آئے' کیا دیکھتے ہیں وہی جبہ' عمامہ وہی عصا' جس کے

ساتھ وہ جمعہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے' اسی حالت میں کھڑے وہ ان سوروں کی نگرانی کر رہے تھے۔ اللہ نے انہیں اس کام پر لگا دیا۔ قریب آئے اور کہا' حضرت! آپ تو حافظ قرآن تھے' اب بھی آپ کو قرآن پاک یاد ہے؟ کہنے لگے نہیں' پوچھا' حضرت! کوئی ایک آیت یاد ہو؟ فرمایا' بس ایک آیت یاد ہے:

﴿وَمَنْ يُهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ﴾ (سورۃ حج:۱۸)

جسے اللہ ذلیل کرنے پر آتا ہے اسے عزت دینے والا کوئی نہیں۔

پھر کہا' حضرت! آپ حدیث پاک کے بھی حافظ تھے' فرمایا بھول چکا۔ پھر پوچھا حضرت! کوئی حدیث یاد ہو؟ فرمایا ایک حدیث یاد ہے:

﴿مَنْ بَدَّلَ دِيْنَهٗ فَاقْتُلُوْهُ﴾

جو اپنے دین کو بدل دے اس کو قتل کر دو۔ یہ آیت یاد رہی اور یہ روایت باقی سب کچھ بھول گیا۔ اس موقع پر حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے رونا شروع کر دیا۔ کوئی قبولیت کا وقت تھا۔ شیخ کے اوپر بھی گریہ طاری ہوا اور روتے روتے انہوں نے یہ کہا کہ اللہ! میں آپ سے یہ توقع تو نہیں کرتا تھا کہ میں اس حال میں پہنچ جاؤں گا۔ اب جب عاجزی کی چند باتیں کہیں تو وہ اللہ رب العزت کو پسند آ گئیں۔ اللہ رب العزت نے پھر وہ نعمتیں لوٹا دیں۔ توبہ کی توفیق عطا فرما دی اور پھر ان کے ذریعہ اللہ نے لاکھوں انسانوں کو ہدایت عطا فرمائی۔

حافظ قرآن و حدیث کی زبان سے بھی کوئی ایسا لفظ نکل جاتا ہے تو اللہ رب العزت کی پکڑ آ جاتی ہے اور اللہ اس کو بھی سوروں کے چرانے میں لگا دیتے ہیں۔ میں اور آپ کس کھیت کی گاجر مولی ہیں؟

عجب کا علاج:

حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بات لکھی' فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی دو

آیتیں ہیں ان دو آیتوں کو [illegible] نے پڑھ لیا اس کے بعد اس کو عجب نہیں آ سکتا۔ ایک علم کے بارے میں اور دوسری عمل کے بارے میں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کس کو؟ اپنے محبوب کو جن کو اتنا مرتبہ دیا' اتنا مقام دیا ان کو فرماتے ہیں:

﴿وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ (سورہ اسراء:۸۶)

''اگر ہم چاہیں ہم سب کچھ لے لیں جو کچھ ہم نے وحی کے ذریعہ آپ کو عطا کیا''

اپنے محبوب کو یہ فرما رہے ہیں۔

﴿لَئِنْ شِئْنَا﴾ (سورہ اسراء:۸۶)

دیکھئے کیا شاہانہ خطاب ہے' کیسی عظمت ہے اس خطاب میں کیسی جلالت شان اللہ کی ظاہر ہوتی ہے۔

﴿لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْ﴾ (سورہ اسراء:۸۶)

نون ثقیلہ کا صیغہ استعمال فرمایا' تاکید کا آخری درجہ۔ اگر ہم چاہیں ہم ضرور بالضرور وہ سب کچھ لے لیں جو ہم نے آپ کے اوپر وحی کے ذریعہ نازل کیا۔

ہمارا علم کس کام کا ہم اپنے علم پر کیا عجب کر سکتے ہیں۔

دوسری آیت بیان فرمائی عمل کے بارے میں' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اپنے محبوب سے' سید الکونین سے' امام الانبیاء امام الملائکہ صلی اللہ علیہ وسلم سے.....

﴿وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ﴾ (سورہ اسراء:۷۴)

اے محبوب! اگر ہم آپ کو ثابت قدمی نہ دیتے۔

﴿لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ○ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا﴾ (سورہ اسراء:۷۴)

ان آیات کا ترجمہ کرنے کی ہمت اس عاجز میں نہیں ہے۔

اس آیت کو پڑھ کر ذرا غور کیجیے! کہ اللہ رب العزت کی ذات کتنی عظمتوں والی ہے۔

اپنے محبوب کو یہ الفاظ فرمائے تو پھر کیا ہم اپنے عمل پر ناز کر سکتے ہیں؟ جس طالب علم نے ان دو آیتوں پر غور کر لیا وہ اپنے علم اور عمل پر ناز نہیں کر سکتا' اس کی گردن جھکی رہے گی' وہ ڈرتا کانپتا رہے گا' اس میں ''میں'' نہیں آئے گی۔ وہ اللہ رب العزت کا عاجز بندہ بنے گا' اس لیے ہم اللہ رب العزت کی عظمت کو سمجھتے ہوئے تواضع والی زندگی کو اختیار کریں' اللہ رب العزت کو راضی کرنے کی اس طرح کوشش کریں جس طرح کہ بھاگا ہوا غلام پکڑا جائے پھر وہ شرمندہ ہوتا ہے اور وہ دوبارہ اس کو کام پر لگا دیا جائے تو مالک کو خوش کرنے کے لیے دوڑ دوڑ کر کام کر رہا ہوتا ہے۔ جس طرح وہ غلام مالک کو خوش کرنے کے لیے بھاگ بھاگ کر کام کرتا ہے۔ ہم اسی طرح بھاگ بھاگ کر نیکی کرنے کی کوشش کریں تاکہ پروردگار عالم ہم سے راضی ہو جائیں۔ یہ خوف کی سب سے اعلیٰ قسم ہے۔ انجام کے بارے میں خوف رہنا اس کی اور بھی بہت ساری مثالیں ملتی ہیں۔

نبی پاک ﷺ کا خوف الٰہی:

رسول اللہ ﷺ پر خشیت کا یہ عالم تھا کہ اگر کبھی آندھی آ جاتی تو آپ ﷺ گھر سے مسجد میں تشریف لے آتے۔ آپ ﷺ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا' خوف کے آثار ہوتے' صحابہ کرامؓ پوچھتے کہ اللہ کے محبوب ﷺ آپ ﷺ کیوں خوف زدہ نظر آتے ہیں؟ فرماتے کہ پہلی امتوں پر بھی اسی طرح بادل بھیجے گئے' وہ سمجھتے رہے کہ پانی کی بارش برسے گی' مگر ان پر پتھروں کی بارش برسا کر ان کو تہس نہس کر دیا گیا۔ آپ ﷺ ڈرتے تھے' صلوۃ الحاجت پڑھتے تھے اور صحابہ کرامؓ اپنے گھروں کو نہیں جاتے تھے' جب تک آندھیاں بند نہیں ہو جاتی تھیں۔ اتنا ان کے دل میں اللہ کا خوف ہوتا تھا کہ معلوم نہیں ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟

سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خوف الٰہی:

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس امت میں اللہ رب العزت نے جن کو بلند مقام عطا

فرمایا' ان کا نام ہی بتلا رہا ہے ''ابوبکر'' کنیت ہی ایسی نرالی۔ دیکھئے عربی زبان میں جس لفظ کا مادہ 'ب'.....ک''ر' ہو۔ یعنی فا کلمہ 'ب' عین کلمہ 'ک' اور لام کلمہ 'ر' بنے تو اس کا مطلب ہی ہوتا ہے سب سے اول چیز۔ مثلاً بکور موسم کے سب سے پہلا پھل کے لیے استعمال ہوتا ہے' بکرہ کل کے دن کا پہلا حصہ ''باکرہ'' وہ کنواری بچی جس نے مرد کو شوہر کی نظر سے نہ دیکھا ہو تو اس قاعدہ کو سامنے رکھ کر دیکھئے' ابوبکر کا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ اللہ رب العزت نے اس امت میں آپ کو سب سے بلند مرتبہ دیا۔ ویسے بھی دستور کی بات ہے کہ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اس کی روشنی سب سے پہلے ان عمارات پر پڑتی ہے جو سب سے بلند و بالا ہوتی ہیں' اسی طرح جب نبوت کا سورج بلند ہوا' اس کی سب سے پہلی روشنی بھی اس شخصیت پر پڑی جو اس امت میں سب سے بلند و بالا تھی۔ ان کے بارے میں نبی علیہ السلام کی اتنی بشارتیں تھیں کہ فرمایا میں نے سب کے احسانات کا بدلہ دے دیا۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے احسان کا بدلہ اللہ دے گا' نبی علیہ السلام کا فرما دینا کتنی بڑی بات ہے۔ جن کو معیتِ لبریٰ نصیب تھی' نبی علیہ السلام کے ساتھ نسبت اتحادی نصیب تھی۔ ان کے خوف خدا کا یہ عالم تھا کہ ڈرتے کانپتے تھے' کبھی کبھی بیٹھ کر یوں کہتے کہ اے کاش! مجھے میری ماں نے جنا ہی نہ ہوتا' اے کاش! میں گھاس کا تنکا ہوتا' میں کوئی پرندہ ہوتا' اے کاش! میں کسی مومن کے بدن کا بال ہوتا۔ وہ اللہ رب العزت کی عظمتوں کو جانتے تھے' اس لیے ڈرتے کانپتے تھے کہ پتہ نہیں ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہو جائے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا خوف الٰہی:

سیدنا فاروق' اعظم رضی اللہ عنہ جن کے بارے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَوْ كَانَ بَعْدِيْ نَبِيًّا لَكَانَ عُمَرُ))

اگر میرے بعد کسی نبی کو آنا ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اللہ نے وہ صفات دی ہیں کہ وہ نبی ہوتے۔ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں' جو مراد مصطفیٰ ہیں' جن کے بارے میں نبی علیہ

السلام نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ جس راستے سے گزرتا ہے شیطان اس راستے کو چھوڑ دیتا ہے' اس ہستی کے بارے میں آتا ہے کہ ہر وقت ڈرتے رہتے تھے۔ اپنے زمانہ خلافت میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور فرمایا' خذیفہ! آپ کو نبی علیہ السلام نے منافقین کے نام بتائے ہیں اور یہ بھی فرمادیا کہ تم کسی کو نہ بتانا' اب میں تم سے منافقین کے نام تو نہیں پوچھتا' اتنا پوچھتا ہوں کہ کہیں عمر کا نام تو ان میں شامل نہیں ہے؟ کتنی عجیب بات ہے اور جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا کہ جیسے ہی میری روح نکل جائے تو جلدی سے مجھے نہلا دینا' کفن دینا' بار بار اس کی تاکید کی تو ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت! ہم جلدی تو کریں گے مگر اتنی تاکید کی کیا ضرورت ہے؟ اس پر ٹھنڈی سانس لی اور ایک بات کہی فرمانے لگے کہ جلدی کی تاکید اس لیے کر رہا ہوں کہ اگر اللہ رب العزت مجھ سے راضی ہوئے تو تم مجھے اللہ سے جلدی ملا دینا اور اگر اللہ مجھ سے ناراض ہوئے تو تم میرا بوجھ جلدی سے کندھوں سے ہٹا لینا اور عمر کے انجام کو تو اللہ بہتر جانتا ہے۔

خوف کی مثال:

ایک صحابی رضی اللہ عنہ بیٹھے رو رہے ہیں۔ ان کے دوست آئے کہنے لگے کہ کیا ہوا؟ کوئی غلطی ہوگئی؟ کوئی گناہ ہوگیا؟ ان کے سامنے ایک گندم کا دانہ پڑا ہوا تھا' انہوں نے وہ گندم کا دانہ اٹھا کر دکھایا اور قسم کھا کر کہا کہ اللہ کی قسم! میری زندگی کے گناہوں کا وزن گندم کے دانے کے برابر بھی نہیں' میں گناہوں سے نہیں رو رہا' اس بات پر رو رہا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت سے پہلے ایمان سے محروم کر دیا جاؤں۔ یہ خوف کی سب سے اعلیٰ مثال ہے۔ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں تھا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا خوف:

محبوبہ محبوب خدا ام المومنین' مخدومۃ المسلمین' سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ساری رات اس آیت کو دہراتی رہیں:

﴿وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ﴾ (سورہ زمر:۴۷)

اور خدا کی طرف سے ان کو وہ معاملہ پیش آئے گا جس کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔ پڑھتی ہیں اور پڑھتے پڑھتے پوری رات گزار دیتی ہیں۔ ان کے دل میں یہ خوف ہوتا تھا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا غلبہ خشیت الٰہی:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کے دل پر خشیت الٰہی کا اتنا غلبہ تھا کہ جب چلتے تو یوں محسوس ہوتا کہ وہ نوجوان ہے جو ابھی ابھی اپنے باپ کو دفن کر کے واپس آ رہا ہے اور جب بات کرتے تھے تو ان کے چہرے پر خشیت کا یہ حال ہوتا تھا کہ یوں لگتا تھا کہ یہ وہ مجرم ہے جس کی پھانسی کا حکم صادر ہو چکا ہے۔ وہ اتنا روتے تھے کہ ان کے آنسوؤں کا پانی زمین پر پڑتا حتی کہ وہ پانی بہہ پڑتا' ایک مرتبہ روتے روتے ان کے چھت کے پرنالے سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ ایسے نیک بندے تھے اور ان پر خشیت کا یہ عالم تھا۔

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی گریہ زاری:

رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کے بارے میں آتا ہے کہ روتی تھیں اور آنسو زمین پر چھڑکتی رہتیں۔ یہاں تک کہ زمین پر اتنے آنسو گرتے کہ اس جگہ پر بسا اوقات گھاس زمین پر اگ جایا کرتی تھی۔ ایک مرتبہ کسی نے بھنا ہوا مرغ کھانے کے لیے پیش کیا تو رونے بیٹھ گئیں۔ وہ حیران ہوا کہنے لگا کہ آخر کیا بات ہے؟ فرمانے لگیں کہ مجھے یہ خیال آیا کہ یہ مرغ تو مجھ سے اچھا ہے اس نے کہا وہ کیسے؟ کہنے لگیں وہ اس لیے کہ اس مرغ کو پہلے ذبح کیا گیا' پھر اس کو آگ پر بھونا گیا اور اگر رابعہ کے گناہوں کو نہ بخشا گیا تو اس کو تو زندہ آگ میں جھونک دیا جائے گا' وہ لوگ بھنا ہوا گوشت کھاتے تھے تو جہنم کی آگ کو یاد کر کے رو پڑا کرتے تھے۔

اللہ کا خوف:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ پانی مانگا تو کسی نے ان کو پینے کے لیے شربت دے دیا۔ شربت کا گلاس منہ کو لگایا آنسو آ گئے اور وہ شربت کے گلاس میں آ کر گرے۔ کسی نے کہا امیر المومنین کیوں رو رہے ہیں؟ کہنے لگے ایسا نہ ہو قیامت کے دن اللہ فرما دے:

﴿اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾ (سورہ احقاف:۲۰)

تم اپنی لذت کی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں حاصل کر چکے اور ان کو خوب برت چکے۔

حالاں کہ یہ آیت کفار کے بارے میں آئی ہے لیکن وہ اپنے پر اس کو چسپاں کر لیتے تھے۔ اتنا ان لوگوں کے دلوں میں خوف ہوتا تھا کہ پتہ نہیں ہمارے ساتھ کیا بنے گا؟ یہ غم ان پر سوار رہتا اور راتوں کو سونے نہیں دیتا تھا۔

﴿جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ (سورہ الم سجدہ:۱۶)

ان کے پہلو ان کے بستروں سے الگ رہتے تھے' اپنے رب کو مناتے تھے' کہتے تھے آج کی رات سجدے کی رات' کبھی کہتے آج کی رات رکوع کی رات' کبھی کہتے آج کی رات قیام کی رات' اللہ رب العزت کے سامنے سجدہ ریز ہو کر مانگتے تھے۔

ایک محدث کے بارے میں آتا ہے کہ حدیث پڑھا رہے تھے۔ طلباء نے دیکھا کہ چہرے کا رنگ بدلتا ہے۔ خوف کے آثار محسوس ہوتے ہیں۔ درس کے بعد کسی نے پوچھا حضرت آج کیا بات تھی؟ فرمایا تم نے نہیں دیکھا کہ جب میں حدیث کا درس دے رہا تھا میرے سر پر بادل آ گئے اور مجھے خوف محسوس ہو رہا تھا کہ ایسا نہ ہو اس سے پتھروں کی بارش برسا کر میری شکل مسخ کر دی جائے۔ حدیث پاک کا درس دیتے ہوئے اتنا ڈرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا خوف الٰہی:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ امیر المومنین فی الحدیث اسماء الرجال کی کتب میں لکھا ہے کہ یہ ایسے محدث ہیں' ان کے بارے میں اتنے تعریفی کلمات کہے گئے کہ اتنے تعریفی کلمات کسی اور محدث کے بارے میں نہیں کہے گئے۔ ایسی ہر دلعزیز شخصیت تھی کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جوان سے عمر میں بہت بڑے تھے' جب ان کو دیکھتے تھے تو ادب سے کھڑے ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ خراسان کے محدث ہیں۔ ان کا نام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ اللہ نے ان کو بڑا مقام دیا تھا' ایک وقت میں چالیس چالیس ہزار طلباء ان سے بیٹھ کر حدیث پاک سنا کرتے تھے۔ اس زمانے میں یہ ساؤنڈ سسٹم تو تھا نہیں' جب وہ حدیث شریف سناتے تو لوگ مکبر کی طرح اس کو آگے پڑھ کر سناتے جو آگے آواز پہنچانے والے تھے ان کی تعداد گیارہ سو ہوا کرتی تھی اندازہ کیجیے۔ جس مجمع کے مکبر گیارہ سو ہوں وہ مجمع کتنا بڑا ہوگا۔ اتنے سارے لوگوں کو حدیث کا درس دینے والے۔ ان کے بارے میں آتا ہے کہ جب ان کا آخری وقت آیا تو اپنے شاگردوں کو کہا کہ مجھے چارپائی سے اٹھا کر زمین پر لٹا دو۔ طلباء ذرا پریشان ہوئے' وہاں کوئی قالین تو تھا نہیں بلکہ مٹی تھی۔ جب دیکھا کہ ذرا تاخیر ہو رہی ہے تو دوبارہ کہا کہ مجھے زمین پر لٹا دو۔

(اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ)

طلباء نے زمین پر لٹا دیا۔ جیسے ہی زمین پر لٹایا' ان کی چیخیں نکل گئیں۔ انہوں نے کیا منظر دیکھا کہ آپ نے اپنے رخسار کو زمین پر رگڑنا شروع کر دیا اور اپنی ریش کے بالوں کو پکڑ کر رونے لگے اور کہنے لگے یا اللہ! عبداللہ کے بڑھاپے پر رحم فرما۔

اللہ رب العزت کا جلال:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام جب معراج پر تشریف لے گئے تو

آپ ﷺ نے ساتویں آسمان پر دیکھا کہ کچھ فرشتے ہیں جن کے قد بہت بڑے ہیں اور وہ سجدے کے عالم میں ہیں اور ان کے جسم کانپ رہے ہیں۔ اور ان کے جسم کے کانپنے کی وجہ سے ایک عجیب سی آواز محسوس ہو رہی ہے۔ پوچھا جبرائیل! یہ کیسی آواز ہے؟ فرمایا اے اللہ کے نبی ﷺ یہ فرشتے سجدے کی حالت میں پیدا ہوئے۔ ہمیشہ اسی حالت میں اللہ پاک کی حمد کرتے رہیں گے' تسبیح پڑھتے رہیں گے لیکن اللہ رب العزت کی جلالت شان کا ان پر اتنا اثر ہے کہ یہ خوف کی وجہ سے کانپ رہے ہیں اور ان کے کانپنے کی وجہ سے یہ آواز آپ کو سنائی دے رہی ہے۔

اندازہ کیجیے اللہ پاک کی جلالت کا کیا عالم ہوگا۔ نبی علیہ السلام عرش کے پاس جانے لگے تو آپ ﷺ نے عرش کی آواز سنی' پوچھا جبرائیل! یہ کیسی آواز ہے؟ عرض کیا اے اللہ کے محبوب ﷺ یہ عرش کی آواز ہے جو اللہ رب العزت کی عظمت کی وجہ سے اس میں آ رہی ہے' جیسے کوئی کرسی ہوتی ہے۔ جس پر کوئی مضبوط بندہ بیٹھ جائے اس میں سے جیسی آواز نکلتی ہے ایسی آواز عرش میں سے آ رہی تھی۔ جب فرشتوں کا یہ عالم' عرش کا یہ عالم ہے تو عزیز دوستو! ہم بھی تو ذرا سوچیں کہ ہم نے تو ارادے کے ساتھ خطائیں کی ہیں' ایسا نہ ہو کہیں پکڑ آ جائے۔ اس لیے ڈرنے کی بات ہے اور معافی مانگنے کی ضرورت ہے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((اَنَا اَغْیَرُ وُلْدِ آدَمَ))

میں اولاد آدم میں سب سے زیادہ غیور ہوں۔

((وَاللّٰہُ اَغْیَرُ مِنِّیْ))

اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیور ہیں۔

ہم گناہ کرتے ہیں' یہ تو اللہ رب العزت کا احسان ہی ہے اگر مواخذہ فرمائیں تو ہمارا کیا حال بنے۔ دوستو! اگر گناہوں میں سے بو آ رہی ہوتی تو شائد آج ہمارے پاس لوگوں

کا بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہمارے جسم سے اتنی بدبو نکل رہی ہوتی۔

اللہ تعالیٰ بڑے غیور ہیں۔ کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہے جو مصر کا ہے کہ ایک آدمی اذان دینے کے لیے منارے پر چڑھا ادھر ادھر جو دیکھا تو ہمسایہ کی چھت پر اس کی جوان العمر لڑکی پر نظر پڑی۔ بس دل پر اثر ہو گیا۔ نیچے اترا' جا کر ہمسایہ سے بات کی کہ اس کا میرے ساتھ نکاح کر دو۔ وہ غیر مسلم تھے انہوں نے کہا اچھا آ جاؤ ہمارے گھر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ اب سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ پاؤں پھسلا گردن کے بل گرا اور وہیں پر موت آ گئی۔

پروردگار ایسے بھی کر دیتا ہے کہ جب اذان دینے منارے پر چڑھے تو مسلمان تھے۔ جب نیچے اترے تو سب نعمت چھن چکی تھی۔ ہم نے تو ارادوں سے گناہ کیے یہ تو اللہ رب العزت کی رحمت ہے کہ اللہ پاک نے ڈھیل دی' ہمارے اوپر رحمت کے پردے ڈال دیئے' ہمیں چھپا لیا' لوگوں کی زبانوں سے پھر تعریفیں کروا دیں۔ کسی نے کہا اے دوست! جس نے تیری تعریف کی اس نے درحقیقت تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریف کی کہ جس پروردگار نے چھپا رکھا ہے۔ اگر وہ نہ چھپاتا تو لوگ تو دیکھنا بھی پسند نہ کرتے۔ اللہ رب العزت کی یہ کتنی بڑی رحمت ہے۔ وہ کتنا بڑا حلیم اور کتنا کریم ہے۔ انسان اور جن کے سوا ہر مخلوق کو مقام خوف حاصل ہے۔ اس لیے کوئی مخلوق اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتی۔ ہر چیز اس کے کام میں لگی ہوئی ہے۔ کام میں اللہ نے لگا دیا ہے۔ شجر و حجر یہ بھی اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔

اللہ پاک فرماتے ہیں:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ﴾

(سورۃ اسراء:۴۴)

جو بھی کوئی چیز ہے اللہ کی حمد بیان کرتی ہے مگر تم اس کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہو

ہر چیز کو پتہ ہے کہ اس کی ڈیوٹی کیا ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا:

﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ﴾ (سورۃ نور:۴۱)

ہر چیز کو اپنی نماز کا پتہ ہے۔ ساری مخلوق اپنے فرض کو انجام دے رہی ہے ایک انسان اور ایک جن صرف یہ دو ہیں جو من مانیاں کر لیتے ہیں' نافرمانیاں کرتے ہیں' اس لیے فرمایا:

﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ﴾ (سورۃ رحمٰن:۳۱)

نافرمان جنوں اور نافرمان انسانوں کو اللہ نے فرمایا تم میری زمین پر بوجھ بنے ہوئے ہو۔ فرمایا: او میری زمین کے بوجھو! ہم اپنے آپ کو عنقریب تمہارے لیے فارغ کر رہے ہیں۔ ہم تمہیں مزہ چکھائیں گے' جیسے ماں دھمکاتی ہے بچے کو کہ ابھی آتی ہوں اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ آ نہیں سکتی۔ دھمکانا مقصود ہوتا ہے کہ یہ باز آ جائے۔

اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں کہ ہم اپنے آپ کو تمہارے لیے فارغ کرتے ہیں اور میری زمین کے بوجھو! ہم تو زمین پر بھی بوجھ بنے ہوئے ہیں کتنے گناہ کیے ہیں ہم نے' جن سے چند کلو وزن سر پر نہیں اٹھایا جاتا انہوں نے بھی ٹنوں کے حساب سے گناہوں کا بوجھ سر کے اوپر لادا ہوا ہے۔

نماز کی فضیلت:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ شجر و حجر یہ بھی اللہ رب العزت نے درختوں کو قیام کی حالت میں پیدا کیا۔ ساری زندگی قیام کی حالت میں رہتے ہیں' کیڑوں کو اللہ تعالیٰ نے سجدے کی حالت میں پیدا کیا' ساری زندگی سجدے کی حالت میں رہتے ہیں۔ پہاڑوں کو اللہ رب العزت نے قعدہ کی شکل میں پیدا کیا ساری زندگی اس حالت میں رہ کر اللہ رب العزت کی حمد بیان کرتے ہیں۔ اے انسان! ان کو تو ایک ایک عمل دیا گیا وہ ایک ایک عمل کر رہے ہیں اور ہمیں تو تمام اعمال کا مجموعہ نماز کی شکل میں عطا کیا' کاش کہ ہم نماز کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے۔

جب ہم قیام کرتے ہیں' ہمیں ان فرشتوں سے مناسبت مل رہی ہوتی ہے' جو قیام کی حالت میں پیدا ہوئے۔ رکوع میں ہوتے ہیں تو ان فرشتوں سے جو رکوع میں پیدا ہوئے اور تسبیح کر رہے ہیں تو ہمیں نماز میں کتنے مقامات مل رہے ہوتے ہیں۔ اس لیے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کسی سایہ دار درخت کے نیچے پیشاب پاخانہ نہ کرو۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ایک نے پوچھ لیا کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ فرمایا کہ جب اس کا سایہ گھٹتا اور بڑھتا ہے وہ درخت اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو رہا ہوتا ہے۔ درخت بھی سجدہ ریز ہو رہا ہو اور ہم اس میں سستی کر جائیں کتنی عجیب بات ہے۔ ساری مخلوق کو مقام خوف حاصل ہے۔ دعا کرنی چاہیے کہ اللہ رب العزت ہمیں بھی یہ خوف عطا فرما دیں کہ ہم گناہوں سے بچ سکیں۔

اونٹ کا خوف خدا:

مدینہ سکینہ کا واقعہ ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک بار نبی علیہ السلام تشریف فرما تھے' ایک صحابی رضی اللہ عنہ آئے اور آ کر کہتے ہیں' اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میرا ایک اونٹ ہے اور میں اس اونٹ پر سامان لاد کر دوسری جگہ پہنچاتا ہوں' اس کا پورا خیال رکھتا ہوں' کھانے دانے کا' پینے کا' لیکن جب رات ہوتی ہے اور میں سو جاتا ہوں تو اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! وہ ایسی غمناک سی آواز نکالتا ہے کہ میری آنکھ کھل جاتی ہے' میری نیند پوری نہیں ہوتی' اگلے روز مجھے پھر کام کرنا ہوتا ہے تو مجھے مشکل پیش آتی ہے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کرنے کے لیے آیا ہوں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم نے مدعی کی بات تو سن لی مدعی علیہ کی بھی بات سنیں گے کہ وہ کیا کہتے ہیں' چناں چہ فرمایا کہ اونٹ کو بلاؤ' اونٹ کو بلایا گیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ اونٹ بڑے احترام کے ساتھ چلتا ہوا آیا اور نبی علیہ السلام کے سامنے التحیات کی حالت میں بیٹھ گیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرا مالک تیرا شکوہ بیان کر رہا ہے کہ وہ تو

تیرے کھانے دانے کا پورا خیال رکھتا ہے اور تو اسکو رات بھر سونے نہیں دیتا۔

اونٹ نے جواب دیا اللہ کے محبوب ﷺ! میرے مالک نے سچ کہا یہ میرے کھانے دانے کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ اے اللہ کے محبوب! میں بھی ان کا خیال رکھتا ہوں۔ یہ جتنا بھی بوجھ لاد دیتے ہیں میں نے کبھی بوجھ لے جانے سے انکار نہیں کیا۔ ہمیشہ میں بھی بوجھ پہنچا دیتا ہوں یہ بھی محنت کرتے ہیں میں بھی محنت کرتا ہوں۔ ہم دونوں تھکے ہوئے شام کو گھر واپس لوٹتے ہیں۔ اے اللہ کے محبوب ﷺ! یہ مغرب کے بعد کھانا کھا کر تھکاوٹ کی وجہ سے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ جاتے ہیں مگر ان پر نیند غالب آ جاتی ہے' اتنی گہری نیند ہوتی ہے حتی کہ رات گہری ہو جاتی ہے' مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سوئے رہیں اور ان کی عشاء کی نماز قضاء ہو جائے۔ اس ڈر کی وجہ سے میں رات کو سوتا نہیں' تھکاوٹ کے باوجود میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد غمناک آوازیں نکالتا ہوں اور ان کو جگاتا ہوں کہ میرے مالک جاگ لے اور اپنے مالک کے حکم کو پورا کر لے۔ قیامت کے دن کہیں مجھے بھی نہ پوچھا جائے تو اس کے ساتھ تھا' ساتھ بیٹھا ہوتا تھا تو ہی جگا دیتا تا کہ میرا حکم پورا کر لیا جاتا۔ میں سارا دن تھکنے کے باوجود رات کو نہیں سوتا مالک کو جگاتا ہوں کہ تو اپنے مالک کی نافرمانی نہ کر۔

حیرت کی بات ہے کہ ان جانوروں کو بھی اللہ نے ایسا خوف عطا فرمایا۔ ہم تو اشرف المخلوقات ہیں۔ ہمیں بھی اللہ رب العزت سے اس خوف کو مانگنے کی ضرورت ہے' اللہ ہمیں ایسا خوف عطا فرما دے کہ ہم گناہوں سے' معصیت سے بچ کر زندگی گزار سکیں۔ آج اپنے دلوں میں یہ عہد کر لیجیے۔ رب کریم! آج تک جو بھی گناہ سرزد ہوئے ہم نادم ہیں ہم شرمندہ ہیں۔ میرے مولیٰ ہم آج سچی توبہ کرتے ہیں اور آج کے بعد دل میں پکا عہد اور ارادہ کرتے ہیں کہ ہم گناہوں سے پاک زندگی گزاریں گے۔ رب کریم! ہم گناہوں سے نہیں بچ سکتے لیکن اگر آپ چاہیں تو آپ ہمیں بچا سکتے ہیں۔ اللہ آپ آئندہ ہمیں

گناہوں سے بچالینا۔

حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کی التجا:

چناں چہ رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا اللہ کی نیک بندی تہجد کے وقت دعا مانگتی تھی اور یوں کہتی تھیں' اے اللہ سارا دن جاچکا رات آ گئی ساری دنیا کے بادشاہوں نے دروازے بند کر لیے تیرا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ اے اللہ! میں تیرے سامنے فریاد کرتی ہوں اور اس کے بعد دعا یہ مانگتی ہوں اے اللہ! آپ نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روک رکھا ہے اے اللہ! شیطان کو مجھ پر مسلط ہونے سے روک دیجیے۔

سلف صالحین اس طرح اپنے رب کو مناتے تھے اور عاجزی اور فریاد کرتے تھے' جس کی وجہ سے اللہ رب العزت ان کو معصیت سے خالی زندگی مرحمت فرما دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی مقام خوف عطا فرما دیں' وہ خشیت عطا فرما دیں تا کہ ہم گناہوں سے بچ کر زندگی گزار سکیں۔ یہ خوف دل میں جب ہو تو اللہ کی طرف سے گناہوں سے حفاظت ہو جاتی ہے۔ پروردگار عالم آنے والی زندگی میں ہمیں گناہوں کی ذلت سے محفوظ فرمالیں اور ہمیں نیکی کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرما دیں۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

مناجات

دل مغموم کو مسرور کردے
دل بے نور کو پرنور کر دے
فروزاں دل میں شمع طور کر دے
یہ گوشہ نور سے پرنور کر دے
مرا ظاہر سنور جائے الٰہی
مرے باطن کی ظلمت دور کر دے
مئے وحدت پلا مخمور کر دے
محبت کے نشے میں چور کردے
نہ دل مائل ہو میرا انکی جانب
جنہیں تیری عطا مغرور کر دے
ہے میری گھات میں خود نفس میرا
خدایا اسکو بے مقدور کر دے

❁❁❁

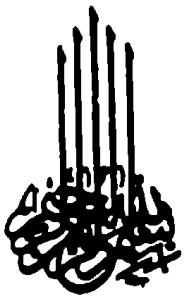

پاجا سراغ زندگی

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ و کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی' اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (البقرہ:۱۴۳)

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ ..... نَبِّیْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ○

وَاَنَّ عَذَابِیْ ھُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ○ (سورۃ الحجر:۵۰)

وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ اٰخَرَ ..... وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ

(سورۃ الاعراف:۱۵۶)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اللہ تعالیٰ کے دو صفاتی ناموں کی وضاحت:

اللہ رب العزت کے دو صفاتی نام ہیں ایک رحمٰن اور دوسرا رحیم۔ دونوں کا ماخذ اور بنیاد رحمت ہے۔ لہٰذا یوں بات سمجھ میں آتی ہے کہ رحمٰن کا لفظ بھی کافی تھا یا رحیم کا لفظ ہی کافی تھا۔ ایک ہی صفت سے متعلق یہ دو نام اللہ رب العزت نے کیوں پسند فرمائے۔ علمائے کرام نے اس کے علوم و معارف بیان کیے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ رحمت کا ہونا ایک صفت ہے اور رحمت کا بے انتہا بے دریغ خرچ کرنا دوسری صفت ہے۔ اس کی مثال

یوں سمجھئے کہ دولت مند ہونا ایک صفت ہے کہ وہ صاحب مال ہے' اس کے پاس دولت موجود ہے اور اس کا سخی ہونا کہ وہ اس دولت کو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نیکی کے راستے میں لٹا بھی رہا ہے۔ یہ علیحدہ صفت ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ کئی لوگ بڑے سخی ہوتے ہیں۔ مگر ان کے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا اور بسا اوقات ایک آدمی کے پاس مال و دولت بہت زیادہ ہوتا ہے مگر دینے کا حوصلہ نہیں ہوتا۔ وہ سانپ کی طرح اس پر نگران بنا ہوتا ہے۔

اب اس مثال کو ذہن میں رکھتے ہوئے سوچئے کہ پروردگار عالم کے پاس رحمتوں کے خزانوں کا ہونا ایک خوبی ہے اور اس کی رحمتوں کے خزانوں کا بے دریغ خرچ ہونا ایک مستقل دوسری خوبی ہے۔ اس لیے رب کریم نے اپنے لیے دو نام پسند فرمائے۔ اسی لیے تو پروردگار عالم فرماتے ہیں کہ:

﴿إِنَّ رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ (سورۃ اعراف:۱۵۶)

میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے' ہر چیز سے اس کی رحمت زیادہ ہے۔

گنہگاروں سے اللہ تعالیٰ کا محبت بھرا خطاب:

میرے دوستو! ہمارے گناہ میرے اور آپ کے لیے بڑے اور زیادہ ہیں۔ لیکن بخشنے والے کے لیے تو وہ بڑے اور زیادہ نہیں ہیں۔ رب کریم تو بار بار ارشاد فرما رہے ہیں:

﴿نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (سورۃ الحجر:۴۸)

میرے بندوں کو بتادو کہ میں بڑا ہی مغفرت کرنے والا' بڑا ہی رحمت کرنے والا ہوں۔ سبحان اللہ' انداز بیان دیکھئے' جیسے ایک سخی اپنا مال خرچ کرنے کا ارادہ کرے اور اپنے کسی غلام یا نمائندے سے کہے کہ لوگوں کو بلاؤ تو اس وقت لوگوں کو اطلاع دینے کا مقصد کیا ہوتا ہے؟ کہ میں اپنے مال کو لٹانا چاہتا ہوں اس لیے لوگوں کو بتادو۔

بالکل وہی انداز یہاں اپنایا اور یہ نہیں فرمایا کہ لوگوں کو بتادو' یا انسانوں کو بتادو' یا

بندوں کو بتادو بلکہ فرمایا:

﴿نَبِّئْ عِبَادِي﴾

میرے بندوں کو بتادو۔اب یہ جو میرے کا لفظ ہے اس نے اور زیادہ حسن پیدا فرمادیا ہے' سبحان اللہ' کلام میں کیا ہی مزہ پیدا فرمادیا ہے۔

نفس وشیطان کے پھندے:

میرے دوستو! انسان اس دنیا میں کئی طرح کی آزمائشوں میں مبتلا ہوتا ہے۔ایک طرف شیطان نیکی کے راستے میں بیٹھ کر اسے روکتا ہے اور دوسری طرف نفس نے اسے پھنداڈالا ہوتا ہے۔کبھی نفس کی خواہشات اور چاہتیں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ سے دور لے جاتی ہیں اور کبھی شیطان کا بہکاوا اور مکر ایسا ہوتا ہے۔جو انسان کو ورغلاتا رہتا ہے۔اس دنیا میں انسان امتحان کی حالت میں ہے۔ہر وقت اسے خیر اور شر کی قوتیں بلاتی رہتی ہیں۔کیوں کہ نفس وشیطان کے شر کے ساتھ ساتھ نیک لوگ بھی انسان کو نیکی کی طرف بلاتے ہیں اور شیطان اور اسکے نمائندے لذات دنیا کی طرف بہکاتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ انسان کے اس بھول جانے کی وجہ سے ہی تو اللہ فرمارہے ہیں کہ اے میرے بندو:

﴿فَأَيْنَ تَذْهَبُونَ﴾ (سورۃ التکویر:۲۶)

تم کدھر جارہے ہو؟ تمہاری منزل تو کہیں اور تھی اور تم نے اپنی امیدوں کا منتہاء کسی اور کو بنالیا ہے۔تم نے اپنا مقصود اور اپنا معبود کسی اور کو سمجھ لیا ہے۔تمہیں تو اپنے پروردگار کی پوجا کرنی چاہیے تھی لیکن تم نفس کی پوجا کرنے میں لگ گئے۔

﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ﴾

اے بنی آدم! کیا ہم نے تم سے عہد نہیں لیا تھا؟

﴿أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ﴾

تم شیاطین کی عبادت نہ کرنا۔

﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ (سورۃ یٰسین:۶۰)

وہ تمہارا ظاہر باہر دشمن ہے۔

﴿وَّاَنِ اعْبُدُوْنِيْ﴾

اور تم فقط میری عبادت کرنا۔

﴿هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ﴾ (سورۃ یٰسین:۶۱)

یہ بالکل سیدھا راستہ ہے۔ سبحان اللہ کس انداز سے انسان کو متوجہ کیا گیا کہ تم کیا کر رہے ہو۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں:

اللہ رب العزت اپنی نعمتیں یاد کروا کر انسان کو جھنجھوڑتے ہیں تاکہ یہ راہ راست پر آجائے۔ چناں چہ فرمایا کہ اے انسان! جب تو دنیا میں آیا تو:

﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ﴾ (سورۃ البلد:۸)

کیا ہم نے تمہارے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں۔

﴿وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ﴾ (سورۃ البلد:۹)

کیا ہم نے بولنے کے لیے زبان نہیں دی' ہونٹ نہیں دیئے؟

﴿وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ﴾ (سورۃ البلد:۱۰)

کیا ہم نے دو راستوں کی رہنمائی نہیں کر دی' حق اور باطل کو واضح نہیں کر دیا؟

﴿اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا﴾ (سورۃ النبا:۶-۹)

اے بندے! ہم نے تمہارے لیے آسمان نہیں بنایا' زمین کو فرش نہیں بنایا اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح نہیں گاڑا؟

﴿اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ﴾ (سورۃ مرسلات:۲۰)

کیا ہم نے تمہیں ایک گندے قطرے سے پیدا نہیں کیا؟ تو.....الٓمٓ.....کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے اپنی نعمتوں کے تذکرے کیے۔

انسان کی بے رخی:

جب اتنا متوجہ کرنے کے بعد اور اتنی بڑی چھوٹ دینے کے بعد پھر بھی انسان نے رخ نہ بدلا اور اس نے موت سے پہلے پہلے توبہ کر کے سیدھے راستے کو نہ اپنایا تو پروردگار عالم کو کہنا پڑا:

﴿قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَكْفَرَهٗ﴾ (سورۃ عبس:۱۷)

خدا کی مار ہو ایسے انسان پر، وہ کتنا ناشکرا ہے۔

﴿مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ﴾ (سورۃ عبس:۱۸)

تجھے کس چیز سے پیدا کیا؟

﴿مِنْ نُّطْفَةٍ﴾

گندے قطرے سے

﴿خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ﴾ (سورۃ عبس:۱۹تا۲۲)

پھر قدم بہ قدم اپنی نعمتیں گنوائیں کہ ہم نے یہ بھی دیا، یہ بھی۔ حتی کہ یہاں تک فرما دیا کہ

﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (سورۃ نحل:۱۸)

اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو تم شمار نہیں کر سکتے۔ اس سب کے باوجود تم میرے راستے کو چھوڑ جاتے ہو۔ میری طرف آنے کی بجائے شیطان کی طرف بھاگتے ہو۔ مجھے اپنا مقصود حقیقی بنانے کے بجائے دنیا کی خواہشات میں پھنس جاتے ہو۔ اور واقعی انسان کا حال یہ ہے کہ رب کریم نے اسے مال دیا مگر مال سے محبت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

سے محبت نہیں کرتا۔ رب کریم نے اسے جوانی دی' مگر یہ اپنی جوانی سے محبت کرتا ہے' اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کرتا۔ رب کریم نے اسے عزت دی یہ اپنی عزت سے محبت کرتا ہے' اللہ رب العزت سے محبت نہیں کرتا۔ پروردگار عالم بھی کیا سوچتے ہوں گے کہ یہ میرے کیسے بندے ہیں کہ دی ہوئی بھی میری نعمتیں ہیں' یہ ان نعمتوں کو پسند کرتے ہیں اور دینے والے کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔

اسی کا کھا کر اسی کے شکوے:

ہمارا یہ حال ہے کہ اسی کا دیا کھا کر اسی کا شکوہ کرنے بیٹھ جاتے ہیں' کہ جی بڑی دعائیں مانگی ہیں وہ تو ہماری سنتا ہی نہیں۔ ایسے شکوے بھرے الفاظ زبان سے نکالتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا:

﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ﴾ (سورۃ عادیات:٦)

بے شک انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔

﴿وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ﴾ (سورۃ عادیات:٧)

اور وہ اس کے اوپر خود گواہ ہے۔

﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾ (سورۃ عادیات:٨)

اور اس کے دل میں مال کی بڑی محبت ہے۔ اور واقعی حالت یہ ہے کہ انسان کے کھا کھا کر دانت ٹوٹ جاتے ہیں اور زبان سے شکوے نہیں جاتے۔ بڑا اچھا کاروبار ہو تو پوچھیں کہ سنائیں' کاروبار کیسا ہے؟ تو کہتا ہے جی بس گزارا ہے۔ رب کریم کو کتنا غصہ آتا ہوگا کہ میرا تو اتنا فضل وکرم ہے اس پر اور اتنا عطا کیا گیا مگر اس کی زبان اتنی چھوٹی ہوگئی کہ میری تعریف میں حمد یہ کا ایک جملہ بھی اس کی زبان سے نہیں نکلتا۔ کیا یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ میرے رب کا بڑا فضل وکرم ہے۔

میرے اللہ کا میرے اوپر بڑا انعام ہے۔ بہت ہوتا اگر یہی الفاظ کہہ دیتا ہے۔ یقین

جانئے کہ ہم بعض اوقات اپنی زبان سے ایسے الفاظ کہہ دیتے ہیں جو اس کے عذاب کو دعوت دینے والے ہوتے ہیں۔ایک شاعر کیا ہی ہرزہ سرائی کرتا ہے۔گناہ کی بات کرتے ہوئے کہتا ہے: ؎

اک فرصت گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

یعنی چار دن کی جو زندگی ہے اس کو وہ فرصت گناہ سمجھ رہا ہے۔اندازہ کیجیے بندے کا کہ پروردگار کے احسانات کتنے اور بندے کی سوچ کیسی۔کہتا ہے اللہ تعالیٰ نے اگر گناہ کا موقع بھی دیا ہے تو وہ بھی صرف چار دن ہے۔پروردگار کا بس یہی حوصلہ ہے؟اب بتایئے کہ ہو بھی بندہ اور زبان سے پروردگار کی شان میں یہ کہے' یہ کتنی بڑی جرأت ہے۔

کتنے بڑے حوصلے پروردگار کے:

ایک محفل میں بیٹھے بیٹھے اس عاجز کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اس شعر کو تو بدلنا چاہیے' کچھ یوں الفاظ سمجھ میں آئے: ؎

ہم نے کیے گناہ تو اس نے نہ کی پکڑ
کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

واقعی اگر ہم اس بات پر غور کریں کہ ہماری زندگی کیسی گزر رہی ہے۔اور اس زندگی پر پروردگار نے پھر بھی کتنی نعمتوں سے ہمیں نوازا ہوا ہے۔تو عجیب حیرانی ہوتی ہے کہ ہماری نافرمانیوں کا یہ حال اور اس پر پروردگار کی نوازشوں کا یہ معاملہ۔کہنے والے نے کہا:

جب انسان تیرا کھا کے بھی ترا شکوہ کرے یارب
تعجب ہے کہ اس پر بھی رہے لطف وکرم تیرا

کتنی عجیب بات ہے کہ پروردگار پھر بھی اتنی مہربانیاں فرماتے ہیں۔ہم اپنی حالت دیکھیں اور اپنے گناہوں کا جائزہ لیں تو ندامت سے سر جھک جائے گا کہ ہم نے تو اپنے

پروردگار کے حکموں کو بالکل بے وقعت بنا دیا اور زندگی کے' دن نہیں' ہفتے نہیں بلکہ سالوں گزر جاتے ہیں اور پروردگار پھر بھی ہمارے عیبوں پر پردہ ڈالے رکھتے ہیں۔ اسی لیے ایک عارف فرماتے ہیں اے دوست! جس نے تیری تعریف کی اس نے درحقیقت تیرے پروردگار کی ستاری کی تعریف کی۔

ہمارا حوصلہ:

اس کے برعکس ہم اپنی حالت پر غور کریں۔ ہم اگر کسی آدمی کو کوئی کام کہیں ایک دفعہ کہیں' دو دفعہ کہیں' تین دفعہ کہیں اور اس کے باوجود وہ کان نہ دھرے اور کام نہ کرے تو ہمیں کتنا غصہ آتا ہے۔ بیوی کو کوئی کام دو چار دفعہ کہہ دیا جائے اور وہ بھول جائے تو کہتے ہیں کہ تجھے کتنی دفعہ کہا' کوئی ماتحت کام نہ کرے تو اسے نوکری سے نکال دیتے ہیں۔ گویا ہمارا یہی حوصلہ ہے کہ دو چار دفعہ کہنے کے باوجود اگر کوئی ہماری بات نہ مانے اور نظر انداز کر جائے تو ہمارے غصے کی انتہا ہو جاتی ہے۔

نماز کے معاملہ میں چھوٹ:

ان نعمتوں کے علاوہ اعمال میں سے صرف نماز ہی کو لیجیے۔ پروردگار عالم نے اپنے کلام مجید میں ایک دو بار یا چار دفعہ نہیں بلکہ سات سو دفعہ سے زیادہ مرتبہ فرمایا' نماز پڑھو' نماز قائم کرو۔ اس کے باوجود بھی اگر نماز نہ پڑھیں تو سوچیے کہ اللہ تعالیٰ کو کتنا غصہ آنا چاہیے تھا مگر رب کریم کی مہربانی ہے کہ اس نے پھر بھی توبہ کا دروازہ کھلا رکھا کہ اے میرے بندے! موت سے پہلے تو اگر توبہ کر لے گا اور قضا نمازیں پڑھ لے گا تو میں تیری قضا نمازوں کو بھی قبول کر لوں گا۔ حالاں کہ آداب شاہی کا تقاضا یہ تھا کہ ایک مرتبہ فرمان جاری ہو جاتا اور اسکے بعد مخلوق پر حق ہوتا کہ وہ شاہی فرمان کی پابندی کرے۔

اس پروردگار حقیقی کی عظمت کا تقاضا یہ تھا مگر قربان جائیں اور ان کی مہربانی پر' ان کی شفقتوں پر اور ان کی عطاؤں پر۔ وہ جانتے تھے کہ یہ بھولنے والا ہے' یہ بہکنے والا ہے' یہ

ڈول جانے والا ہے۔ ایک دفعہ کہنے سے ہوسکتا ہے کہ اس کے دل میں اہمیت نہ بیٹھے۔ اس ذات کی اپنے بندوں پر جو کمال شفقت تھی، جو کمال محبت تھی، جو کمال رحمت تھی۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ (سورۃ حج:۶۵)

اس کا تقاضا یہی تھا کہ بار بار یاد دلائے جائے۔ سات سو سے زیادہ مرتبہ اعادہ کرنے کے بعد حق یہ تھا کہ معینہ وقت پر ہر بندہ نماز کو آ جاتا۔ لیکن نہیں بلکہ حکم دے دیا کہ بندوں سے کوئی کھڑا ہو اور روزانہ پانچ مرتبہ یاددہانی کروادے کہ:

﴿حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ﴾

آؤ نماز کی طرف۔

﴿حَیَّ عَلَی الْفَلَاح﴾

آؤ فلاح کی طرف۔

اب بتایئے تمام حجت ہوگیا کہ نہیں۔ اس قدر چھوٹ اور مہربانی کے باوجود نماز کے لیے نہیں آتے۔ اب تو دروازہ بند ہو جانا چاہیے تھا۔ حق تو یہ تھا کہ اتنا کچھ کہنے کے باوجود جو نماز چھوڑ بیٹھا اس کے لیے حکم ہوتا کہ جو چھوڑ بیٹھا وہ چھوڑ بیٹھا، اب اس کے لیے کوئی راستہ ہی نہیں مگر محبت نے راستہ پھر بھی بند نہ فرمایا۔ بلکہ فرمایا کہ بے نمازی سہی لیکن کسی وقت بھی توبہ کرلے اور قضا نمازیں لوٹالے تو ہم توبہ کو قبول کرلیں گے اور قضا نمازوں کے مسئلے بتادیئے ورنہ تو قضا نماز کا تصور بھی نہ ہوتا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ:

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سے ایک بھول ہوئی۔ شیطان نے قسمیں کھا کھا کر انہیں کہا کہ تم یہ کام کرلو۔ ان کے تصور میں یہ رہا کہ ہمیں اس درخت سے منع کیا گیا ہے۔ وہ درخت تو فلاں جگہ تھا، تخصیص ذہن میں تھی، تعمیم نہیں تھی، کہ عام ہے۔ چناں چہ انہوں نے کہا کہ چلو جس درخت کی طرف اشارہ کیا گیا تھا ہم اس درخت کا پھل نہیں کھاتے۔

لہٰذا بھول ہوگئی۔ اب کیا ہوا؟ پروردگار عالم نے جو جنت کی پوشاک پہنائی ہوئی تھی۔ وہ پوشاک اتار لی اور ان کو جنت سے نیچے اتار کر دنیا میں بھیج دیا گیا۔ بیوی کو افریقہ کے گرم ترین علاقے میں اور آدم علیہ السلام کو سری لنکا کے بہت ہی سرسبز علاقہ میں۔ درمیان میں ہزاروں میل کا فاصلہ تھا۔

اس کے بعد دونوں ایک دوسرے کی جدائی میں اتنا روئے کہ اگر ان کے آنسوؤں کے پانی کو جمع کیا جاتا تو دریا کے پانی کے مانند بہنے لگ جاتا۔ پھر عرفات کے جبل توبہ کے اوپر دونوں کو ملایا اور ان کی توبہ کو قبول فرمایا۔ اب دیکھئے کہ ایک بھول کی معافی کتنی مشکل سے جا کر ملی۔

امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کے لیے توبہ کی سہولت:

امت محمدیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا عجیب معاملہ ہے۔ ہم کپڑے اتار کر گناہ کرتے ہیں اور پروردگار عالم ان بدنوں پر کپڑوں کو دوبارہ لوٹا دیتے ہیں۔ ہم گناہ کرتے ہیں گھر سے باہر نکل کر اور وہ ہمیں پھر بحفاظت گھروں کو واپس پہنچا دیتے ہیں۔ سمجھ میں تو بات یہی آئی تھی کہ جب جسم سے خود ہی گناہ کے لیے کپڑے اتارے تو اب اس جسم پر کپڑے نہ لوٹاتے' جیسے جنت کی پوشاک اتار لی تھی۔ گھر سے نکل کر گناہ کیا اب گھر کی نعمت دوبارہ نہ دیتے۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نیچے اتار دیا تھا۔ مگر پروردگار کی رحمت دیکھئے کہ حکم دے دیا کہ بس تم نادم ہو جاؤ' دل میں شرمندہ ہو جاؤ ہم تمہارے دل کی ندامت اور شرمندگی کو بھی قبول کر لیں گے اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دیں گے اور تمہیں اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دے دیں گے۔

سو آدمیوں کا قاتل جنت میں :

بنی اسرائیل کے ایک آدمی کی روایت حدیث میں آئی ہے۔ اس نے ننانوے قتل کیے۔ اس کے دل میں خیال آیا کہ بڑا گنہگار اور بڑا خطا کار ہوں' پتہ نہیں کہ میری توبہ کی

بھی کوئی صورت بنے گی یا نہیں۔ چناں چہ توبہ کی نیت سے وہ کسی صوفی صاحب کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا کہ میں نے ننانوے قتل کیے ہوئے ہیں' کیا میری بھی توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ اس نے کہا توبہ توبہ! ننانوے قتل اور اب تو کہتا ہے کہ میں گناہوں سے توبہ کرلوں۔

جیسے ہم کہتے ہیں کہ نو سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی' اس نے بھی آگے اسی طرح کی بات کردی۔ اس کو غصہ آیا اور اس نے کہا اچھا میں بھی سنچری مکمل کر دیتا ہوں۔ اس نے اسے بھی قتل کر دیا۔ مگر دل میں خلش باقی تھی۔ چناں چہ کچھ عرصہ کے بعد دل میں پھر یہ احساس ہوا کہ میں سو بندوں کا قاتل ہوں' میرا کیا بنے گا؟ لہٰذا کسی دوسرے آدمی سے پوچھا۔ اس نے کہا فلاں بستی میں علماء رہتے ہیں ان کے پاس چلے جاؤ' وہ تمہیں توبہ کا طریقہ بتائیں گے۔

اب اس حدیث مبارک سے یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ اگر کوئی انسان توبہ تائب ہونا چاہے تو کسی اللہ والے کے پاس جا کر اگر وہ توبہ کے کلمات پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ جلد قبول فرمائیں گے۔ خیر وہ آدمی توبہ کی نیت دل میں لے کر اس بستی کی طرف چل پڑا قضا و قدر کا فیصلہ کہ راستے میں ہی تھا کہ اسے موت آ گئی۔ اس کے پاس جنت والے فرشتے بھی آ گئے اور جہنم والے فرشتے بھی آ گئے۔ دونوں کی یہ کوشش تھی کہ اسے ہم اپنے ساتھ لے جائیں۔ جنت والے فرشتوں کی یہ دلیل کہ نہیں یہ سو بندوں کا قاتل ہے۔ ابھی توبہ تو نہیں کی اس لیے اسے جہنم میں لے جانا چاہیے۔ اب دونوں میں بحث و مباحثہ شروع ہوگیا۔ مگر معاملہ طے نہ ہوسکا۔

اللہ رب العزت کے حضور فیصلے کے لیے بات پہنچی۔ اللہ رب العزت نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ اے میرے فرشتو! یہ توبہ کی نیت سے جو گھر سے چل پڑا تھا' ذرا فاصلہ تو دیکھو۔ اگر یہ اس بستی کے قریب پہنچ گیا تھا جہاں اس نے توبہ کرنی تھی تو پھر جنت والے

فرشتے لے جائیں اور اگر ابھی تھوڑا ہی فاصلہ کیا ہے تو اسے جہنم والے فرشتے لے جائیں گے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ پروردگار عالم نے فرشتوں کو تو یہ حکم فرمایا مگر زمین کو بھی ساتھ ہی حکم کر دیا کہ اے زمین! تو سکڑ جا۔ چناں چہ اس بستی کی طرف کی زمین سکڑ گئی۔ جب فرشتوں نے فاصلہ کی پیائش کی تو پتہ چلا کہ اسے موت تو وہاں آئی جہاں دونوں راستوں کے بالکل درمیان کی لائن بنتی تھی۔ مگر مرتے مرتے' گرتے پڑتے اس کی لاش اگلی بستی کی طرف جا کر گری۔ بس اتنا فاصلہ توبہ کی بستی کے قریب ہونے کی وجہ سے رب کریم نے فرمایا' چوں کہ یہ توبہ والی بستی کے قریب ہو گیا اس لیے ہم نے اس کے گناہ معاف فرما کر اسے جنت عطا کر دی ہے۔

میرے دوستو! اگر مرتے مرتے بھی ہماری لاش توبہ کی بستی کی طرف جا گرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی معاف فرما دیں گے۔ اور اگر کوئی اپنے ہوش و حواس میں توبہ کرے گا پھر اللہ رب العزت اس کی توبہ کو کیوں نہیں قبول فرمائیں گے۔ لہٰذا ہمیں وقت سے فائدہ اٹھا کر زندگی کے گناہوں سے سچی توبہ کرنی چاہیے۔

قارون کی سرکشی کا واقعہ:

سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قارون سے فرمایا کہ تمہارے پاس بہت زیادہ مال ہے۔ لہٰذا تم اس میں سے زکوۃ ادا کرو۔ اس نے خطرہ محسوس کیا کہ اس طرح تو میرا مال کم ہو جائے گا۔ لہٰذا اس نے سوچا کہ کوئی ایسی بات کی جائے کہ ان (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی Public Insult ہو جائے۔ عوام الناس میں ان کی بے عزتی ہو جائے۔ پھر میں ان کی بات نہیں مانوں گا۔ بلکہ میں کہوں گا کہ ایسے بندے کی بات میں نہیں مانتا۔

چناں چہ اس نے کسی عورت سے کہا کہ جب موسیٰ علیہ السلام قوم کے سامنے خطاب

کریں تو تو کھڑے ہو کر کہنا کہ یہ تو میرے ساتھ بدکاری کا ارادہ کر رہے تھے۔ تم صرف الزام لگا دینا باقی پروپیگنڈہ ہم خود سنبھال لیں گے اور میں تمہیں اس کے بدلے میں اتنے اتنے پیسے دوں گا۔ وہ مال کے جھانسے میں آ کر کہنے لگی' بہت اچھا۔

چناں چہ سیدنا حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو وعظ و نصیحت کرنے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اتنے میں وہ عورت کھڑی ہوگئی۔ جب کھڑی ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تقدس اور جلال کو دیکھ کر کانپ گئی اور سچ سچ بات کہہ سنائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت غصہ آیا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے پیارے موسیٰ! ہم نے زمین کو تیرے تابع بنا دیا۔ تو جو اسے حکم کرے گا یہ اس حکم کو پورا کرے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے زمین سے کہا کہ تو قارون کو نگل جا۔ زمین پھٹی اور اس نے اس کے پاؤں جکڑ لیے۔ قارون معافی مانگنے لگا۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام جلال میں تھے۔ لہٰذا دوبارہ حکم دیا کہ اے زمین تو اسے نگل جا۔ زمین نے اس کو پیٹ تک اپنے اندر لے لیا۔ تیسری دفعہ پھر یہی فرمایا کہ اے زمین اسے نگل جا۔ زمین اسے نگل گئی۔ قیامت تک وہ زمین میں دھنستا رہے گا۔

جب قارون زمین میں دھنس گیا اور موسیٰ علیہ السلام کا جلال کچھ ٹھنڈا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا' میرے پیارے موسیٰ! وہ آپ کے سامنے روتا رہا اور معافی مانگتا رہا مگر آپ زمین کو حکم دیتے ہی رہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے اللہ! اس نے الزام بھی تو اتنا بڑا لگایا تھا۔ فرمایا ٹھیک ہے لیکن اگر وہ مجھ پروردگار کے سامنے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا تو میں پروردگار تو اس کے گناہوں کو معاف فرما دیتا۔ ع

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

ہم انسان تھوڑے ظرف والے ہوتے ہیں۔ تھوڑی سی کوئی بات پیش آ جائے تو ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس بندے کے اندر سے جان نکال دیں۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس کے

ٹکڑے کردیں' ہمارا جی چاہتا ہے کہ اس کو اپنی نگاہوں سے نیچے گرادیں۔ ہمارا حسد اتنا ہوتا ہے کہ کسی کو اچھا دیکھ نہیں سکتے۔ لیکن پروردگار کا تو معاملہ ہی کچھ اور ہے۔

ایک چغل خور پر اللہ کی رحمت وعطا:

بنی اسرائیل ہی کا ایک بڑا مشہور واقعہ ہے۔ ایک دفعہ قحط پڑ گیا۔ بارش بند ہوگئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر باہر نکلے تا کہ بارش کی دعا مانگیں۔ چناں چہ دعا مانگی مگر بارش کے آثار پھر بھی نظر نہیں آرہے تھے۔ بڑے حیران و پریشان تھے۔ پانی کے قطروں کو انسان' پرندے' چرندے اور درندے بھی ترستے تھے۔ آپ دوبارہ پروردگار کی طرف متوجہ ہوئے اور دعا مانگی کہ اے رب کریم! رحمت کی بارش عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی کہ اے میرے پیارے پیغمبر علیہ السلام! میں رحمت کی بارش کیسے برساؤں' اس مجمع میں تو ایک چغل خور موجود ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوگئے۔ آپ علیہ السلام نے ساری قوم کو مخاطب کر کے کہا کہ اس مجمع میں ایک چغل خور موجود ہے۔ جب تک وہ یہاں ہے رحمت کی بارش نہیں ہوگی۔ بہتر ہے کہ وہ نکل جائے تا کہ باقی لوگ تو رحمت سے محروم نہ ہوں۔ لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ اللہ کی شان کہ جو بندہ چغل خور تھا اس نے دل میں سوچا کہ اوہو! میں اتنا برا ہوں کہ میری وجہ سے ساری قوم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہو چکی ہے۔ وہ بڑا شرمسار ہوا۔ چناں چہ اس نے فیصلہ کیا کہ میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں اور نکل کر چلا جاتا ہوں۔ مگر اسکو پھر خیال آیا کہ میرے پروردگار! میں جب تک چغل خور بنا رہا تب تک تو آپ نے مجھے رسوا نہ کیا اور جب میں توبہ کی نیت کر چکا ہوں تو کیا اب آپ مجھے رسوا فرمادیں گے۔ وہ ابھی یہ بات سوچ ہی رہا تھا کہ رحمت کی بارش چھم چھم برسنے لگ گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی حیران ہوئے۔

جب بارش خوب ہو چکی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر کہنے

لگے اے رب کریم! آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا تھا کہ ایک چغل خور کی وجہ سے رحمت رکی ہوئی ہے اور خود ہی بارش برسا بھی دی حالاں کہ نکل کر کوئی بھی نہیں گیا۔ پروردگار نے فرمایا اے میرے پیارے پیغمبر! جس بندے کی وجہ سے رحمت رکی ہوئی تھی' اس بندے کی وجہ سے رحمت برس گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور زیادہ حیران ہوئے اور پوچھا' اے اللہ! وہ بندہ کون ہے؟ رب کریم نے فرمایا جب میں چغل خوری کو اتنا ناپسند کرتا ہوں کہ رحمت کی بارش نہیں برساتا تو میں اس بندے کی چغلی کیسے کھاؤں۔ ع

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

اللہ تعالیٰ کے باغی کے حقوق:

ہم غور کریں کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کتنی رحمتیں ہیں۔ دیکھیں کہ ہر ملک کا یہ قانون ہوتا ہے کہ ہر شہری کے کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ مگر دنیا کے کسی ملک میں بھی باغی کو کوئی حق نہیں ملتا۔ ساری سزائیں اس کے واسطے ہوتی ہیں۔ ساری عطائیں اس سے ہٹالی جاتی ہیں۔ اس کو اس ملک میں جینے کی اجازت نہیں ہوتی بلکہ کہا جاتا ہے کہ اسے پھانسی پر لٹکا دو۔ گویا باغی کے لیے دنیا کی بدترین سزائیں ہوتی ہیں۔

مگر دین اسلام وہ دین ہے جسے رحیم و کریم ذات نے بھیجا ہے۔ کتنا کرم اور رحمت کا معاملہ فرمایا کہ اس دنیا کے ملک میں اس پروردگار کا شاہی قانون لاگو ہے۔ مگر اس میں پروردگار عالم نے اپنے باغی کے بھی حقوق رکھ دیئے ہیں۔ چناں چہ فرمایا کہ کوئی بندہ دہریہ ہو یا غیر مسلم ہو گویا وہ اللہ تعالیٰ کے قانون کا باغی ہوتا ہے۔ اس باغی کو بھی اس ملک میں اپنی زندگی گزارنے کی اسی طرح اجازت ہے جس طرح کہ ایک عام مومن کو اجازت ہے۔ اس کی جان و مال پر بھی کوئی بندہ ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔ کیوں کہ پروردگار عالم نے فرمایا کہ جس طرح مومنوں کی عزت' جان اور مال محفوظ ہے۔ اب اسلام کی سلطنت میں کفار کی جان و مال پر بھی کوئی بندہ ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔

کیوں کہ پروردگار عالم نے فرمایا کہ جس طرح مومنوں کی عزت' جان اور مال محفوظ ہے۔ اب اسلام کی سلطنت میں کفار کی جان و مال اور عزت کو ہم نے محفوظ فرما دیا ہے۔ دیکھیں کہ دین میں جبر نہیں ہے۔ اگر کوئی دین قبول نہیں کرتا تو چاہیے تو یہ تھا کہ کہہ دیتے کہ تجھے میری زمین پر جینے کا کوئی حق نہیں ہے۔ مگر نہیں' بلکہ فرمایا کہ اگر دین اختیار نہیں کرنا تو تمہاری مرضی۔ البتہ اگر تم اسی ماحول میں رہو گے' تم اور تمہاری جان کو اگر کوئی نقصان پہنچائے تو اس کو وہی سزا ملے گی جس طرح کسی مسلمان کی جان کو نقصان پہنچانے پر دی جاتی ہے۔ جب فقہ کا یہ مسئلہ پڑھتے ہیں تو دل سے بات نکلتی ہے کہ: ع

کتنے بڑے حوصلے ہیں پروردگار کے

میرے دوستو! ایک وہ عورت جس کی زندگی زنا کاری میں گزر گئی۔ اگر وہ ایک پیاسے کتے کو دیکھتی ہے اور اپنے دوپٹے کے ساتھ جوتا باندھ کر کنوئیں میں سے پانی نکال کر اسکے منہ میں ڈالتی ہے اور کتا پانی پی کر خوش ہوتا ہے۔ جیسے ہی خوشی کی آواز کتے کی زبان سے نکلتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس عورت کے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیتے ہیں۔

لمحہ فکریہ:

پھر ہم اپنا معاملہ کیوں نہیں دیکھتے کہ وہ گناہ جن کی وجہ سے بسا اوقات اللہ تعالیٰ کی زمین کانپتی ہے اور زمین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرتی ہے کہ اے رب کریم! تیری شان میں ایسی گستاخی' تیرے حکموں کو اس طرح توڑنے والا بندہ' مجھے اگر اجازت ہوتی تو پھٹ جاتی اور اسے نگل جاتی۔ مگر پروردگار زمین کو حکم نہیں فرماتے۔

شکلیں مسخ کرنے والے گناہ کرتے ہیں مگر رب کریم شکلوں کو پھر بھی سلامت رکھ لیتے ہیں۔ رب کریم کو ہم اتنا غصہ دلانے والے کام کرتے ہیں مگر وہ رب کریم پھر بھی اپنی رحمت کا معاملہ کیے رکھتے ہیں۔

گناہ گار پر اللہ تعالیٰ کی نوازشات:

دنیا کی عدالت میں کسی پر کوئی ایسا مقدمہ درج ہوجائے جو غلط ہو اور عدالت بھی تحقیق کرے کہ مقدمہ غلط تھا تو عدالت فیصلہ کرتی ہے کہ ہم نے اس معاملہ میں تحقیق کی، گواہیاں لیں اور اس نتیجہ پر ہم پہنچے کہ مقدمہ غلط تھا۔ لہٰذا اس آدمی کو باعزت بری کر دیا گیا۔ پھر وہ عدالت اس آدمی کو باعزت بری کرنے کے باوجود اس جھوٹے مقدمہ کا بھی اپنے پاس ریکارڈ ضرور رکھتی ہے۔ دنیا کی عدالت کا تو یہ معاملہ ہے جب کہ رب کریم کی عدالت کا یہ معاملہ ہے کہ ایک آدمی جو واقعی مجرم ہے اور اس کے گناہ کا جرم ثبوت کے ساتھ موجود ہے اور فرشتے اس کو عدالت کی کتابوں میں لکھ چکے ہیں کہ یہ اتنے بڑے برے گناہ والا مجرم ہے۔ جب وہ رحم کی اپیل کرتا ہے تو رب کریم اس کے گناہوں کو فقط معاف ہی نہیں فرماتے بلکہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نامہ اعمال میں ان گناہوں کو مٹا بھی دیتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے! تو ہمارے سامنے نادم شرمندہ ہوگیا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے میرے بندے! تو ہمارے سامنے نادم وشرمندہ ہوگیا ہے۔ لہٰذا ہم نے تجھے سچے مقدمہ سے باعزت بری کر دیا ہے اور مقدمہ کے ریکارڈ کو بھی ہم نے اپنی عدالت سے ختم کر دیا ہے۔ یہی نہیں بلکہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فقط نامہ اعمال سے ہی ریکارڈ ختم نہیں کرواتے بلکہ

﴿نَسِیَ اللّٰہُ الْحِفْظَۃَ﴾

اللہ تعالیٰ لکھنے والے فرشتوں کی یادداشت سے بھی ان گناہوں کو نکال دیتے ہیں تاکہ قیامت کے دن میرے بندوں کے خلاف گواہی نہ دے سکیں۔

عصیاں سے کبھی ہم نے کنارہ نہ کیا
پر تو نے دل آزردہ ہمارا نہ کیا
ہم نے تو جہنم کی بہت کی تدبیر

لیکن نبی رحمت نے گوارا نہ کیا

ہم تو گناہ کماتے پھرتے ہیں، جہنم کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ اور رب کریم ہیں جو جہنم سے ہٹا کر پھر جنت کی طرف متوجہ فرماتے ہیں۔ ساری ساری زندگی اپنی من مانیاں کرنے والے بھی دوست کے قریب جا کر معافی مانگ لیتے ہیں اور پروردگار ان کی بھی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔

گناہوں کا نیکیوں میں بدلنا:

دیکھئے کہ ایک آدمی جو پہلے مجرم تھا، خطا کار تھا جب اس نے سچی توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف اس کے گناہوں کو معاف ہی نہیں کر دیا بلکہ دو کام اور بھی کر دیئے۔ پہلا کام تو یہ

﴿فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ﴾ (سورۃ فرقان ۷۰)

کہ ہم نے تمہارے گناہوں کو معاف ہی نہیں کیا بلکہ تمہارے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیا ہے۔

وہ جرم معاف ہی کر دیتے تو بڑی بات تھی مگر نہیں، وہاں تو کرم اور عطا کا معاملہ ہے۔ اس لیے فرمایا کہ معاف تو ساری دنیا کر دیتی ہے۔ لیکن وہ سخی ایسا ہے کہ معاف ہی نہیں کرتا بلکہ معاف کرنے کے بعد گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل فرما دیتا ہے۔

گناہ کا طعنہ دینے والے کے لیے وعید:

دوسرا احسان یہ فرمایا کہ اب دوسرے لوگوں سے کہا جو بندہ اپنے گناہ سے توبہ کر لے اسے تم گناہ کا طعنہ نہ دینا، یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔ چناں چہ وعید فرما دی کہ اگر ایک بندہ واقعی گناہ گار تھا، اب سچی پکی توبہ کر چکا ہے۔ اب اگر تم میں سے کوئی بندہ اسکو اس گناہ کا طعنہ دے گا تو اس کو اس وقت تک موت نہ آئے گی جب تک اللہ تعالیٰ اس کو اس گناہ میں ملوث نہ کر لے گا۔ سبحان اللہ، اس کی عزت کی ایسی حفاظت کی کہ لوگوں کی زبانوں کو بند کر دیا کہ تم میں سے کسی کی جرأت نہیں کہ گزرے ہوئے گناہ کی عار دلائے اور اسے طعنہ

دے۔ کیوں کہ اگرچہ یہ غافل تھا مگر اب توبہ کر چکا ہے' یہ صلح کر چکا ہے' میرے در پر آ چکا ہے اور جو شہنشاہ کے در پر آ جائے۔ اس کی خطائیں معاف کر دی جاتی ہیں۔ شریعت نے کیسا عجیب تصور دیا ہے کہ اگر کوئی گنہگار ہو تو اس گنہگار سے نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ گناہوں سے نفرت کرنی چاہیے۔ جیسے بیمار سے نفرت نہیں کی جاتی بیماری سے نفرت کی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ سچی توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو اس کی نیکیوں میں تبدیل فرما دے۔ سچی بات ہے کہ: ع

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

رحمت اور فضل میں فرق:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے دو الفاظ استعمال فرمائے:

﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ﴾ (سورۃ النور:۱۴)

اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی یہ دو الفاظ کیوں ارشاد فرمائے؟ حالاں کہ فضل کا لفظ ہی کافی تھا یا رحمت کا لفظ ہی کافی تھا۔ مگر ملتے جلتے دو الفاظ استعمال فرمائے۔ مفسرین نے پھر آگے اس کی تفصیل لکھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک بندہ توبہ کرتا ہے تو اس کی خطا کو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتے ہیں۔ یہ تو ہو گئی اللہ کی رحمت' کہ رحمت کی وجہ سے اس کے اتنے بڑے جرم کو معاف فرما دیا۔ اور دوسرا اپنی طرف سے یہ انعام بھی عطا کیا کہ گناہوں کے باوجود رب کریم نے انہیں نیکیوں میں تبدیل فرما دیا۔ اس کو کہتے ہیں ''اللہ کا فضل'' اس لیے فضل اور رحمت دو الفاظ الگ الگ استعمال فرمائے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ کب آتی ہے:

میرے دوستو! بجلی کی تار کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ پہلی غلطی بھی معاف نہیں کرتی۔ اس کی تار کو غلطی سے پہلی دفعہ ہاتھ لگ جائے تو پھر بھی نقصان پہنچا دیتی ہے۔ لیکن اللہ رب العزت کا یہ دستور ہے کہ وہ انسان کی پہلی غلطی پر پکڑ نہیں فرماتے۔ کیوں کہ وہ رحیم

وکریم ذات ہے۔

﴿اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾ (سورۃ حج:۶۵)

وہ مہربانی فرمانے والے ہیں۔ وہ ایک آدمی غلطی پر انسان کو سزا نہیں دیتے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس وقت پکڑ آتی ہے۔ جب بندہ نے ایک گناہ کیا' پھر کیا' پھر کیا پھر کرتا رہا' کرتا رہا اور زندگی کے سال ہا سال گزر گئے۔ حتی کہ ایک مدت کے بعد وہ وقت آتا ہے جب رب کریم اس کی پکڑ فرما لیتے ہیں۔

اس کی دلیل حدیث پاک سے ملتی ہے۔ ایک آدمی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اسے چوری کے جرم میں پکڑا گیا تھا۔ کہنے لگا' اے امیر المومنین! مجھے معاف فرما دیجیے' مجھ سے پہلی غلطی ہوئی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا' پہلی غلطی پر اللہ تعالیٰ رسوا نہیں کرتے۔ چناں چہ حکم دے دیا گیا کہ تحقیق کی جائے۔ جب لوگوں نے تحقیق کی تو پتا چلا کہ وہ عادی مجرم تھا اور پہلے بھی چوری کرتا تھا۔

انسان جب گناہوں میں الجھ جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ آتی ہے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿مَنْ کَسَبَ سَیِّئَۃً﴾

جس نے گناہ کیے،

﴿وَاَحَاطَتْ بِہٖ خَطِیْٓئَتُہٗ﴾

اور اس کی خطاؤں نے اس کا احاطہ کر لیا۔ احاطہ کرنے کا کیا مطلب؟ یعنی اتنے گناہ کیے کہ ان گناہوں کے اندر ڈوب گیا' گناہوں نے اسے گھیرے میں لے لیا۔

﴿فَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ (سورۃ بقرہ ۸۱)

یہ وہ لوگ ہیں جو آگ میں ڈال دیے جائیں گے۔

دیکھیں! کوئی آدمی اپنے نافرمانوں کو بھی محبت سے بلاتا ہے؟ کوئی نہیں بلاتا' بلکہ

غصہ سے بلاتے ہیں' مگر رب کریم کا معاملہ ہی عجیب ہے۔

چناں چہ قرآن مجید میں ہم گناہ گاروں کا تذکرہ بھی بڑے عجیب الفاظ سے اپنے محبوب ﷺ کے ذریعہ سے یوں فرمایا:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ﴾

آپ فرما دیجیے میرے ان بندوں سے جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ سبحان اللہ' تذکرہ بھی ان لوگوں کا جو جانوں پر ظلم کرتے رہے' اے پروردگار عالم! تیری رحمت پہ قربان جائیں کہ خطاب کرتے ہوئے آپ نے اجنبیت اور بے تعلقی کا احساس نہیں ہونے دیا' آپ نے ان سے رخ نہیں پھیرا اور صرف یہ نہیں کہا کہ بندوں یا لوگوں سے کہہ دو بلکہ فرمایا ''عبادی'' میرے بندوں سے کیا فرما دیجیے؟ کہ:

﴿لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾

اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جانا۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا﴾

اللہ تعالیٰ سب گناہوں کی رحمت معاف کرنے والے ہیں۔

﴿اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ (سورۃ زمر:۵۳)

وہ تو بڑی مغفرت کرنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔ ع

کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

اے رب کریم! آپ گنہگاروں کو بھی خطاب کرتے ہوئے اپنے بندوں کے نام سے خطاب فرما رہے ہیں۔ آپ کی اتنی رحمتیں' آپ کے اتنے کرم ہم قربان جائیں آپ کی رحمتوں پر آپ کی بخششوں پر اور آپ کی عطا پر کہ ادھر سے پیہم گناہ اور آپ کی رحمت کی طرف سے تکرار کہ اے میرے بندو! اب بھی میرے در پہ آ جاؤ اور تو لو میں تمہاری توبہ قبول کر لوں گا۔

خلاصہ کلام:

اللہ رب العزت ہمیں سچی توبہ کرنے کی توفیق نصیب فرمادے۔ یہ پروردگار کا کرم ہے' اس کی رحمت ہے' اتنے گناہوں کے باوجود' اتنی خطاؤں کے باوجود' ہم سے پروردگار نے بینائی نہ چھینی' گویائی نہ چھینی' سماعت نہ چھینی' عزت نہ واپس لی' ہم سے رزق نہ واپس لیا' پروردگار نے ہم سے بیوی بچے نہ واپس لیے ہم کو ساری نعمتیں عطا کیے رکھیں۔ یہ سب میرے پروردگار کا کرم اور احسان ہے۔

میرے دوستو! کہنے والے نے پتہ نہیں کسی شیطانی خیال میں بات کردی ہوگی کہ:

اک فرصت گناہ ملی وہ بھی چار دن
دیکھے ہیں ہم نے حوصلے پروردگار کے

تو دل میں خیال آیا کہ کیوں نہ اس بات کو واضح کردیں کہ دل میں تو یہ بات آتی ہے کہ:

ہم نے یہ گناہ تو اس نے نہ کی پکڑ
کتنے بڑے ہیں حوصلے پروردگار کے

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

مناجات

میرا دل مچل رہا ہے تیری یاد میں الٰہی !
تیرے نام نے تو دل میں اک آگ ہے لگائی
تیرا در تو تیرا در ہے' تیرے در کے اک گدا نے
دنیا دوں کی عظمت میرے دل سے ہے مٹائی
میں تیری نوازشوں پر حیران ہو رہا ہوں
قاری نے مجھ سورت رحمٰن ہے سنائی
تیرے حسن پر میں قرباں' تیری نیم سی نگاہ نے
میرے دل کی اجڑی بستی اک پل میں ہے بسائی
تیرے عاشقوں میں جینا' تیرے سنگِ در پہ مرنا
میں یہی سمجھ رہا ہوں تیرے در کی ہے رسائی
میری زندگی کا حاصل تیری یاد بن گئی ہے
تیرے وصل کی تمنا میرے دل میں ہے سمائی
مجھے درد دل ملا ہے سن لو اے دنیا والو!
میں فقیر بے نوا ہوں مجھے مل گئی شاہی

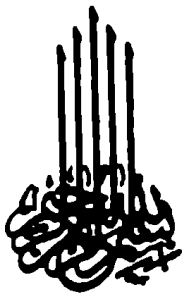

پاجا سراغ زندگی

حسن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

حسن مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ و کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی' اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِھِمْ (سورۃ الاحزاب:٦)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کی تعمیر شروع کی تو انہوں نے اللہ رب العزت سے ایک دعا مانگی' اس دعا کا تذکرہ قرآن عظیم الشان میں موجود ہے۔

دعا یہ مانگی کہ اے اللہ میں نے آپ کا گھر بنا دیا۔ مسجد بنا دی' اب آپ عبادت سکھانے والے کو بھیج دیں۔ مدرسہ بنا دیا' تعلیم دینے والے کو بھیج دیجیے۔

دعا مانگنے والے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام۔ آمین کہنے والے اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام۔ اور جہاں اس دعا کا تذکرہ کیا گیا' اس کتاب کا نام کلام اللہ' اور جس جگہ دعا مانگی اس کا نام بیت اللہ اور جس سے دعا مانگی اس کا نام اللہ' اور جو اس کی قبولیت بن کر اس دنیا

میں تشریف لائے' ان کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

چناں چہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی قبولیت بن کر دنیا میں آیا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خوشخبریاں:

نبی علیہ السلام کی والدہ ماجدہ بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب میں امید سے تھی تو میں نے بہت سی خوشخبریاں دیکھی۔ برکتوں والے کام دیکھے۔ یہاں تک کہ میں جب زم زم بھرنے جاتی تو زم زم کا پانی کنارے کے قریب آتا۔ مجھے بھرنے میں بھی کوئی تکلیف نہ ہوتی تھی۔

نبی علیہ السلام کی ولادت مبارکہ سحری کے وقت ربیع الاول کے مہینے میں ہوئی۔ سحری کے وقت میں یہ حکمت تھی کہ جیسے ظاہری طور پر شب کی تاریکی جارہی تھی اور صبح کا اجالا آرہا تھا۔ یہ ایک پیغام تھا کہ آج دنیا سے شرک و بدعت کی تاریکی جارہی ہے اور توحید کا اجالا آرہا ہے۔

نبی علیہ السلام کی ولادت مبارکہ کے وقت جو آتش پرستوں کی آگ سال ہا سال سے جل رہی تھی۔ سینکڑوں سال سے جل رہی تھی اچانک بجھ گئی' پیغام تھا کہ شرک کی آگ جو دنیا کے اندر ہر طرف پھیلی ہوئی ہے' وہ اس مبارک ہستی کی تشریف آوری کے بعد بالکل ختم ہو جائے گی۔

ثناء خوانوں میں نام لکھوانے کے لیے:

نبی علیہ السلام کے متعلق اللہ نے فرمایا:

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (سورۃ انشراح:۴)

محبوب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو ہم نے دنیا میں بلند فرمایا۔

اب ایسی مبارک ہستی کا تذکرہ کرنے کے لیے ہم لوگوں کو کتنی مرتبہ اپنی زبان کو مشک

وگلاب دھونے کی ضرورت ہے۔اس لیے کہنے والے نے کہا:

ہزار بار بشویم دھن بمشک وگلاب
ہنوز نام گفتن کمال بے ادبی

تاہم اس مبارک مہینے میں ہمارے اکابر نبی علیہ السلام کی سیرت سے متعلق اکثر مجالس قائم کرتے ہیں۔امت کو پیغام سیرت پہنچاتے ہیں۔

چناں چہ اس میں شمولیت حاصل کرنے کی تمنا لے کر اس عاجز نے یہ بہت نازک عنوان شروع کیا۔اللہ رب العزت کما حقہ کہنے کی توفیق عطا فرمادے۔(آمین)

حضور ﷺ کی ولادت اور رضاعت:

عرب کے ہاں دستور تھا کہ جب بچے کی ولادت ہوتی تو اس کی پرورش کے لیے اسے شہر سے باہر کسی دور مقام میں بھیج دیا جاتا تھا۔

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی سعادت:

چناں چہ طائف سے اسّی میل آگے ایک قبیلہ تھا۔جس کا نام بنوسعد تھا اور وہاں کی ایک خاتون جس کا نام حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تھا۔اپنے گھر کے حالات سے پریشان تھی۔اس نے سوچا کہ میں مکہ مکرمہ جاتی ہوں اور کسی بچے کو میں اپنی گود میں لاتی ہوں۔ لیکن جاتے ہوئے وہ اپنے ساتھ والی عورتوں سے پیچھے رہ گئی۔کیوں کہ اس کی سواری کمزور تھی۔قبیلے کی دوسری عورتیں جب مکہ مکرمہ میں آئیں تو انہوں نے بڑے بڑے امراء کے بچوں کو گود میں لے لیا۔

نبی علیہ السلام کو لینے کے لیے جب کوئی عورت آتی اور وہ سنتی کہ آپ ﷺ کے والد گرامی اس دنیا سے وفات پاگئے اور وہ سوچتی کہ اس کے بدلے میں کیا ملے گا۔چلی جاتیں۔

جب حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو نبی علیہ السلام آرام فرمارہے تھے۔

اوپر ایک کپڑا تھا۔ ان کے دل میں خیال آیا کہ میں اس بچے کو دیکھوں تو سہی کہ یہ ہے کیسا؟ فرماتی ہیں کہ جب میں نے کپڑا ہٹایا۔ بچے کو دیکھا تو بچہ مجھے دیکھ کر مسکرایا اور اس کی مسکراہٹ میں ایسی جاذبیت تھی کہ میرا دل اس پر فریفتہ ہو گیا۔

میں نے اپنے خاوند سے مشورہ کیا کہ گو ہمیں زیادہ معاوضہ تو نہیں ملے گا لیکن اس بچے کی مسکراہٹیں مجھے سکون دیا کریں گی۔ خاوند نے کہا کہ تم اس بچے کو گود میں لے لو۔

چناں چہ اس کو لے کر جب واپس چلنے لگے تو خاوند نے اپنی سواری کو بٹھایا اور پہلے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو بٹھایا۔ بچہ ان کی گود میں تھا اور آگے خود بیٹھنے لگا۔ جب آگے بیٹھا تو کیا دیکھتا ہے کہ سواری نے چلنے سے انکار کر دیا۔ بڑا حیران' کہ آخر یہ سواری کیوں نہیں چلتی۔ اس افراتفری میں نیچے اترا تو سواری چلنے کے لیے تیار ہو گئی۔ پھر دوبارہ بیٹھنے کی کوشش کی تو سواری نہیں چلتی۔

اس کے دل میں خیال آیا کہ حلیمہ تم بچے کو لے کر آگے بیٹھو میں پیچھے بیٹھتا ہوں۔ چناں چہ اس نے جب اس طرح ترتیب بدلی تو سواری نے بھاگنا شروع کر دیا۔

اصل میں یہ پیغام تھا کہ یہ وہ مبارک ہستی ہے کہ جو اللہ رب العزت کی محبوب ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم اس کی طرف پشت کر کے بیٹھو اور سواری چلنا شروع کر دے۔ سواری ایسی بھاگی کہ جو آپ سے آگے چل پڑی تھیں۔ ان سے بھی آگے نکل گئی۔

ان عورتوں نے پوچھا حلیمہ کیا تم نے سواری بدل لی؟ حلیمہ نے کہا میں نے سواری تو نہیں بدلی' سواری کا سوار بدل لیا ہے۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا گھر برکات کی برکھا بن گیا:

فرماتی ہیں کہ میں اپنے گھر پہنچی' گھر کے اندر عجیب برکتیں' بکریوں کے تھنوں میں دودھ ہے اور اتنا دودھ کہ ہماری ضرورت سے بڑھ جاتا۔ میرے سینے میں اتنا دودھ کہ بچے کو پورا ہو جاتا۔ میں ان برکتوں کو کھلی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

ایک کہانی حضرت شیما کی زبانی:

فرماتی ہیں کہ ایک دن ایسا آیا کہ میں نے اپنی بیٹی شیما رضی اللہ عنہا سے کہا تم بکریاں چرانے کے لیے جاؤ' وہ کہنے لگی امی! بکریاں زیادہ ہیں اور میں اکیلی ہوں۔ میرا ان کے پیچھے بھاگنا مشکل ہے۔ میرے ساتھ کسی اور کو بھی بھیجیں۔

انہوں نے کہا کہ گھر میں دوسرا تو اور کوئی نہیں تم ہی گھر کی بچی ہو' وہ کہنے لگی کہ مجھ اکیلی سے بکریاں نہیں سنبھالی جاتیں' میں نے کہا کہ آخر بکریوں کو لے کر تو جانا ہے۔

شیما نے کہا کہ اماں! اس چھوٹے بھائی دودھ پیتے کو میرے ساتھ بھیج دے۔ حلیمہ بڑی حیران ہوئی کہ آپ بکریوں کو سنبھالو گی یا بھائی کو سنبھالو گی؟

شیما نے کہا کہ اگر آپ بھائی کو بھیجو گی تو میں دونوں کو سنبھال لوں گی۔ نہیں بھیجوں گی تو مجھ سے بکریاں بھی نہیں سنبھالی جاتیں۔ اب ماں حیران ہے' ماں نے پوچھا کہ آخر وجہ کیا ہے؟

شیما نے کہا کہ اماں، ایک دن میں اپنے بھائی کو لے کر گئی تھی۔ میں نے جب چراگاہ میں بکریوں کو چرانا شروع کیا تو بھائی کو لے کر ایک جگہ بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ بکریوں نے بہت جلدی چارہ کھالیا اور جہاں میں بیٹھی تھی۔ وہ بکریاں میرے قریب آ کر بیٹھ گئیں۔ میں بھی بھائی کا چہرہ دیکھتی رہی اور میری بکریاں بھی بھائی کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ مجھے بکریوں کے پیچھے بھاگنے کی ضرورت ہی نہیں پیش آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حیا:

نبی علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے ظاہری حسن و کمال بھی ایسے عطا فرمائے تھے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرماتی تھیں کہ نبی علیہ السلام کی مبارک آنکھوں میں' میں نے وہ حیاء دیکھا کہ جو مجھے مدینہ کی کنواری لڑکیوں کی آنکھوں میں بھی نظر نہیں آتا تھا۔

ایسا منور چہرہ' رنگ نہ بہت زیادہ سفید اور نہ بالکل کالا' بلکہ سفیدی مائل گندم گوں جیسے رنگ ہوتا ہے۔ یوں نبی علیہ السلام کا مبارک رنگ تھا مگر چہرے پر کشش ایسی تھی کہ جو بندہ دیکھتا تھا۔ اس کو اپنے لیے آنکھ ہٹانا مشکل ہو جاتا تھا۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام سے نبی علیہ السلام نے پوچھا کہ جبرائیل! تم نے دنیا میں لوگ دیکھے کیا تم نے میرے جیسا بھی کوئی دیکھا؟ انہوں نے جواب دیا' جس کو شاعر نے یوں کہا:

اے چہرہ زیبا طور اے رشک بتان حاضری
ہر چند وصفت می کند در حسن داں بالاتری
آفاق ہا گردیدہ ام مہر بتاں وردیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اماں تو چیزے دیگری

اے میرے آقا ﷺ! میں نے سارے جہاں کو دیکھا' سورج کی طرح دہکتے ہوئے محبوبوں کے چہروں کو بھی دیکھا' لیکن آقا! آپ ﷺ کے حسن و جمال کا معاملہ ہی اور ہے۔

نبی علیہ السلام کے مبارک ہاتھ پُر گوشت تھے اور ریشم کی طرح نرم تھے۔

سینہ مبارک چوڑا تھا۔ ہڈیوں کے جوڑ بڑے تھے۔ قد درمیانہ تھا مگر دراز مائل تھا۔ اللہ نے ایسی کرامت دی تھی کہ جب آپ ﷺ مجمع میں کھڑے ہوتے تھے تو پورے مجمع سے دراز قد نظر آتے تھے۔

حضور ﷺ کا پسینہ:

آپ ﷺ کا پسینہ اتنا خوش بو دار تھا کہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ آپ ﷺ کے پسینہ کے قطروں کو شیشی کے اندر جمع کرتی۔ نبی علیہ السلام نے دیکھا تو پوچھا ام سلیم! یہ کیا کرتی ہو؟

عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ ہم اس پسینہ کو جب خوش بو میں ڈال دیتے ہیں تو

اس خوش بو کی خوش بو میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

پھول کھلتے ہیں پڑھ پڑھ کر صلِ علیٰ
جھوم کر کہہ رہی ہے یہ باد صبا
ایسی خوش بو چمن کے گلوں میں کہاں
جو نبی علیہ السلام کے پسینے میں موجود ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کی قسم! میں نے مشک اور عنبر کو سونگھا' اس میں بھی وہ خوش بو نہ پائی جو نبی علیہ السلام کے مبارک پسینہ میں خوش بو آئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں' زلیخا تم نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو تم نے انگلیاں کاٹیں اگر تو میرے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتیں تو اپنے دل کے ٹکڑے کر بیٹھتیں' فرماتی تھیں:

لَنَا شَمْسٌ وَلِلْآفَاقِ شَمْسٌ

ایک آسمان کا سورج ہے اور ایک ہمارا سورج بھی ہے۔ اے آسمان تیرا سورج فجر کے بعد طلوع ہوتا ہے اور میرا سورج عشاء کے بعد گھر میں طلوع ہوتا ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ اے آسمان کے سورج! تو طلوع ہوتا ہے تو تیرے لیے غروب ہونا ہی لکھا ہے اور جو میرا سورج ہے وہ ایسا طوع ہوا کہ وہ کبھی بھی غروب نہ ہوگا۔

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا میرے بھائی یوسف علیہ السلام صبیح تھے اور میں ملیح ہوں۔ صبیح کہتے ہیں بہت گورا چٹا اور ملیح کہتے ہیں نمکین چہرہ۔

نمکین چہرہ کیوں کہتے ہیں کہ بندہ اگر دیکھے تو آنکھ ہٹانی مشکل ہو۔ ہم اس کو اپنی زبان میں کہتے ہیں' من بھانوا ناں' کہ جس کو دیکھو تو دل کو بھا جائے۔ نبی علیہ السلام کو اللہ نے یہ حسن و جمال دیا تھا۔

حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی نعت:

چناں چہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت حسان رضی اللہ عنہ ان کا نام ہے۔

وَاَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَقَطُّ عَيْنِيْ
وَاَجْمَلَ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین چہرہ کبھی کسی آنکھ نے دیکھا نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خوب صورت بچہ کسی ماں نے جنا نہیں۔

اور اے آقا صلی اللہ علیہ وسلم آپ اتنے حسین اس دنیا میں پیدا ہوئے' لگتا ہے کہ جیسے من پسند کا حسن لے کر دنیا میں تشریف لائے ہیں۔

نازاں ہے جس پر حسن وہ حسن رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے
یہ کہکشاں تو آقا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی دھول ہے
اے کاروان شوق یہاں سر کے بل چلو
طیبہ کے راستے کا کانٹا بھی پھول ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبت:

نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حسن و جمال دیا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جس چیز کی نسبت آقا صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی وہی حسین کہلائی' جو آنکھیں ان جیسی بن گئیں وہ خوب صورت بن گئیں۔ جو سراپا بن گیا وہ سراپا خوب صورت ہو گیا۔ جس کا لباس میرے آقا جیسا ہو گیا۔ وہ لباس خوب صورت بن گیا۔ جس چیز کی نسبت بھی آقا صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچی وہ چیز دنیا میں حسین کہلانے لگی۔

چاند سے تشبیہ:

چناں چہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں عشاء کے بعد مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔ نبی علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ مگر منظر ایسا ہے کہ سامنے نبی علیہ السلام کا چہرہ انور اور اوپر آسمان کا چاند' میں تھوڑی دیر کھڑا ہو گیا' کبھی میں آسمان کے چاند کو دیکھتا اور کبھی میں عرب کے چاند کو دیکھتا' میں کچھ دیر تو دیکھتا رہا' بالآخر میرے دل نے فیصلہ کیا' اے آسمان کے چاند! تیرا حسن ضرب المثل ہے۔ لوگ مثالیں دیتے ہیں لیکن تیرا حسن اپنی جگہ جو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے حسن دیا۔ اس کے سامنے تیرے حسن کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔

اس کو ایک شاعر نے کہا: ؎

چاند سے تشبیہ دینا یہ بھی کوئی انصاف ہے
چاند کے منہ پر چھائیاں مدنی کا چہرہ صاف ہے

حضرت نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کی عقیدت رسول صلی اللہ علیہ وسلم :

چناں چہ ایک بزرگ نے یہاں تک فرمایا:

اے رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سا کوئی نہیں' تجھ سا کوئی نہیں
بزم کونین پہلے سجائی گئی' پھر تیری ذات منظر پہ لائی گئی
اے ازل کے حسین صلی اللہ علیہ وسلم اے ابد کے حسیں صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سا کوئی نہیں' تجھ سا کوئی نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق:

نبی علیہ السلام صورت میں بھی بے مثال تھے۔ اپنی سیرت میں بھی بے مثال تھے۔ ایسے اخلاق اللہ رب العزت نے عطا فرمائے کہ خود تعریف فرمائی۔ اے میرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم:

﴿وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (سورۃ قلم:۴)

آپ ﷺ تو اخلاق کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں۔ مدینہ کو نبی علیہ السلام نے اپنے اخلاق سے فتح فرمالیا تھا۔ لوگوں کے دل جیت لیے تھے۔

چناں چہ آپ ﷺ نے ایسی زندگی گزاری کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کامل اتباع کرنے والے تھے۔ اور اللہ نے ان صحابہ کرامؓ کو بھی صاحب فضل وکمال بنادیا۔ یہ نبی علیہ السلام کی اتباع کی برکت تھی۔ ایسا مقام اللہ نے دیا کہ کہنے والے نے کہا:

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں بسا
شوکت و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید بایزد تیرا جمال بے نقاب
تیری نگاہ ناز پر دونوں مراد پاگئے
علم و ضیاء و جستجو عشق حضور اضطراب

حضور ﷺ محبوب کل جہاں تھے:

چناں چہ نبی علیہ السلام محبوب کل جہاں تھے۔ یہ نکتہ یاد رکھیں! نبی علیہ السلام محبوب کل جہاں تھے۔ ذرا توجہ فرمائیں۔ جمادات کے بھی محبوب' نباتات کے بھی محبوب' حیوانات کے بھی محبوب' اور انسانوں کے بھی محبوب' محبوب کل جہاں تھے۔

جمادات کے محبوب:

جمادات کے محبوب تو ایسے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اُحُدٌ جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ))

احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم احد پہاڑ سے محبت کرتے ہیں۔

جمادات بھی آپ ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔ چناں چہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے

گھر دو پتھر تھے۔ ایک کا نام تھا متقی اور ایک کا نام تھا متکلم۔ جب بھی آپ ﷺ تشریف لے جاتے تو ان میں سے ایک پتھر ایسا تھا کہ نبی علیہ السلام کو سلام کیا کرتا تھا اور دوسرے کے اوپر جب آپ ﷺ بیٹھتے تو اس کے ساتھ ٹیک لگاتے تھے۔ نبی علیہ السلام جمادات کے بھی محبوب تھے۔ نباتات کے بھی محبوب ﷺ۔

نباتات کے محبوب:

چناں چہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام جس راستے سے گزرتے تھے۔ اس راستے کے درخت آپ ﷺ کو دیکھ کر جھک جایا کرتے تھے۔

مشہور واقعہ ہے کہ نبی علیہ السلام جب خطبہ دینا چاہتے تو ایک کھجور کا تنا تھا اس کے ساتھ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔ اس سے ٹیک لگاتے تھے' حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے ایک منبر بنا کر دیا کہ اے اللہ کے حبیب ﷺ آپ ﷺ اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا کریں۔

نبی علیہ السلام اس پر جب کھڑے ہوئے خطبہ دینے کے لیے تو صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ جیسے کوئی بچہ روتا ہے ایسے رونے کی آواز آئی۔ ہم بہت حیران ہوئے اس آواز کو سن کر۔ نبی علیہ السلام نیچے تشریف لائے اور آپ ﷺ اس کھجور کے تنے کے پاس گئے اور آپ ﷺ نے اس پر ہاتھ رکھا وہ تنا سسکیاں لے کر اس طرح چپ ہوا جیسے کہ روتا ہوا بچہ سسکیاں لے کر چپ ہو جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس طرح کیوں رو رہا تھا؟

کہنے لگا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! پہلے آپ ﷺ میرے ساتھ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے' اب منبر بن گیا' اب مجھے آپ ﷺ کی جدائی برداشت کرنی پڑ جائے گی۔

آپ ﷺ جمادات کے بھی محبوب اور نباتات کے بھی محبوب اور حیوانات کے بھی محبوب۔

جانوروں کے محبوب:

جانور آپ ﷺ سے محبت کرتے تھے۔ آخری حج کے موقع پر نبی علیہ السلام نے اونٹوں کی قربانی دی۔ ایک وقت میں تو اونٹ لائے جاتے اور ان کو ذبح کیا جاتا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب ان اونٹوں کو لایا جاتا تو وہ اونٹ نبی علیہ السلام کا چہرہ انور دیکھتے اور سب اپنی گردنیں لمبی کر دیتے۔ ہر اونٹ یہ چاہتا تھا اے اللہ کے نبی ﷺ آپ ﷺ قربانی کے لیے مجھے پہلے قبول فرمالیں۔

جمادات کے بھی محبوب' نباتات کے بھی محبوب اور حیوانات کے بھی محبوب۔

اونٹ نے بتایا:

چناں چہ مدینہ سکینہ کا واقعہ ہے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک بار نبی علیہ السلام تشریف فرما تھے' ایک صحابی رضی اللہ عنہ آئے اور آ کر کہتے ہیں' اے اللہ کے نبی ﷺ میرا ایک اونٹ ہے اور میں اس اونٹ پر سامان لاد کر دوسری جگہ پہنچاتا ہوں' اس کا پورا خیال رکھتا ہوں' کھانے دانے کا' پینے کا' لیکن جب رات ہوتی ہے اور میں سو جاتا ہوں تو اے اللہ کے نبی ﷺ وہ ایسی غمناک سی آواز نکالتا ہے کہ میری آنکھ کھل جاتی ہے' میری نیند پوری نہیں ہوتی' اگلے روز مجھے پھر کام کرنا ہوتا ہے تو مجھے مشکل پیش آتی ہے۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں یہ عرض کرنے کے لیے آیا ہوں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم نے مدعی کی بات تو سن لی مدعی علیہ کی بھی بات سنیں گے کہ وہ کیا کہتے ہیں' چناں چہ فرمایا کہ اونٹ کو بلاؤ' اونٹ کو بلایا گیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ اونٹ بڑے احترام کے ساتھ چلتا ہوا آیا اور نبی علیہ السلام کے سامنے التحیات کی حالت میں بیٹھ گیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تیرا مالک تیرا شکوہ بیان کر رہا ہے کہ وہ تو تیرے کھانے دانے کا پورا خیال رکھتا ہے اور تو اسکو رات بھر سونے نہیں دیتا۔

اونٹ نے جواب دیا اللہ کے محبوب ﷺ میرے مالک نے سچ کہا یہ میرے کھانے

دانے کا پورا خیال رکھتے ہیں۔ اے اللہ کے محبوب ﷺ! میں بھی ان کا خیال رکھتا ہوں۔ یہ جتنا بھی بوجھ لاد دیتے ہیں میں نے کبھی بوجھ لے جانے سے انکار نہیں کیا۔ ہمیشہ میں بھی بوجھ پہنچا دیتا ہوں یہ بھی محنت کرتے ہیں میں بھی محنت کرتا ہوں۔ ہم دونوں تھکے ہوئے شام کو گھر واپس لوٹتے ہیں۔ اے اللہ کے محبوب ﷺ! یہ مغرب کے بعد کھانا کھا کر تھکاوٹ کی وجہ سے تھوڑی دیر آرام کرنے کے لیے لیٹ جاتے ہیں مگر ان پر نیند غالب آ جاتی ہے' اتنی گہری نیند ہوتی ہے حتی کہ رات گہری ہو جاتی ہے' مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ سوئے رہیں اور ان کی عشاء کی نماز قضاء ہو جائے۔ اس ڈر کی وجہ سے میں رات کو سوتا نہیں' تھکاوٹ کے باوجود میں تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد غمناک آوازیں نکالتا ہوں اور ان کو جگاتا ہوں کہ میرے مالک جاگ لے اور اپنے مالک کے حکم کو پورا کر لے۔ قیامت کے دن کہیں مجھ سے بھی نہ پوچھا جائے تو اس کے ساتھ تھا' ساتھ بیٹھا ہوتا تھا تو ہی جگا دیتا تا کہ میرا حکم پورا کر لیا جاتا۔ میں سارا دن تھکنے کے باوجود رات کو نہیں سوتا مالک کو جگاتا ہوں کہ تو اپنے مالک کی نافرمانی نہ کر۔

نبی علیہ السلام محبوب کل جہاں تھے۔ جمادات کے محبوب' نباتات کے محبوب' حیوانات کے محبوب اور انسانوں کے محبوب۔

حضور ﷺ کی نعمت:

چناں چہ نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حسن و جمال دیا تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری جماعت نبی علیہ السلام کے عشاق کی جماعت تھی۔ کہنے والے نے کہا:۔

بات میں سناواں اک ایسے ماہ جبین دی
جگ دے حسیناں کولوں ودھ کے حسین دی
دیکھیا جے یوسف نوں انگلیاں کٹیاں
آقا دے دیوانیاں نے جاناں وار سٹیاں

نبی علیہ السلام کے عشاق نے جانیں قربان کر دیں۔

عشق دی اخیر دیکھی اودھے عاشقین دی
جگ دے حسیناں کولوں ودھ کے حسین دی

اب اگر صحابہ کرامؓ کے عشق کے چند واقعات سننے ہیں تو چند واقعات یہ عاجز سنا دیتا ہے تا کہ ہمارے دلوں میں بھی وہ عشق و محبت کا جذبہ بڑھ جائے اور محبت کی روشنی بڑھے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تین چیزیں ہیں کہ جن سے محبت کا پتہ چلتا ہے۔ عرض کیا کہ اللہ کے محبوب پہلی پسندیدہ چیز ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھتے رہنا' یہ عاشق صادق کی علامت ہوتی ہے' کہ محبوب جب سامنے ہو تو اس کا نگاہ اٹھانے کو دل نہیں چاہتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھتے رہنا۔ اور دوسری بات فرمائی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر اپنے مال کو خرچ کرنا اور تیسرا کام یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی بیٹی کو پیش کرنا۔ یعنی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دینا۔ تین چیزیں مجھے دنیا میں بہت پسند ہیں۔

آپ جب دیکھیں گے کہ تینوں کا مرکز نبی علیہ السلام کی ذات گرامی کا محور ہے' یہ عاشق صادق ہے۔

چناں چہ جب ہجرت کا وقت ہوا تو نبی علیہ السلام حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بہت جلدی دروازہ کھول دیا۔ پوچھا ابوبکرؓ! سوئے ہوئے تھے' جلدی اٹھ گئے' یا سوئے ہی نہیں تھے؟

عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کچھ عرصے سے دل میں خیال آتا تھا کہ مکہ سے ہجرت کا حکم ہوگا۔ اور یہ ہی دل میں توقع تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رفیق سفر اور خادم سفر کے طور

پر مجھے اپنے ساتھ قبول کریں گے۔ جب سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ خیال آیا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رات کو سونا چھوڑ دیا۔ ایسا نہ ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں اور دروازہ کھٹکھٹائیں اور کھلنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتظار کرنا پڑے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھے رو رہے ہیں۔ پوچھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کیوں رو رہے ہو؟ کہا کہ میں اس بات پر رو رہا ہوں کہ میرے پاس کچھ مال ہے اور میں نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے' لینے والا ہاتھ نیچے ہوتا ہے۔ میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بے ادبی نہیں کرنا چاہتا۔

اے میرے اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبی کے دل میں یہ بات ڈالئے کہ وہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے مال کو اپنے مال کی طرح خرچ فرمایا کریں۔

چناں چہ نبی علیہ السلام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مال کو اس طرح خرچ فرماتے تھے جس طرح کہ کوئی اپنے مال کو خرچ کرتا ہے۔

دیکھئے ہجرت کا وقت ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا پورا گھرانہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں لگا ہوا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ صاحبہ نبی علیہ السلام کا کھانا بناتی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی بیٹی اسماءؓ اس کھانے کو غار ثور میں پہنچاتی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ وہ سارا دن مکہ کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں اور رات کو جا کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں جا کر سناتے ہیں۔ اور آپ رضی اللہ عنہ کے غلام فہیرہ رضی اللہ عنہ وہ بکریاں چرانے کے بہانے غار ثور میں جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ پیش کرتا ہے۔

بیوی بھی خدمت میں' بیٹی بھی خدمت میں' بیٹا بھی خدمت میں' غلام بھی خدمت میں اور خود بھی نبی علیہ السلام کے خادم بن کر ساتھ نکلے' پورا گھر خدمت میں ہے۔

چناں چہ نبی علیہ السلام غار ثور پہنچے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تھوڑی دیر یہاں رک جائیں۔ میں ذرا دیکھوں کہ غار میں کوئی ایذا دینے

والی چیز نہ ہو۔ اندر گئے صفائی کر دی۔ چند سوراخ تھے تو انہوں نے ان کو کپڑوں سے بند کر دیا۔ ایک سوراخ بند نہ ہو سکا سوچا کہ کوئی بات نہیں میں اس کو اپنی ایڑی سے بند کر لیتا ہوں وہاں جا کر بیٹھ گئے۔

نبی علیہ السلام اندر تشریف لائے عرض کیا کہ اللہ کے حبیب ﷺ آپ ﷺ تھکے ہوئے ہیں۔ آپ ﷺ آرام فرمانا چاہیں تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود حاضر ہے۔

چناں چہ نبی علیہ السلام لیٹ گئے اور آپ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر رکھ دیا۔

دنیا میں دو ہی تو گودیں تھیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں سر مبارک رکھا تو وہ صدیق بن گئے۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی گود میں آخری دفعہ سر رکھا انتقال فرمانے سے پہلے تو وہ صدیقہ بن گئیں۔ گودوں کو اللہ کے حبیب ﷺ کی وجہ سے عظمت مل گئی۔

نبی علیہ السلام آرام فرمانے لگے۔ کچھ دیر کے بعد کیا ہوا کہ کوئی موذی چیز تھی۔ جس نے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو کاٹا اور کاٹنے کی وجہ سے جو درد ہوئی تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ اب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی کیفیت دیکھئے کہ نبی علیہ السلام کا سر مبارک گود میں ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے ہیں۔

آج جس سے محبت ہو تو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا جی چاہتا ہے کہ ایسی ہمیں صورت حال پیش آئے کہ بس ہم اپنے محبوب کے ساتھ اکیلے ہوں۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی قسمت دیکھئے! اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ موقع غار ثور میں عطا کر دیا۔ نبی علیہ السلام کی ذات مبارکہ آرام فرما رہی ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھے آپ ﷺ کے چہرے کا دیدار کر رہے ہیں۔ ایک تو کہتے ہیں: ع

ہم ہی ہم ہوں تیری محفل میں کوئی اور نہ ہو

بخت دیکھئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ان کو یہ کیفیت کاملاً حاصل ہوئی۔ اکیلے ہیں غار ثور ہے اور بیٹھے نبی علیہ السلام کے چہرے کی زیارت کر رہے ہیں۔

آج لوگ کہتے ہیں کہ:۔

کتاب کھول کر بیٹھوں تو آنکھ روتی ہے
ورق ورق تیرا چہرہ دکھائی دیتا ہے

اے میرے محبوب ﷺ میں جب کوئی کتاب کھول کر بیٹھتا ہوں تو مجھے کتاب کے صفحوں پر بھی تیرا چہرہ نظر آتا ہے۔

مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شان اور تھی۔ یہاں کتاب نہیں' یہاں محبوب کا چہرہ بھی سامنے تھا۔

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا عاشق رسول اللہ ﷺ کو اظہار عقیدت:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عجیب بات لکھی۔ جس کو سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب میں تصور کی آنکھ میں دیکھتا ہوں کہ آپ رضی اللہ عنہ جس گود میں نبی علیہ السلام کا مبارک سر لے کر بیٹھے ہیں اور محبوب ﷺ کے چہرے کو دیکھ رہے ہیں تو مجھے یوں لگتا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی گود ایک رحل کی مانند ہے اور میرے آقا ﷺ کا چہرہ انور قرآن کھلے ہوئے کی مانند ہے۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ! آپ رضی اللہ عنہ مجھے وہ قاری نظر آ رہے ہیں کہ بیٹھے ہوئے اس قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں۔

یہ حسن ساتھ عشق کے کیا لاجواب ہے

ذرا غور کریں یہ کیسا منظر ہوگا ایک طرف حسن رسول ﷺ ہے اور دوسری طرف عشق صدیق رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے سامنے:۔

یہ حسن ساتھ عشق کے کیا لاجواب ہے
رکھی ہوئی رحل پہ خدا کی کتاب ہے

یوں لگتا ہے کہ جیسے رحل کے اوپر اللہ کی کتاب رکھی ہوئی ہے۔

جب موذی چیز نے کاٹا' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' ایک

آنسو نبی علیہ السلام کے رخسار مبارک پر آ کر گرا' نبی علیہ السلام کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا' پوچھا' ابوبکر:

((مَایُبْقِیْكَ))

آپ کیوں رو رہے ہو؟ کائنات کے سردار کا سر تو تمہاری گود میں ہے' پھر کیوں رو رہے ہو؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ اے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کسی موذی چیز نے کاٹا' زہر کی شدت کی وجہ سے بے اختیار آنسو نکل آئے۔ اس پر کسی شاعر نے کہا: ؎

آنسو گرا ہے رخ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم پر
قربان ہونے آئی ہے شبنم گلاب پر

نبی علیہ السلام کے مبارک چہرے پر جو آنسو گرا' تو یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ شبنم تھی اور گلاب کا پھول کھلا تھا۔ یہ اس گلاب کے پھول پر قربان ہونے کے لیے آ گیا۔

اللہ رب العزت نے ان کو نبی علیہ السلام کے ساتھ ایسا عشق عطا کیا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں بھی نبی علیہ السلام کی انتہا درجے کی محبت تھی۔ چناں چہ ان کی زندگی کا ایک واقعہ ہے۔ اپنے زمانہ خلافت میں مدینہ طیبہ میں وہ رات کو چل رہے ہیں۔ اور حالات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ ایک مکان کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہاں سے کسی کے گنگنانے کی آواز آ رہی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے سننے کے لیے تو محسوس ہوا کہ ایک بوڑھی عورت ہے اور نبی علیہ السلام کی محبت میں کچھ اشعار پڑھ رہی ہے۔ سنتے رہے' سنتے رہے' جب اس نے اشعار مکمل کیے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے برداشت نہ ہوا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ بوڑھیا حیران' اس رات کے وقت میں مجھ بوڑھیا کے دروازے پر کون' پوچھا:

(مَنْ اَنْتَ)

تو کون ہے؟ جواب میں کہا:

(عمر امیر المومنین)

آپ کے دروازے پر ایک سائل بن کر آیا ہے۔ بوڑھیا نے دروازہ کھولا' کہ عمر رضی اللہ عنہ کو مجھ سے کیا کام رات کے وقت۔

عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں آپ کے پاس ایک فریاد لے کر آیا ہوں۔ تمنا لے کر آیا ہوں۔ اگر آپ چاہیں تو میری تمنا کو پورا کر سکتی ہیں۔

اس نے کہا کہ اندر تشریف لے آئیں۔ آپ اندر آئے اور اندر آ کر زمین پر بیٹھ گئے۔ بوڑھیا کہتی ہے کہ امیر المومنین! چارپائی پر بیٹھیں' فرمایا چارپائی پر نہیں بیٹھوں گا۔ پہلے میری التجا سن لے' اسے پورا کر دے۔ پھر میں اس چارپائی پر بیٹھوں گا۔

بوڑھیا نے کہا کہ التجا کیا ہے امیر المومنین؟

آپ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بوڑھی اماں! آپ نبی علیہ السلام کے عشق میں' محبت میں جو اشعار پڑھ رہی تھیں۔ یہ آپ کے اپنے لکھے ہوئے ہیں؟ بتایا کہ ہاں میں نے لکھے ہیں۔ پوچھا کہ اس کے آخری شعر میں آپ نے یہ دعائیہ کلمہ کہا:

اے اللہ! جس محبوب کی محبت میں' میں نے یہ اشعار کہے ہیں۔ مجھے قیامت کے دن جنت میں ان کے ساتھ اکٹھا کر دینا۔ بوڑھیا نے کہا کہ ہاں۔ کہنے لگے کہ فریاد یہ لے کر آیا ہوں کہ اپنے شعر میں تھوڑی سی ترمیم کر دے اور اس شعر کو یوں بنا دے کہ:

اے اللہ قیامت کے دن مجھے اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنے محبوب کے قدموں میں جگہ عطا فرما دے۔ کیا محبت تھی ان کے دلوں میں۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دل میں کیا محبت تھی۔ ایک مرتبہ انہوں نے نبی علیہ السلام کو

دعوت دی۔ نبی علیہ السلام جب ان کے گھر تشریف لے جانے لگے تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے قدموں کو دیکھ کر چلنے لگے۔ پورا راستہ قدموں پر نظر رہی۔ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑے حیران کہ زمین کی طرف ہی دیکھتے جا رہے ہیں۔

جب وہاں جا کر بیٹھے تو انہوں نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں جا کر عرض کیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا عثمان رضی اللہ عنہ پورا راستہ تم میرے پاؤں کی ہی طرف دیکھتے رہے۔ جی اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے کرتا رہا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کیوں؟

عرض کیا اے اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم آج میرے گھر میں ایسے مقام والے عزت و شرف والی ہستی مہمان آئے ہیں کہ میں نے دل میں ارادہ کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر مبارک سے لے کر میرے گھر پہنچنے تک جتنے قدم اٹھائیں گے میں گنتی کروں گا اور اتنی گنتی کے مطابق غلام اللہ کے راستے میں آزاد کر دوں گا۔ ہر قدم کے بدلے ایک غلام آزاد کروں گا' کیا محبت تھی نبی علیہ السلام سے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو' یہ دیکھ کر ہم حیران ہوتے ہیں۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم :

چناں چہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بھی محبت اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا تھا کہ انسان حیران ہوتا ہے۔ شمائل ترمذی کی روایت مبارک میں سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا کا تذکرہ کر کے کہتے ہیں کہ:

(لَا اَرٰی قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ)

کہ میں نے نبی علیہ السلام جیسی شخصیت نہ پہلے کبھی دیکھی اور نہ بعد میں دیکھی۔

یہ صحابہ کرامؓ کے دل میں نبی علیہ السلام کے ساتھ محبت تھی۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

چناں چہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑا مقام لے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو

بھی خوب نوازا۔ چناں چہ ان کے عشق رسول ﷺ کا حال یہ تھا کہ نبی علیہ السلام نے پردہ فرمالیا تو بلال رضی اللہ عنہ نے سوچا کہ میں پہلے اذان دیتا تھا اور نبی علیہ السلام کا چہرہ انور سامنے ہوتا تھا۔ اب میں اذان دوں گا اور مجھے دیدار نہ ہوگا تو میں اس کو برداشت نہ کرسکوں گا۔ لہٰذا اب ہجرت کر کے شام کے علاقے میں آ گئے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے صرف دو مرتبہ اذان دی ہے۔ پہلی اذان جب بیت المقدس فتح ہوا۔ نبی علیہ السلام کے صحابہؓ کے دل میں ایک تمنا جاگی کی کہ آج ہمیں قبلہ اول میں نماز پڑھنے کا موقع ملا۔ ہم بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سنیں گے۔ جو نبی علیہ السلام کے دور میں سنا کرتے تھے۔

چناں چہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ٹالنے کے قابل نہیں تھا۔ چناں چہ اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔ یہ ایک موقع تھا اور دوسرا موقع کیا تھا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ اس کا تذکرہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام کی خواب میں زیارت ہوئی۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا بلال! کیا سرد مہری ہے کہ اتنا عرصہ گزر گیا شام رہتے ہوئے۔ ہمیں ملنے بھی کبھی نہیں آئے؟ آنکھ کھل گئی اپنی بیوی کو جگایا' فرمایا اسی وقت میری تیاری کراؤ۔ میں ابھی مدینہ روانہ ہوتا ہوں۔

چناں چہ انہوں نے تیاری کی اور مدینہ طیبہ کا سفر شروع کر دیا۔ جب مسجد نبوی میں پہنچے تو نبی علیہ السلام کی خدمت میں مواجہ شریف حاضر ہوئے۔ سلام پڑھا' دعائیں کیں۔ نماز کا وقت ہوگیا' اب جب نماز کا وقت ہوگیا' اذان کا وقت ہوا تو صحابہ کرامؓ کے دل میں پھر یہ تمنا جاگی کہ آج ہم نبی علیہ السلام کے زمانے کی اذان پھر سنیں اور اسی منظر کی یاد پھر تازہ کرلیں۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ تیار نہیں ہو رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ میں

جب اذان دینی شروع کردوں گا اور اس مسجد میں نبی علیہ السلام کا چہرہ انور نہ دیکھ سکوں گا تو میرے لیے برداشت کرنا مشکل ہوگا۔

اتنے میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہم شہزادے تشریف لائے۔ حسنین کریمین دونوں نے آ کر عرض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ ہمیں نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی اذان سنا دیجیے۔ ان شہزادوں کی بات ایسی تھی کہ انکار کی گنجائش نہ تھی۔ لہٰذا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینی شروع کر دی۔

جیسے ہی مسجد نبوی سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ اللہ اکبر صحابہؓ کے کانوں میں وہ آواز پہنچی جو نبی علیہ السلام کے زمانے میں آتی تھی۔ نبی علیہ السلام کی یاد دل میں تازہ ہوئی۔ محبت نے جوش مارا' آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ مسجد نبوی کے قریب کے گھروں کی عورتیں' انہوں نے بھی اپنے سر پر چادریں ڈالیں اور وہ بھی اس آواز کو سن کر حیران ہوئیں اور مسجد نبوی کی طرف آئیں کہ کون اذان دے رہا ہے۔ حتی کہ مسجد کے اندر مرد رو رہے ہیں اور مسجد کے باہر عورتیں رو رہی ہیں۔ اس اذان کو سن کر نبی علیہ السلام کی جدائی کو یاد کر کے اس دوران ایک بچے نے عجیب بات کہہ دی اور مجمع کو تڑپا کر رکھ دیا۔ ماں نے اسے اٹھایا ہوا تھا۔ وہ اپنی ماں سے یہ بات کہنے لگا امی! دیکھئے! بلال رضی اللہ عنہ اتنے عرصے کے بعد واپس آ گئے' مجھے بتا نبی علیہ السلام کب واپس تشریف لائیں گے؟

صحابہ کرامؓ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

یہ عاشقین کی جماعت تھی' ان کے سینے نبی علیہ السلام کی محبت سے بھرے ہوئے تھے۔ کہتے ہیں کہ بعض صحابہ کرامؓ رات کو آتے تھے اور نبی علیہ السلام کے جہاں حجرات تھے ان حجروں کے باہر آ کر بیٹھ جاتے تھے اور ان حجروں کی طرف گھنٹوں دیکھتے رہتے تھے اور سوچتے تھے کہ یہ وہ جگہ ہے کہ جہاں میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں۔

بعض ایسے بھی صحابہ کرامؓ تھے کہ نبی علیہ السلام کی زندگی میں انہوں نے یہ قسمیں کھائیں کہ ہم جب صبح اٹھیں گے اس وقت تک آنکھ نہیں کھولیں گے جب تک نبی علیہ السلام کے چہرے کا دیدار نہیں کریں گے۔

حیران ہوتے ہیں۔ ان صحابہ کرامؓ نے اپنی قسمیں کیسے پوری کی ہونگی کہ جیسے ہی آنکھ کھولیں گے۔ سب سے پہلے نبی علیہ السلام کا دیدار کیا کریں گے۔ یہ ہر ایک کے دل میں محبت تھی۔ مردوں میں عورتوں میں' بچوں میں' بوڑھوں میں' حیران ہوتے ہیں۔

ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کی محبت رسول ﷺ

چناں چہ عورتوں کی محبت کا یہ حال تھا کہ احد کے میدان میں ایک عورت کے خاوند شہید ہوئے۔ بیٹا شہید' والد شہید' اب اس عورت کو پتہ چلا کہ نبی علیہ السلام بھی شہید کر دئے گئے۔ درمیان میں ایک آواز چل پڑی تھی۔ وہ کہنے لگی کہ میں اس بات پر یقین نہیں کروں گی جب تک کہ خود جا کر تصدیق نہیں کروں گی۔ سواری پر سوار ہوگئی احد کے میدان میں پہنچی۔

چناں چہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ ان کو ملا' ان سے پوچھا کہ محمد ﷺ کی خبر بتائیں' ان کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ ان کی تو مجھے خبر نہیں' البتہ میں نے تیرے خاوند کو فلاں جگہ پر شہید پڑا ہوا دیکھا ہے۔ اب جس عورت کو بتایا جائے کہ آپ کا خاوند شہید ہوگیا' اس عورت کے لیے تو یہ بڑی عجیب غم کی بات ہوتی ہے۔ اتنی بڑی جدائی' وہ عورت ٹس سے مس نہیں ہوتی۔

آگے بڑھتی ہے۔ ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ سے پوچھتی ہے۔ محمد ﷺ کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ میں نے فلاں جگہ دیکھا کہ آپ کا بیٹا شہید ہوا پڑا ہے۔ وہ پھر ٹس سے مس نہیں ہوتی اور آگے بڑھتی ہے۔ تیسرے سے پوچھا اس نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ آپ کے والد فلاں جگہ شہید ہوئے پڑے ہیں وہ پھر ٹس سے مس نہیں ہوتی۔

ذرا سوچنے کی بات ہے کہ اس عورت کے دل میں نبی علیہ السلام کی محبت کتنی زیادہ ہوگی' جو خاوند کی شہادت پر' بیٹے کی شہادت پر' والد کی شہادت پر حیران و پریشان نہیں ہوتی۔ بلکہ قدموں کو آگے بڑھاتی ہے۔ لگتا ہے کہ اس کی قیمتی متاع کوئی اور ہے۔

ایک اور صحابی رضی اللہ عنہ سے پوچھتی ہے کہ نبی علیہ السلام کے بارے میں بتائیں؟ انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فلاں جگہ تشریف فرما ہیں۔ وہ عورت وہاں پہنچی' نبی علیہ السلام کو دیکھا' سواری سے نیچے اتری اور آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کا ایک کونہ پکڑ کر کہتی ہے۔

(كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَ مُحَمَّدٍ جَذْوَا)

کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کے بعد میرے لیے سب مصیبتیں برداشت کرنا آسان ہو گیا۔ یہ محبت تھی ان کے دلوں میں۔

بچوں کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

بچوں کے دلوں میں محبت تھی۔

چناں چہ بدر کے میدان میں معاذ رضی اللہ عنہ اور معوذ رضی اللہ عنہ دو بھائی تھے' چھوٹے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے ساتھ کھڑے تھے۔ میں نے ان کو دیکھا تو سوچا کہ ادھر کوئی اور نوجوان ہوتے تو میرا ساتھ دیتے۔ ہم مل کر لڑتے' یہ تو چھوٹے بچے ہیں۔

چناں چہ انہوں نے دیکھا کہ ہماری طرف دیکھا جا رہا ہے تو کہنے لگے چچا! آپ بتائیں کہ ابوجہل کہاں ہے؟ میں نے ان کے چہروں کو دیکھا۔ چھوٹے سے بچے' چھوٹا سا قد ان کا اور میں نے سنا کہ وہ ابوجہل کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ جو کافروں کا سرغنہ تھا۔

میں نے پوچھا کیوں پوچھ رہے ہو؟ کہنے لگے کہ ہم نے سنا ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کی شان میں گستاخانہ الفاظ استعمال کرتا ہے۔ ہم عہد لے کر کھڑے ہیں کہ یا ہم گھر واپس

نہیں جائیں گے یا وہ اللہ کا دشمن گھر واپس نہیں جائے گا۔

بچوں کے دل میں نبی علیہ السلام کے ساتھ ایسی محبت تھی۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی محبت رسول ﷺ:

چھوٹی چھوٹی بچیوں کے دل میں حضور ﷺ سے محبت تھی۔

چناں چہ کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت اسماء نبی علیہ السلام کا کھانا لے کر غار ثور میں پہنچی تو نبی علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے چہرے پر کچھ اداسی ہے۔ مرجھایا چہرہ' ماتھے کے اوپر زخم بھی ہے۔

پوچھا اسماء کیا ہوا؟ عرض کیا کہ اللہ کے پیارے حبیب ﷺ کل جب آپ ﷺ کو کھانا دے کر میں واپس جانے لگی تو مکہ مکرمہ پہنچ کر ابوجہل مجھے مل گئے۔ اس نے مجھے پکڑ لیا۔

کہنے لگا کہ اسماء بتا تیرا باپ کہاں ہے؟ وہ وہیں ہوگا جہاں تیرے پیغمبر ﷺ ہیں۔ کیا تمہیں پتہ ہے کہ تمہارے نبی ﷺ کہاں ہیں؟ اے اللہ کے نبی ﷺ میں نے سچ بولا۔ میں نے کہا ہاں مجھے پتہ ہے۔ اس نے کہا کہ بتاؤ کہاں ہیں؟ میں نے کہا نہیں بتاؤں گی۔ اس نے بڑا دھمکایا۔ اسماء تجھے ماروں گا۔ میں نے کہا کہ مجھے پرواہ نہیں۔ اے اللہ کے نبی ﷺ اس نے اچانک جو زور سے تھپڑ لگایا میں نیچے گری' ماتھا چٹان میں جا کر لگا خون نکل آیا۔ میری آنکھوں سے آنسو نکلے' اس نے بالوں سے پکڑ کر پھر کھڑا کر دیا۔ اسماء تجھے جان سے ماردوں گا۔ بتا تمہارے پیغمبر علیہ السلام کہاں ہیں؟ اے اللہ کے نبی ﷺ میں نے ابوجہل کو کہا کہ ابوجہل! میری جان تو تیرے حوالے' میں محمد ﷺ کو تیرے حوالے نہیں کروں گی۔

یہ محبت بچوں کے اندر موجود تھی۔ اللہ تعالیٰ نبی علیہ السلام کی یہ محبت ہمیں بھی عطا فرما دیں۔

عجب چیز ہے عشق شان مدینہ
یہی تو ہے عشق حقیقی کا جینا

ہے معمور اس عشق سے جس کا سینہ
اسی کا ہے مرنا اسی کا ہے جینا

یہ محبت اگر ہمیں نصیب ہوجائے تو ہمیں زندگی گزارنے کا لطف آجائے' مزا آجائے اس لیے کہنے والے نے کہا:

بحر عشق مصطفیٰ (ﷺ) سامان اوست
بحرو بر درگوشہ دامان اوست

اکابرین دیوبند میں محبت رسول ﷺ کا انداز:

چناں چہ میں اپنی بات کو مکمل کرنا چاہ رہا ہوں۔ نبی علیہ السلام کی محبت ہمارے اکابرین کے دلوں میں بہت زیادہ تھی۔

حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ: آپ کے دل میں آپ ﷺ کی اتنی محبت تھی آپ کا سراپا بالکل سنت کے مطابق تھا۔ ایک ایک عمل سنت کے مطابق ہوتا تھا۔ ہر چھوٹے بڑے عمل میں سنت کا خیال فرماتے تھے اور سنت کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔

چناں چہ تجلیات کتاب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ نبی علیہ السلام کی خدمت میں آپ ﷺ کے روضہ اقدس پر حاضر ہوئے۔ آپ نے سلام پڑھا۔ قریب جو علماء تھے انہوں نے سنا کہ نبی علیہ السلام نے آپ کے سلام کا جواب عطا فرمایا۔

کیا محبت ہوگی کہ عشق ہوگا ان کے دل میں؟ کہ جو سلام پڑھتے تھے اور وہاں سے ان کے لیے جواب آیا کرتے تھے اور اس نسبت کا اثر ہم نے اپنی زندگی میں خود تو نہیں دیکھا کہ حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ پہلے وفات پاگئے لیکن ہم نے اس نسبت کا پچھلے دنوں خود اثر دیکھا۔

محترمہ اماں جی صاحبہ اپنے آخری وقت میں جب بیمار تھیں تو ہسپتال میں تھیں۔ اللہ کی شان کہ ان کی وفات سے دو دن پہلے ان کے سانس سے ایسا ذکر شروع ہوا۔ حالاں کہ

وہ قومہ میں تھیں اور ڈاکٹر کہتے تھے کہ یہ آخری اسٹیج کا قومہ ہے۔

آنکھ نہیں ہلا سکتی تھیں۔ ہاتھ نہیں ہلتا تھا۔ کوئی جسم کا عضو حرکت نہیں کرتا تھا۔ ایسی کیفیت ہوگئی تھی۔ لیکن اس کیفیت میں ان کی جو سانس تھی' اس سے اللہ اللہ کا ذکر ایسا شروع ہوا کہ سننے والی عورتیں' دیکھنے والے ان کے بچے حیران ہوتے تھے۔

یہاں تک ہم نے دیکھا کہ جو لیڈی ڈاکٹر ان کو Attend کر رہی تھی۔ وہ اس کیفیت کو دیکھ کر ایسی عقیدت مند بن گئی کہ پاس آ کر بیٹھی اور والدہ صاحبہ کا ہاتھ سر پر رکھ کر اپنی مغفرت کی دعا کرتی تھی۔

یہ نسبتیں عجیب ہیں۔ یہ کرامت ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ کیا نسبتیں ہیں۔

ہمارے اکابر کو اللہ رب العزت نے عشق رسول ﷺ کی انتہا عطا کی ہوئی تھی۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے دل میں محبت نبوی ﷺ کی یہ نعمت ان کے سینوں کے اندر موجود ہے۔ کہنے والے نے کہا:

ساڈے ول سوہنیاں نگاہاں کدوں ہونیاں
دسو منظور ایہہ دعاواں کدوں ہونیاں
عشق دے بیماراں نوں دارو کوئی نہیں چاہی دا
ایندا علاج ہے فقط تیریاں نگاواں ہونیاں

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

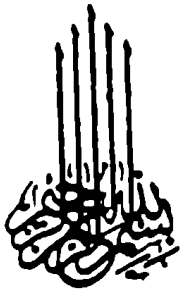

پاجا سراغ زندگی

عشاق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مجددی نقشبندی مدظلہ

عشاق رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (سورۃ آل عمران:۳۱)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

تمہید:

گزشتہ کل مسجد نبوی میں مواجہ شریف کے پاس کچھ باتیں ہوگئی تھیں۔ ہر امتی کو نبی علیہ السلام کے ساتھ ایک محبت کا تعلق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ایمان ہے:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ))

''تم میں کوئی شخص اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا۔ جب کہ میں اس کو اس کے بچوں سے، والدین سے اور ساری دنیا سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں''

لہٰذا نبی علیہ السلام کی محبت باقی تمام محبتوں سے بلند ہے اور اس سے اوپر اللہ رب العزت کی محبت ہے۔ جب محبت کا تعلق ہوتا ہے تو انسان کی ملاقات کا جی چاہتا ہے۔

صحابہؓ کی حضور ﷺ سے محبت:

صحابہ کرامؓ اپنے گھروں میں بیٹھے ہوتے تھے۔ نبی علیہ السلام کا خیال آتا تھا۔ فوراً آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آپ ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوتے تھے۔

کتابوں میں لکھا ہے کہ کئی مرتبہ اگر رات کو خیال آتا تو اٹھ کر آ جاتے اور حجروں کے باہر آ کر گھنٹوں حجروں کو دیکھتے رہتے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں میرے محبوب ﷺ آرام فرما رہے ہیں۔

صحابی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا:

ایک صحابی نے یہ بھی پوچھ لیا کہ اللہ رب العزت کے محبوب ﷺ جہاں جب جی چاہتا ہے حاضر ہو جاتے ہیں۔ جنت میں تو آپ ﷺ بلند درجے پر ہوں گے اور ہم تو وہاں نہیں جا سکیں گے تو آپ ﷺ کے بغیر ہمیں جنت میں کیا مزا آئے گا؟

نبی علیہ السلام یہ بات سن کر بڑے حیران ہوئے۔ اتنے میں جبرائیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے آ کر بتلایا کہ:

((اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ))

بندہ اس کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس کو محبت ہوگی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اس حدیث پاک کو سن کر ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ اتنی خوشی کہ ہمیں کسی اور بات سے نہیں ہوئی۔

بڑے عاشق:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ عشق و محبت میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ویسے بلند مقام تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا اور

ان کی عشق ومحبت کی باتیں ہی کچھ اور ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام کے ساتھ خوب محبت تھی۔ حتی کہ جب نبی علیہ السلام نے پردہ فرمایا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ میں پہلے یہاں اذان دیتا تھا، اور:

﴿اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾

جب پڑھتا تو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بھی کیا کرتا تھا۔ اب جب پڑھوں گا تو دیدار نہیں کرسکوں گا تو یہ جدائی مجھ سے برداشت نہیں ہوسکے گی۔

شام کی فتح اور اذان بلالی:

چناں چہ انہوں نے ملک شام کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ کرلیا اور بقیہ زندگی وہاں گزاری۔ اس کے بعد انہوں نے دو مرتبہ زندگی میں اذان دی ہے۔ پہلی اذان جب بیت المقدس فتح ہوا۔ نبی علیہ السلام کے صحابہ کرامؓ کے دل میں ایک تمنا جاگی کی کہ آج ہمیں قبلہ اول میں نماز پڑھنے کا موقع ملا۔ ہم بلال رضی اللہ عنہ کی اذان سنیں گے۔ جو نبی علیہ السلام کے دور میں سنا کرتے تھے۔

چناں چہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم ٹالنے کے قابل نہیں تھا۔ چناں چہ اس وقت حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی۔

مدینہ میں اذان اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اشک بار:

دوسری اذان کا واقعہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو نبی علیہ السلام کی خواب میں زیارت ہوئی۔ نبی علیہ السلام نے

فرمایا: بلال! کیا سرد مہری ہے کہ اتنا عرصہ گزر گیا شام رہتے ہوئے۔ ہمیں ملنے بھی کبھی نہیں آئے؟ آنکھ کھل گئی اپنی بیوی کو جگایا' فرمایا: اسی وقت میری تیاری کراؤ۔ میں ابھی مدینہ روانہ ہوتا ہوں۔

چناں چہ انہوں نے تیاری کی اور مدینہ طیبہ کا سفر شروع کر دیا۔ جب مسجد نبوی میں پہنچے تو نبی علیہ السلام کی خدمت میں مواجہ شریف حاضر ہوئے۔ سلام پڑھا' دعائیں کیں۔ نماز کا وقت ہو گیا' اب جب نماز کا وقت ہو گیا' اذان کا وقت ہوا تو صحابہ کرامؓ کے دل میں پھر یہ تمنا جاگی کہ آج ہم نبی علیہ السلام کے زمانے کی اذان پھر سنیں اور اسی منظر کی یاد پھر تازہ کر لیں۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ تیار نہیں ہو رہے تھے۔ کہہ رہے تھے کہ میں جب اذان دینی شروع کر دوں گا اور اس مسجد میں نبی علیہ السلام کا چہرہ انور نہ دیکھ سکوں گا تو میرے لیے برداشت کرنا مشکل ہو گا۔

اتنے میں حضرات حسنین رضی اللہ عنہما شہزادے تشریف لائے۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما دونوں نے آ کر عرض کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ ہمیں نانا جان صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی اذان سنا دیجیے۔ ان شہزادوں کی بات ایسی تھی کہ انکار کی گنجائش نہ تھی۔ لہٰذا حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دینی شروع کر دی۔

جیسے ہی مسجد نبوی سے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ اللہ اکبر صحابہؓ کے کانوں میں وہ آواز پہنچی جو نبی علیہ السلام کے زمانے میں آتی تھی۔ نبی علیہ السلام کی یاد دل میں تازہ ہوئی۔ محبت نے جوش مارا' آنکھوں میں آنسو جاری ہو گئے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ مسجد نبوی کے قریب کے گھروں کی عورتیں' انہوں نے بھی اپنے سر پر چادریں ڈالیں اور وہ بھی اس آواز کو سن کر حیران ہوئیں اور مسجد نبوی کی طرف آئیں کہ کون اذان دے رہا ہے۔ حتیٰ کہ مسجد کے اندر مرد رو رہے ہیں اور مسجد کے باہر عورتیں رو رہی ہیں۔ اس اذان کو سن کر نبی علیہ السلام کی جدائی کو یاد کر کے اس دوران ایک بچے نے عجیب بات کہہ دی اور مجمع کو تڑپا

کر رکھ دیا۔ ماں نے اسے اٹھایا ہوا تھا۔ وہ اپنی ماں سے یہ بات کہنے لگا امی! دیکھئے! بلال رضی اللہ عنہ اتنے عرصے کے بعد واپس آ گئے' مجھے بتا نبی علیہ السلام کب واپس آئیں گے؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:

صحابہ کرامؓ سارے کے سارے نبی علیہ السلام کے عاشق صادق تھے۔ تاہم ایک مرتبہ نبی علیہ السلام دعائیں مانگ رہے تھے کہ اے میرے اللہ! مجھے جلدی سے احباء سے ملا دے۔ جو مجھ سے محبت کرنے والے ہیں' ان سے مجھے جلدی ملا دینا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو بڑے حیران ہوئے۔ دعا کے بعد قریب آئے اور آ کر عرض کی آقا صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں۔ بے دام ہیں اور ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس لیے دعا مانگ رہے تھے کہ اے اللہ! مجھے میرے چاہنے والوں سے جلدی ملا دے۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا: ثوبان! تم میرے صحابی رضی اللہ عنہ ہو۔ تو نے میرا دیدار کیا۔ جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا' وحی کو اترتے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد کو اترتے ہوئے آنکھوں سے دیکھا' تم نے کتنی نشانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ تمہارے دل میں یہ محبت ہے اور وہ بڑی قابل قدر ہے۔

لیکن ثوبان جب میں دنیا سے پردہ کر جاؤں گا تو میرے بعد کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے کہ جنہوں نے میری زیارت نہیں کی ہوگی۔ فقط وہ اپنے علماء سے میرا تذکرہ سنیں گے اور میرا تذکرہ سن کر ان کو مجھ سے اتنی محبت ہوگی کہ اگر ممکن ہوتا کہ اپنی اولادوں کو بیچ کر میری زیارت کر سکتے تو ثوبان وہ یہ کام بھی کر گزرتے۔

میں اپنے ان عاشقین کے لیے دعا کر رہا ہوں کہ اللہ مجھے اپنے ان محبت کرنے والوں کے ساتھ جلدی ملا دینا۔

چناں چہ اس وقت کتنے لوگ ایسے گزرے کہ جن کے قلوب نبی علیہ السلام کی محبت

سے بھرے ہوئے تھے۔اس لیے کسی نے کہا: ؎

عجب چیز ہے عشق شاہ مدینہ
یہی تو ہے عشق حقیقی کا جینا
ہے معمور اس عشق سے جن کا سینہ
اسی کا ہے مرنا اسی کا ہے جینا

چناں چہ اس امت کے کتنے حضرات ایسے تھے کہ جو اس محبت کے ساتھ اپنے دیس میں تڑپتے تھے اور ان کی تمنا ہوتی تھی کاش! کبھی ہم اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے حاضر ہو سکیں۔

خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

چناں چہ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سرائیکی زبان میں بڑے عجیب الفاظ لکھے، فرماتے ہیں: ؎

ایتھے میں مٹھڑی ایتھے جان بلب
اوتھے خوش وسداں وچ ملک عرب
ایتھے دکھڑے دوہڑے کھاندیاں
تیڈے نام توں مفت وی تاندریاں
تیری باندریاں دی میں باندری آں
تیرے دردیاں سجیاں نال ادب
تتی بن جوگن چودار پھراں
اے سندھ پنجاب تے مار پھراں
گلی کوچاں شہر بازار پھراں
متاں یار ملے کئی سانگ سبب

پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب انہوں نے ارادہ کیا کہ میں حرمین کی زیارت کے لیے جاؤں تو ایک رات خواب میں نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ دل بڑا اداس تھا۔ انہوں نے بھی اشعار کہے:

اج سک متراں دی ودھیری اے
کیوں دل اداس کندیری اے
لوں لوں وچ شوق چینکیری اے
اج نیناں نے لایاں کیوں لڑیاں
سبحان اللہ ماجملك ماكملك ماحسنك
کتھے مہر علی کتھے تیری ثناء
گستاخ اکھیاں کتھے جالڑیاں

نبی علیہ السلام کی محبت میں یہ عشاق اتباع سنت والی زندگی بسر کرتے تھے۔ اور جب کبھی انہیں مدینہ طیبہ حاضر ہونے کی توفیق ہوتی تو محبت کے ساتھ یہ سفر کرتے تھے۔

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم دیوبند تھے۔ وہ مدینہ طیبہ جب پہلی مرتبہ حاضر ہوئے تو ''بیر علی'' جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کنویں ہیں' مقام احد سے بھی آگے ہے۔ وہاں پہنچ کر جوتے اتار دیئے اور ننگے پاؤں چلنا شروع کر دیا۔ کسی نے کہا کہ حضرت! آپ بہت نازک بدن ہیں' پتھریلی زمین ہے۔ ایسے نہ ہو کہ پاؤں زخمی ہو جائیں پھر وضو کا مسئلہ بنے گا۔

فرمانے لگے کہ جس دیس کو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم لگنے کا شرف حاصل ہوا' قاسم کو کہاں زیب دیتا ہے کہ اس جگہ پر جوتوں کے ساتھ چلتا پھرے۔

کیا محبت تھی' کیا نبی علیہ السلام کے ساتھ تعلق تھا۔

چناں چہ مدینہ طیبہ حاضر ہو کر انہوں نے نبی علیہ السلام کی شان میں ایک قصیدہ لکھا' عجیب بات لکھی فرماتے ہیں:۔

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگان مدینہ میں نام میرا شمار

دل میں بڑی امیدیں ہیں بخشش ہونے کی' مگر سب سے بڑی امید یہ ہے کہ مدینہ کے کتوں میں میرا نام بھی شامل کر لیا جائے۔ ؎

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگان مدینہ میں نام میرا شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مور و مار

ایسے تڑپ کر وہ یہاں وقت گزارتے تھے اور پھر اللہ رب العزت ان حضرات کو دامن بھر کر واپس لوٹاتے تھے۔

چناں چہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سواجہ شریف پر حاضر ہوئے۔ جب وہاں سے باہر نکلے' دیکھا دیکھنے والوں نے کہ چہرے پر بڑے انوارات ہیں۔ حیران ہو کر انہوں پوچھا کہ حضرت! آج تو چہرے پر بڑی برکتوں اور رحمتوں کا ہجوم نظر آتا ہے۔ حضرت نے آگے سے شعر پڑھ دیا۔ فرمایا: ؎

میرے آقا کا مجھ پر تو اتنا کرم تھا
بھر دیا دامن پھیلانے سے پہلے
یہ اتنے کرم کا عجب سلسلہ ہے
نشہ رنگ لایا پلانے سے پہلے

چناں چہ جو بندہ بھی اس جگہ پر محبت کے ساتھ' اپنے دل کو غیر سے خالی کر کے وقت گزارتا ہے۔ دنیا کی خواہشات سے فارغ ہو کر نبی علیہ السلام کی محبت میں ڈوب کر وقت گزارتا ہے تو اللہ رب العزت کی اس پر خاص رحمتیں ہوتی ہیں۔

امام رفاعی رحمۃ اللہ علیہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

چناں چہ ان عشاق میں سے ایک تھے امام رفاعی رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں آتا ہے کہ جب وہ مواجہ شریف پر حاضر ہوئے تو ایک عجیب واقعہ خلاف معمول ظاہر ہوا۔ بہت ساری کتابوں میں نقل کیا گیا اور اس کے گواہ شواہد موجود ہیں کہ قریب آ کر انہوں نے یہ اشعار پڑھے' نبی علیہ السلام کے سامنے' یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری کی حالت میں' میں اپنی روح کو یہاں بھیجتا تھا۔ جو میری نائب بن کر آتی تھی اور اس زمین کے بوسے لے کر نکل جاتی تھی۔

اور اے آقا صلی اللہ علیہ وسلم! اب مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی سعادت حاصل ہے۔ ذرا اپنے ہاتھوں کو قریب کر دیجیے تا کہ بوسہ لینے کی سعادت میرے ہونٹ پا سکیں۔

انہوں نے یہ اشعار پڑھے تو روضہ انور سے ایک ہاتھ ظاہر ہوا۔ انہوں نے بوسہ لیا۔ لوگوں نے واقعہ کو دیکھا' لیکن اس کے بعد انہوں نے اپنے آپ سے عجب کو دور کرنے کے لیے یہ کام کیا کہ آگے بڑھے اور مسجد نبوی کا جو دروازہ تھا' اس کے اوپر جا کر لیٹ گئے اور لوگوں سے کہا کہ تم میرے اوپر سے گزر کر جاؤ' جو اپنے کو اس طرح مٹاتے ہیں' پھر محبوب کس طرح اپنے سینے سے لگاتے ہیں۔

آج ہمارے دلوں کے اندر عجب ہے' تکبر ہے' کینہ ہے' حسد ہے' کیا باطنی بیماریاں ہیں کہ جو اندر بھری ہیں اور پھر ہم دل میں امیدیں رکھتے ہیں کہ ہمارے ساتھ بھی وہی معاملہ پیش آئے کہ جو ان عشاق کے ساتھ پیش آیا۔

علم حدیث والے نوازے گئے:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے مولجہ شریف پر حاضری کے وقت دیکھا کہ نبی علیہ السلام کی قبر مبارک سے ایک روشنی ہے، جس کی شعاعیں نکلتی ہیں، اور حاضرین کی طرف آتی ہیں۔ بالخصوص وہ لوگ جو حدیث پاک کے علم میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ دھاگے کی طرح اس نور کی کرنیں ان کے دلوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہیں۔

سلام کا جواب آتا:

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ ہمارے دادا حضرت خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے ستائیس بار اس جگہ حاضری کی توفیق عطا فرمائی۔

ان کے بارے میں آتا ہے کہ جب بھی تشریف لاتے تو سلام کرتے، تو ان کو سلام کا جواب آتا اور پھر کہا جاتا کہ دوبارہ آنا۔ جب آخری مرتبہ تشریف لائے تو سلام کا جواب آیا۔ یہ پیغام نہ آیا کہ دوبارہ آنا۔

چناں چہ حضرت کو محسوس ہوگیا کہ میں زندگی کی آخری حاضری دے کر واپس جارہا ہوں۔

جنہوں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ سچی محبت کا تعلق جوڑا ہوتا ہے۔ پھر جب وہ یہاں تشریف لاتے ہیں تو اللہ کی ان پر عنائتیں ہوتی ہیں۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فارسی میں بہت محبت بھرے اشعار لکھے اور وہ چاہتے تھے کہ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آئیں، مگر راستے میں جب ایک جگہ پڑاؤ ڈالا تو آگے ایک جگہ حاکم وقت نے ایک چیک پوسٹ بنائی ہوتی تھی۔

وہاں اس کو خواب میں نبی علیہ السلام کا دیدار ہوا اور فرمایا کہ اس طرح کا ایک آدمی ہے۔ اسے روک لینا' میرے پاس نہ آنے دینا۔ چناں چہ اس نے صبح آپ کو منع کر دیا۔

آپ ایک دن ادھر رکے پھر آنے کی کوشش کی' پھر اسی طرح کا معاملہ پیش آیا۔ اب کی مرتبہ اس نے سختی کی اور سختی سے روکا تو ان کو خواب میں نبی علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ فرمایا: کہ دیکھو یہ میرے بہت مقرب ہیں ان کے ساتھ بے ادبی کا معاملہ نہ کرو' میں اس لیے منع کر رہا ہوں کہ اس نے ایسے محبت بھرے اشعار لکھے ہیں کہ اگر آ کر میرے پاس پڑھ دیئے تو محبت کا تقاضہ ہے کہ اسے باہر نکل کر سینے سے لگایا جائے' اس لیے میں نے روکا ہے۔

محبت والے تو پھر محبت میں ڈوب کر جب بات کرتے ہیں تو پھر اس کی تو حالت بھی کچھ اور ہوتی ہے۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ جب ہم وہاں سلام کے لیے حاضر ہوں تو دل کو اس محبت کے ساتھ بھر کر لے جائیں۔ نبی علیہ السلام کے امت پر جو احسانات ہیں' ان کو یاد کریں' غور کریں۔

جتنا احسانات کو یاد کریں گے' اتنی ہی محبت زیادہ ہوگی۔ قیامت کے دن آپ ﷺ کی شفاعت کا خیال دل میں رکھیں۔ آپ ﷺ کے بلندی درجات کو سامنے رکھیں۔

حضور ﷺ تو تقسیم کرنے والے ہیں:

نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((اِنَّمَا اَنَا قَاسِم وَ اللّٰہُ یُعْطِیْ))

کہ اللہ تعالیٰ عطا کرنے والا ہے اور میں اس کو آگے تقسیم کرنے والا ہوں۔ یعنی علم نعمت' معرفت کی نعت' آقا سے آگے تقسیم ہوتی ہے امت کے قلوب میں۔

ہم اگر دل کے برتنوں کو ٹھیک کر کے وہاں جائیں گے تو یقیناً ہمیں بھی خیر ملے گی

اور دل میں بھی وہ نعمت آ جائے گی۔ اس لیے تو کسی نے کہا تھا:۔

مدینہ کا ارادہ ہو تو عشق نبوی ﷺ پیدا کر
تعلق ہو نہ جن سے ان کے گھر جانا نہیں اچھا

جب دل میں وہ محبت نہ ہو تو پھر یہاں آ کر بندے کو وہ احساس نہیں ہوتا وہ آگے جا کر حاضر بھی ہو تو اس کے دل کے اندر وہ تڑپ نہیں ہوتی۔ کوئی اس کو فرق محسوس نہیں ہوتا۔ یہ دل کی موت کی ایک علامت ہوا کرتی ہے بہر حال:۔

طیبہ کے جانے والے تجھے دیتا ہوں دعائیں
در مصطفےٰ ﷺ پر جا کے تو جہاں کو بھول جائے

اللہ کرے کہ ہم نبی علیہ السلام کے سامنے جب حاضر ہوں تو ہم باقی دنیا کو بھول چکے ہوں۔

ادب ملحوظ خاطر رکھیں:

ایک دو باتیں ذرا ذہن میں رکھیں کہ مدینہ طیبہ کے آداب کا خیال رکھیں' یہاں کی کسی چیز کو بھی برا نہ کہیں' اس لیے کہ اگر کوئی بھنگی کسی کے گھر میں جھاڑو دینے پر معمور ہو اور وہ بھنگی اس گھر کی چیزوں پر تنقید کرنا شروع کر دے کہ یہ اچھا نہیں' یہ اچھا نہیں تو گھر کے مالک کو کتنا غصہ آتا ہے' اس بھنگی کو اسی وقت گھر میں داخلے سے روک دیا جاتا ہے۔

یوں ہی سمجھیں کہ ہم تو بھنگی سے بھی گئے گزرے ہیں اور اللہ رب العزت نے اپنی رحمت سے یہاں آنے کی توفیق دے دی۔ ہماری کیا مجال کہ ہم یہاں کسی چیز پر تنقید کریں اور اس کو برا کہیں۔

بے ادبی پر پکڑ:

چناں چہ ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ سنایا۔ فرماتے تھے کہ ایک آدمی حج پر آیا' ناشتہ لینے کے لیے ہوٹل پر گیا اور کچھ چیزیں لیں اور دکان دار نے کہا کہ دہی لینی ہے تو

لے لو اس نے آگے سے کہہ دیا کہ مدینہ کی دہی کھٹی ہوتی ہے۔ بس اتنے الفاظ اس نے کہے

رات کو جب سویا تو خواب میں نبی علیہ السلام کا دیدار ہوا۔ آقا ﷺ بڑے غصے میں تھے۔ ارشاد فرمایا: کہ تم کہتے ہو کہ مدینہ کی دہی کھٹی ہوتی ہے' چلو مدینے سے باہر نکل جاؤ۔

اب وہ اٹھا تو بڑا پریشان' میں کروں تو کیا کروں' بہت رویا' بہت معافیاں مانگیں' کسی صاحب دل کی خدمت میں حاضر ہوا' انہوں نے کہا کہ اچھا ایک کام کرو کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کے بہت محبوب چچا تھے' ان کی طرف جاؤ ایصال ثواب کرو اور جا کر دعائیں مانگو' تا کہ اللہ تعالیٰ معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ کے محبوب بھی معاف کر دیں۔

اس نے ایسے ہی کیا' تو اگلی رات اس کو خواب میں سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی زیارت ہوئی۔ سیدنا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ چوں کہ تجھے نبی علیہ السلام نے وضاحتاً صراحتاً صاف لفظوں میں چلے جانے کا حکم دیا ہے۔ اس لیے اگر تم اپنے ایمان کی سلامتی چاہتے ہو تو چلے جاؤ' ورنہ تمہارا ایمان سلب ہو جانے کا خطرہ ہے۔

اندازہ کیجیے کہ ہم یہاں رہ کر اپنی زبان کو بند رکھیں' یہاں کے لوگوں کے بارے میں باتیں' یہاں کے ماحول کے بارے میں باتیں' ادھر بھی باتیں' ادھر بھی باتیں' قطعاً کسی چیز کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کریں کہ جو ادب کے خلاف ہو۔

کیا یہ ان لوگوں کی سعادت کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے محبوب ﷺ کی جگہ پر رہنے کے لیے پسند کر لیا ہے۔ ہمیں تو سب سے محبت رکھنی چاہیے۔ اگر کوئی چیز الٹی سیدھی دیکھ بھی لیں تو ایسے سمجھیں کہ ہم نے دیکھی ہی نہیں ہے۔ ادب کا بہت خیال رکھنا۔ بے ادبی تھوڑی سی بھی انسان کر لے تو نقصان بہت زیادہ ہو جاتا ہے۔

ایک اور بات ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مدینہ طیبہ میں اگر کھانے کی دعوت دے تو شرعی عذر نہ ہو تو دعوت کو ہمیشہ قبول کر لینا چاہیے۔

اس لیے کہ ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ مدینہ طیبہ میں دی ہوئی دعوت کو قبول کرو اور یہ سوچو کہ یہ نبی علیہ السلام کی طرف سے دعوت ملی ہے۔

چوں کہ کھانا تو نوکر ہی لگاتے ہیں تو یہاں بھی کھانا لانے والا نوکر ہی ہے۔ مگر سبب جو بھیجنے کا ہے وہ ممکن ہے کہ میزبان ہوں۔ یہاں پر آنے والوں کی میزبانی فرماتے ہیں۔

وقت قیمتی بنائیں:

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم جو تھوڑا سا وقت رہ گیا اس کو قیمتی بنالیں جو گھڑیاں باقی ہیں' ان گھڑیوں کو ہم نہایت محبت کے ساتھ اخلاص کے ساتھ نبی علیہ السلام کی مسجد میں جا کر نمازیں پڑھنے میں' تلاوت کرنے میں اور اللہ کو منانے میں' اللہ تعالیٰ سے اللہ کے محبوب ﷺ کی محبت مانگنے میں صرف کریں۔

ہم سائل ہیں اور ایک بڑے در پر آئے ہیں۔ کوشش کریں کہ یہاں سے خالی ہاتھ واپس نہ جائیں۔

فرمان رسالت ﷺ پر غور کرو:

ایک حدیث پاک ذرا توجہ کے ساتھ سنیں کہ ایک صاحب آئے اور انہوں نے کلمہ پڑھا۔ نبی علیہ السلام نے انہیں فرمایا: کہ تم یہیں رہو۔ مگر وہ یہاں سے چلے گئے۔

نبی علیہ السلام نے ان کے عمل کو دیکھ کر فرمایا: کہ مدینہ طیبہ ایک مٹی کی مانند ہے تو میل کچیل اور کھوٹ کو الگ کر دیتی ہے۔

اسکو ہمارے بزرگ پڑھ کر روتے تھے اور کہتے تھے کہ جن کو اللہ نے یہاں حاضری کی توفیق عطا فرمائی' اب ایک بٹھی کے اندر آ گئے اب کھرے اور کھوٹے کا پتہ چل جائے گا۔

اگر دل کے اندر گند بھرا ہوا ہے تو یہاں سے واپس جائیں تو گند ساتھ لے جائیں گے اور اگر اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں بھری ہے تو یہاں سے مقبول ہو کر واپس جائیں گے۔

چناں چہ اس حدیث سے بہت ڈر لگتا ہے کہ ہمیں اللہ نے اپنی رحمت سے یہاں آنے کی توفیق عطا فرمائی کہ اللہ اس مٹی میں ہم پیتل نہ نکل آئیں۔ اللہ ہمیں سونا بنا دینا' اللہ ہم کھوٹے ہیں' ہمارے اندر کھوٹ ہے' اس کھوٹ کو دور کر دینا اور اے اللہ ہمیں سونا بنا کر یہاں سے واپس لوٹانا' ایسا نہ ہو کہ ہم یہاں سے مردود بن کر واپس جائیں' ہم تو نبی علیہ السلام کی بارگاہ میں مقبول ہونے کے متمنی ہیں۔

لہٰذا خوب دل سے دعائیں مانگیں اور یوں سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ نے آج زندگی میں یہ نورانی وقت عطا فرما دیا۔ آج مانگنا ہے' اللہ سے مانگ لیجیے اور محبت کے ساتھ یہاں سے اللہ کی محبت لے کر' نبی علیہ السلام کی محبت لے کر' رسولوں کی محبت لے کر' دین کی محبت لے کر واپس جائیں۔

مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ طیبہ سے واپس جانے لگے تو گنبد خضریٰ پر آخری نظر ڈالی اور آخری نظر ڈال کر یہ شعر پڑھا: ؎

ہزاروں بار تجھ پر اے مدینہ میں فدا ہوتا
جو بس چلتا تو مر کر بھی نہ تجھ سے میں جدا ہوتا

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی سچی محبت کے ساتھ واپس لوٹائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

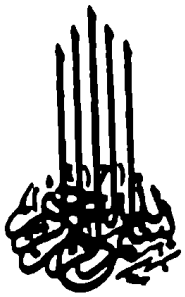

پاجا سراغ زندگی

تصوف کا مقصد

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

تصوف کا مقصد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ و کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی' اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ○

(سورۃ العنکبوت:۶۹)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

انسان دو چیزوں کا مجموعہ ہے:

انسان دو چیزوں کا نام ہے۔ ایک جسم اور دوسرا اس کی روح۔ یہ جسم نقلی انسان ہے اور روح اصلی انسان ہے۔ جسم کی مثال مکان کی مانند ہے' روح کی مثال مکین کی مانند ہے۔ جسم کی مثال مرکب کی مانند ہے۔ اور روح کی مثال اس کے راکب کی مانند ہے۔ دونوں کے تقاضے الگ الگ ہیں۔

انسانی جسم مٹی سے بنا۔ لہٰذا اس کی غذا کو بھی اللہ رب العزت نے مٹی میں رکھ دیا۔ جسم کی جتنی بھی ضروریات ہیں۔ وہ مٹی سے پوری ہوتی ہیں۔ پانی زمین سے نکلتا ہے۔ گندم کی فصل زمین سے نکلتی ہے۔ چاول زمین سے' سبزیاں زمین سے' پھل زمین سے' انسان کے پہننے کے کپڑوں کی فصلیں زمین سے' جو مکانات بنتے ہیں ان پر لگنے والے

ماربل' اینٹیں' لوہا ہر چیز زمین سے نکلتی ہیں۔

چوں کہ بنیاد مٹی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جسم کی ضروریات کو مٹی میں رکھ دیا۔

﴿وَبَارَكَ فِيهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ﴾

چاردنوں میں اللہ تعالیٰ نے زمین میں انسان کے لیے برکت رکھ دی۔ روزی رکھ دی۔ ضروریات کی چیزیں رکھ دیں۔

ایک انسان کی روح ہے۔ اس روح کے تقاضے اور ہیں یہ اوپر سے آئی ہوئی چیز ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ (سورۃ اسراء: آیت ۸۵)

اے میرے پیارے حبیب ﷺ! یہ آپ ﷺ سے روح کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ ﷺ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کا امر ہے۔

اللہ کا امر ہے۔ یہ عالم ارواح سے نیچے آئی۔ لہٰذا اس کی غذا کے لیے آنے والے اوپر سے انوار و تجلیات ہیں۔ فیوض و برکات ہیں۔

دونوں کی غذا' دونوں کی ضروریات مختلف ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ بستی والے ایمان لاتے' تقویٰ کو اختیار کرتے:

﴿لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾ (سورۃ مائدہ: ۶۶)

ہم ان کو وہ نعمتیں دیتے کہ جو اوپر سے آئیں اور ان کے لیے روحانی غذائیں' اور وہ نعمتیں دیتے کہ جو پاؤں کے نیچے سے نکلتیں' اور ان کے لیے جسمانی غذا بن جائیں۔

جسم کی غذا گندم' چاول' جو اور دودھ اور اس قسم کی تمام چیزیں ہیں۔ لیکن روح کی غذا انوار' تجلیات' فیوضات' برکات' سکینہ' جو اللہ رب العزت کی طرف سے بندوں پر نازل ہوتی ہیں۔

جسم اور روح کی بیماریاں:

جسم اور روح کی بیماریاں بھی الگ الگ ہیں جسم کی بیماریوں سے آپ واقف ہی ہیں۔ جیسے درد شقیقہ، چشم، خناق، قبض، قولنج، وجع المفاصل، عرق النساء

آج کے زمانے کے تحت بات کرلیں اس کا کیسٹرول زیادہ ہوگیا۔ اس بندے کو بلڈ پریشر کی بیماری ہوگئی۔ ہپاٹائٹس سی ہوگیا۔ یہ جسم کی بیماریاں ہیں۔

اسی طرح روح کی بھی بیماریاں ہوتی ہیں۔ بغض، حسد، کینہ، تکبر، شہوت، کسلان فی الصلوۃ، ترک صوم، ترک زکوۃ، نفاق یہ سب کی سب روح کی بیماریاں ہیں۔

اب اگر ایک بندے کا جسم بیمار ہو تو وہ کام کے قابل نہیں رہتا، کسی کو کہیں کہ تم لیٹے کیوں پڑے ہو؟ اٹھو دفتر جاؤ، وہ کہے گا کہ جسم بیمار ہے۔ بخار ہے۔ لہٰذا میں آج کام کرنے کے قابل نہیں ہوں۔

جس طرح جسم بیمار ہو۔ وہ کام کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اسی طرح روح بیمار ہو تو وہ نیک اعمال کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ نماز کو جی نہیں چاہتا۔ تلاوت میں دل نہیں لگتا۔ مسجد میں آنے سے دل گھبراتا ہے۔ شریعت پر عمل کرنا مصیبت نظر آتا ہے۔ یہ سب کی سب اس بات کی علامت ہے کہ اس کی روح بیمار ہے۔

تاہم بیماری کا علاج ہوتا ہے۔ دنیا میں، دنیا میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو جسم کی بیماریوں کا علاج کرتے ہیں۔ ان کو حکماء، اطباء، ڈاکٹرز، سرجن کہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کا فرض منصبی جسم کی بیماریوں کا علاج ہے۔ جب بھی کوئی جسم مریض ہو تو ان کی طرف رجوع کرتا ہے۔

اسی طرح روح کی بیماریوں کا علاج کرنے والے بھی حضرات موجود ہیں اور ان کا نام کیا ہے؟ علماء، مشائخ، صلحاء یہ وہ حضرات ہیں کہ جو انسان کی اصلاح کرتے ہیں اور اس کی روحانی بیماریوں کا علاج اسکو بتاتے ہیں۔

جسم کی بیماریوں پر کتابیں موجود ہیں۔ جو طب سے شغف رکھنے والے لوگ ہیں' وہ جانتے ہیں کہ میزان الطب' طب اکبر' شرح اسباق' قانونچہ منہاج الاطباء' یہ سب حکمت کی کتابیں ہیں۔

آج کے دور میں میڈیکل سائنسز کی اتنی کتابیں ہیں کہ انسان کے جسم سے ہر عضو کی بیماریوں کا الگ علاج لکھا ہوا ہے۔

اسی طرح روح کی بیماریوں کے لیے بھی کتابیں موجود ہیں۔ سب سے بڑی کتاب قرآن مجید' پھر اس کے بعد احادیث کی کتابیں بخاری شریف' مسلم' ابوداؤد' موطین' نسائی' یا ریاض الصالحین جو تربیت کے اوپر علماء نے کتب لکھیں۔ یہ سب کی سب روحانی علاج کا طریقہ بتاتی ہیں۔

عام طور پر دیکھا کہ جسم کی بیماریوں کے طریقہ کار مختلف ہیں۔ یہ ایلوپیتھک کا طریقہ علاج ہے۔ یہ ہومیوپیتھک کا طریقہ علاج ہے۔ یہ طب یونانی حکمت کا طریقہ علاج ہے۔

اسی طرح روح کی بیماریوں کے بھی علاج ہیں۔ ان کا نام بزرگوں نے رکھ دیا' یہ نقشبدیہ سلسلہ ہے۔ یہ چشتیہ ہے' یہ قادریہ ہے' وظائف کے طریقہ کار میں تبدیلی ہے مگر مقصود سب کا روحانی بیماریوں کا علاج ہے۔

اگر علاج میں غفلت ہو:

اگر وہ آدمی جسکا جسم بیمار ہو' علاج میں غفلت کرے تو اس کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ جو بھی بندہ اپنے جسمانی علاج میں سستی کرے۔

ایک آدمی دل کا مریض ہے۔ نہ علاج کرواتا ہے' نہ پرہیز کرتا ہے۔ نتیجہ کیا ہوگا کہ ہارٹ اٹیک ہوگا اور یہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔

جس طرح جسمانی بیماریوں کو نظر انداز کرنے والا شخص جان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اسی طرح روحانی بیماریوں سے غفلت برتنے والا شخص موت کے وقت ایمان سے ہاتھ دھو

بیٹھتا ہے۔

جسمانی بیماریوں سے غفلت ہوئی تو جسم قبر میں چلا جائے گا۔ موت کے منہ میں چلا جائے گا اور روحانی بیماریوں سے غفلت کی تو انسان جہنم کے منہ میں چلا جائے گا۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ جس طرح ہم جسمانی بیماریوں کا پتہ چلتے ہی فوراً علاج کے لیے کمر کس لیتے ہیں۔ کسی نہ کسی ڈاکٹر سرجن کے پاس جاتے ہیں۔ خصوصی دوائی لیتے ہیں اور بالکل اس کی ہدایات کے مطابق زندگی گزارتے ہیں۔

اگر بلڈ پریشر کا مریض ڈاکٹر کے کہنے پر نمک کھانا چھوڑ سکتا ہے۔ اگر شوگر کا مریض ڈاکٹر کے کہنے پر چینی چھوڑ سکتا ہے۔ اگر کیسٹرول کا مریض ڈاکٹر کے کہنے پر چربی والی چیزیں کھانا چھوڑ سکتا ہے تو پھر روحانی مریض کسی شیخ اور عالم کے کہنے پر خلاف سنت عمل کو کیوں نہیں چھوڑ سکتا۔ اس کو بھی تمام اعمال چھوڑ دینے چاہئیں۔ جس کی وجہ سے انسان کی روح بیمار ہے اور انسان پریشانی میں مبتلا ہے۔

جسمانی بیماری ہو تو جسم کو سکون نہیں ہوتا۔ روحانی بیماری ہو تو دل کو سکون نہیں ہوتا۔

لہٰذا دنیا کے بڑے بڑے امیر آدمی دیکھے ہیں۔ کاریں ہیں بہاریں۔ جو چاہتے ہیں کھاتے ہیں۔ پیتے ہیں۔ جہاں چاہتے ہیں سوتے ہیں۔ مگر دل میں بے چینی ہوتی ہے۔ راتوں کو نیند نہیں آتی۔ نیند کی گولیاں کھا کر پھر سوتے ہیں۔

اسی طرح جو انسان روحانی مریض ہوتا ہے۔ اس کے دل کو سکون نہیں ہوتا۔ اس کا ضمیر اس کو بار بار جھنجھوڑ رہا ہوتا ہے۔ کہہ رہا ہوتا ہے کہ تم کیا کر رہے ہو؟ وہ اپنی نگاہوں میں خود مجرم ہوتا ہے۔

اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم روحانی بیماریوں کا بھی علاج کروائیں اور جسمانی بیماریوں کا بھی علاج کروائیں۔

اب اس بات کو میں دوسرے زاویے سے عرض کرتا ہوں۔ امید ہے کہ توجہ کے

ساتھ سنیں گے اور اس عاجز کا ساتھ دیں گے۔

شریعت کے دو حکم:

شریعت میں کچھ ایسے کام ہیں جن کو کرنے کا حکم دیا گیا اور کچھ ایسے کام ہیں جن کو نہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ جن کو کرنے کا حکم دیا ان کو مامورات کہتے ہیں' امر سے۔ یہ کرنا ہے۔ اور جن کو نہ کرنے کا حکم دیا ان کو منہیات کہتے ہیں کہ جن سے روک دیا گیا۔ تم نے نماز پڑھنی ہے' جھوٹ نہیں بولنا تو یہ مامورات میں سے ہے۔ اور وہ منہیات میں سے۔ پوری شریعت کے اعمال کا اگر آپ جائزہ لیں تو دو حصے بنیں گے۔ کچھ مامورات کہلائیں گی اور کچھ منہیات کہلائیں گی۔

لیکن اگر مامورات پر غور کریں تو جتنے مامورات ہیں' ان کی پھر آگے تقسیم ہوتی ہے۔ کچھ کا تعلق ظاہر سے ہے اور کچھ کا تعلق باطن سے ہے۔

مثال کے طور پر نماز کا حکم' روزے کا حکم' حج کا حکم' زکوۃ کا حکم' قربانی کا حکم' یہ تمام وہ اعمال ہیں جن کا تعلق انسان کے ظاہر کے ساتھ ہے۔

مگر ایسے بھی احکام ہیں کہ جن کا تعلق باطن کے ساتھ ہے۔ مثلاً اللہ پر توکل کرو۔ اب توکل نظر تو نہیں آتا۔ اس کا تعلق من کے ساتھ ہے۔ دل کے ساتھ ہے۔ صبر کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ شکر کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ یہ وہ اعمال ہیں کہ جن کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ تقوی کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔

نبی کریم ﷺ نے کسی کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا:

((اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا اِشَارَةٌ اِلَی الصَّدْرِ))

نبی علیہ السلام نے سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تقوی یہاں ہوتا ہے۔

مامورات کے پھر دو حصے بن گئے۔ کچھ وہ جن کا تعلق ظاہر سے ہے اور کچھ وہ جن کا تعلق باطن سے ہے۔

اب منہیات پر غور کریں تو ہمیں محسوس ہوگا کہ ان کے بھی دو حصے ہیں۔ کچھ کا تعلق ظاہر سے ہے اور کچھ کا تعلق باطن سے ہے۔

جن کا تعلق ظاہر سے ہے اور جن کو منع کیا گیا مثلاً چوری نہ کرو، شراب نہ پیو، زنا نہ کرو، کسی کو قتل نہ کرو، یہ منہیات ہیں مگر ان کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہے۔

کچھ کا تعلق باطن کے ساتھ ہے۔ جیسے حسد نہ کرو، دل میں کینہ نہ رکھو، اپنے دل میں عجب نہ پیدا ہونے دو، ان چیزوں کا تعلق انسان کے من کے ساتھ ہے۔

معلوم ہوا کہ شریعت کے دو حصے ہیں۔ اعمال دو طرح سے ہیں۔ کچھ مامورات اور کچھ منہیات۔ مامورات پر غور کریں! ان کے بھی دو حصے ہیں۔ کچھ کا تعلق ظاہر سے ہے اور کچھ کا تعلق باطن سے ہے۔ منہیات کو دیکھیں تو کچھ کا تعلق ظاہر سے ہے اور کچھ کا تعلق باطن سے ہے۔

اب توجہ فرمائیں وہ تمام اعمال جن کا تعلق مامورات سے ہے یا منہیات سے اور ان کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہے۔ ہم ان کو فقہ الظاہر کہتے ہیں۔ فقہ کہتے ہیں جو طلباء پڑھتے ہیں فقہ کا مضمون، کتابیں پڑھتے ہیں فقہ پر لکھی ہوئی۔

فقہاء کہتے ہیں آئمہ کو یہ وہ اعمال ہیں کہ جن کا تعلق، انسان کے ظاہر کے ساتھ ہے۔ وہ تمام اعمال جن کا تعلق مامورات کے ساتھ ہے یا منہیات کے ساتھ مگر وہ من سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان تمام کا نام فقہ الباطن ہے یا دوسرے الفاظ میں علم الاحسان ہے۔

یہ علم الفقہ کہلایا ظاہر کا علم اور جو باطن کا تھا وہ کیا کہلایا؟ علم الاحسان کہلایا۔

تصوف کیا ہے:

آج کے زمانے میں آسانی کی خاطر لوگوں نے نام تصوف رکھ دیا۔ لوگوں کو جو لفظ زبانوں پر آسان لگتا ہے بولنا شروع کر دیتے ہیں۔

تاہم اس کو تزکیہ کہتے ہیں۔ احسان کہیں، اس کو تصوف کہیں، سلوک کہیں، جو مرضی

نام لیں۔

مقصود یہ کہ باطن کے وہ تمام اعمال جو کرنے ہیں یا نہیں کرنے ان کے مجموعہ کو علم الاحسان کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جو شخص اپنا علاج کروانا چاہے اس کو چار چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے۔

پہلی بات یہ کہ اپنے آپ کو مریض سمجھے' جو بندہ اپنے آپ کو مریض بھی نہ سمجھے' اس کی بیماری کا علاج کیسے ہو۔

دوسری بات یہ کہ پھر وہ طبیب کے پاس اپنے علاج کے لیے رجوع کرے۔ جائے' ہدایات لے اور اگر وہ ہدایات دے دیں کہ آپ کی بیماری کا یہ علاج ہے تو اب اس کو چاہیے کہ وہ دوا کھائے اور دوا کھانے کے ساتھ پرہیز بھی کرے۔ یہ بھی ضروری ہے۔

اگر آپ نزلے کی دوائی بھی کھا رہے ہیں اور ساتھ آئس کریم بھی کھا رہے ہیں۔ شراب پی رہے ہیں تو آپ کا نزلہ جلدی ختم نہیں ہوگا۔ پرہیز ضروری ہے۔ ڈاکٹر منع کر دیتا ہے کہ آپ ٹھنڈی چیز کا استعمال نہ کریں۔

معلوم ہوا کہ اپنے آپ کو مریض سمجھے اور طبیب کی طرف رجوع کرے۔ دوا استعمال کرے اور پرہیز کرے۔

جس طرح جسمانی بیماریوں کے لیے یہ چار نکات ذہن میں رکھتے ہیں۔ اسی طرح روحانی بیماریوں کے لیے بھی چار نکات ہیں۔

پہلی بات یہ کہ اپنے آپ کو باطن کا مریض سمجھے' اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو باطنی مریض کیسے سمجھیں۔ اس کا ایک آسان سا ٹیسٹ ہے۔ دنیا میں ٹیسٹ ہوتے ہیں۔ ٹیسٹ کرنے سے پتہ چلا کہ شوگر ہے۔ ٹیسٹ کرنے سے پتہ چلا کہ ہیپاٹائٹس سی ہے۔ ٹیسٹ کرنے سے پتہ چلا کہ H.I.V پازیٹو ہے۔ ٹیسٹ سے پتہ چلتا ہے۔

دنیائے روحانیت کے ٹیسٹ:

روحانیت کی دنیا میں بھی ٹیسٹ موجود ہیں۔ سنیں اور دل کے کانوں سے سنیں۔

قرآن مجید نے بتایا کہ جب کسی انسان کے دل میں غیر محرم کی طرف میلان اور رجوع پیدا ہو تو اس کو گناہ کی طرف مائل کرے تو یہ اس کے دل کے مریض ہونے کی علامت ہے۔

قرآن نے کہا:

﴿فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ﴾ (سورۃ احزاب:۳۲)

طمع کرے گا' وہ بندہ جس کے دل کے اندر مرض ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ اگر مسجد سے نماز پڑھ کر نکلتے ہیں اور پھر راستوں میں چلتے پھرتے کبھی طبیعت ادھر دیکھنے کو چاہتی ہے۔ کبھی ادھر دیکھنے کو چاہتی ہے۔ آپ اپنے آپ کو مطمئن نہیں کر سکتے۔ آنکھ غیر محرم کی طرف اٹھ جاتی ہے تو قرآن نے بتا دیا کہ یہ غیر کی طرف شہوت بھری نظر کا اٹھنا دل کی بیماری کی علامت ہے۔

اگر یہ دل بیمار ہے تو پھر اس کا علاج بھی ضروری ہے۔ اگر اس کا علاج نہیں کروائیں گے تو پھر یہ بیماری عمر کے ساتھ گھٹے گی نہیں بلکہ بڑھے گی اور انسان کے لیے نقصان کا سبب بن جائے گی۔

تزکیہ کی اہمیت:

اس لیے من کو صاف کرنا..... قرآن کریم نے اس کو تزکیہ نفس کہا اور اس کے ساتھ اصلاح کو وابستہ کیا۔ فرمایا

﴿قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى﴾ (سورۃ اعلیٰ:۱۴)

تحقیق فلاح پا گیا وہ جو ستھرا ہوا۔

اس تزکیہ کی اتنی اہمیت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگی اے اللہ! ایک

ایسے رسول ﷺ کو بھیج' جو ان پر آیات کی تلاوت کرے' کتاب اور حکمت کی تعلیم دے۔

﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾

اور ان کا تزکیہ کرے۔

انہوں نے چوتھے نمبر پر تزکیہ کا تذکرہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمالیا۔ لیکن جب قبول فرما کر قرآن پاک میں اس کا تذکرہ کیا تو فرمایا:

﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ (سورۃ آل عمران:۱۶۴)

اللہ نے تزکیہ کا چوتھے نمبر پر نہیں بلکہ دوسرے نمبر پر ذکر کیا۔ قرآن کریم میں ترتیب کی یہ تبدیلی کسی چیز کی اہمیت کی نشان دہی کر رہی ہے۔

چناں چہ جب کوئی معزز آدمی بات کرے تو اس کا بات کرنا ہی اس بات کی دلیل ہوتی ہے۔ کہ بات سچی ہے۔ اہم بات ہے اور اگر وہ بندہ قسم کھالے تو پھر تو بڑی معتمد ہو جاتی ہے اور اگر دو دفعہ قسم کھالے' ہم کہتے ہیں کہ انتہا کر دی۔ وہ تو قسمیں کھا کھا کر کہہ رہا تھا۔ سنیں اور دل کے کانوں سے سنیں! اللہ رب العزت نے تزکیہ پر کامیابی ملنے کا تذکرہ کرتے وقت قرآن میں سات قسمیں یکے بعد دیگرے کھائی ہیں۔ کہیں قرآن مجید میں کسی دوسری چیز کی اہمیت بتانے کے لیے اتنی قسمیں نہیں کھائی گئیں۔

فرمایا:

﴿وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ○ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَاهَا ○ وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّاهَا ○ وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ○ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا ○ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَاهَا ○ وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ○ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ○ قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ○ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا﴾

(سورۃ الشمس ۱ تا ۱۰)

اس مالک الملک نے' احکم الحاکمین نے متواتر' مسلسل سات قسمیں کھا کر فرمایا جو تزکیہ حاصل کرے گا' کامیاب ہوگا۔ جو نہیں کرے گا وہ خاسر ہوگا۔

اب اس سے اندازہ لگائیں کہ من کو صاف کرنا اللہ رب العزت کے ہاں کتنی اہمیت

رکھتا ہے۔اس بات کو میں ایک تیسرے زاویے سے پیش کرتا ہوں۔

تعلیمات اور کیفیات:

نبی علیہ السلام کی کچھ تو تعلیمات ہیں۔تعلیمات کن کو کہتے ہیں؟ کہ وہ علم جو نبی علیہ السلام نے امت کو سکھایا۔اسکو تعلیمات نبوی ﷺ کہتے ہیں۔جو اعمال نبی علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ کو سکھائے ان کو تعلیمات نبوی ﷺ کہا جاتا ہے۔

ایک ہیں کیفیات نبوی ﷺ مثال کے طور پر ایک تو دعا مانگی:

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾

(سورۃ بقرۃ:۲۰۱)

یہ تو ہوئی تعلیمات نبوی میں سے!

ایک دعا مانگتے ہوئے نبی علیہ السلام کے قلب مبارک میں جو خشوع تھا۔جو عاجزی تھی، جو گڑگڑا کر آپ ﷺ مانگ رہے تھے۔وہ ہوئی کیفیات نبوی ﷺ جو یہ دو الگ الگ چیزیں ہوئیں، ایک کو کہیں گے تعلیمات نبوی اور دوسرے کو کہیں گے کیفیات نبوی ﷺ۔

دیکھیں! نبی علیہ السلام کی زبان فیض ترجمان سے جو دعا نکل چکی، اس دعا کی قبولیت میں کوئی شک ہی نہیں ہے۔وہ اللہ کے ہاں قبول ہو چکی، قبولیت کا درجہ پا چکی، وہی دعا آج ہم مانگتے ہیں۔قبولیت کے آثار نظر نہیں آتے، الفاظ میں تو کوئی فرق نہیں، کس میں فرق ہوا؟ کیفیات میں فرق ہوا۔

میں اس کو ایک اور آسان طریقے سے عرض کرتا ہوں۔سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جب کوئی مردے کا معاملہ ہوتا تو وہ فرماتے تھے:

﴿قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہِ﴾

تو اللہ تعالیٰ تھوڑی دیر کے لیے مردے کو زندہ فرما دیتے تھے۔

یہی الفاظ ہم اگر کہیں تو مردہ نے زندہ تو کیا ہونا، کوئی سویا ہوا بندہ بھی نہیں جاگتا، تو

فرق کیا ہے؟ جو لفظ انہوں نے فرمائے' وہی لفظ ہم کہہ رہے ہیں۔ جواب ملے گا کہ کیفیت کا فرق ہے۔ جوان کی کیفیت تھی آج وہ ہماری نہیں۔

اس دل کی کیفیت کے فرق کی وجہ سے الفاظ کا نتیجہ نہیں نکل رہا۔

ایک اور مثال عرض کر دیتا ہوں۔ تا کہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ جائے' اچھی طرح دل میں بیٹھ جائے۔

ایک بندے کے پاس چابی ہے۔ وہ دروازہ کھولتا ہے۔ کمرے میں سے چیزیں نکال کر استعمال کرتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ضرورت پڑتی ہے۔ وہ دوسرے بندے کو کہتا ہے کہ چابی لے جاؤ۔ سامان اٹھا کر لاؤ' اب یہ چابی لگاتا ہے دروازہ نہیں کھلتا۔ تو وہ کہے گا کہ کنجی تو وہی ہے۔ میں نے لگائی تھی تو دروازہ کھل گیا تھا۔ تم بھی وہی کنجی لگا رہے ہو' دروازہ نہیں کھلتا۔ معلوم ہوا کہ کنجی کے لگانے کے طریقہ کار میں کوئی فرق ہے' انداز میں کوئی فرق ہے۔

جس طرح انداز ٹھیک نہ ہو تو کنجی باوجود اس کے کہ دروازہ کھولنے کی صلاحیت رکھتی ہے' نہیں دروازہ کھلتا' بالکل اسی طرح کیفیات اگر ٹھیک نہ ہوں تو باوجود اس کے کہ وہ سنت دعائیں ہیں۔ اللہ کے ہاں قبولیت کا رتبہ پا چکی ہیں۔ مگر کیفیات قلبی نہ ہونے کی وجہ سے ان دعاؤں سے اجابت کا دروازہ نہیں کھلتا۔

ایک ہوئی کیفیات نبوی ﷺ اور ایک ہوئی تعلیمات نبوی ﷺ۔ صحابہ کرامؓ ان دونوں کے وارث بنے' دونوں نعمتیں ان کو ملیں۔ وہ کمال رکھنے والی شخصیات تھیں۔ لہٰذا وہ مرج البحرین تھے۔ دونوں نعمتیں ان کو حاصل تھیں۔ ان کے پاس وہ علم بھی تھا' وہ کیفیت بھی تھی۔ نبی علیہ السلام کے تقوی کی کیفیت ان کے پاس۔ توکل کی کیفیت ان کے پاس۔ خشوع کی کیفیت ان کے پاس۔ خوف خدا کی کیفیت ان کے پاس۔ محبت الٰہی کی کیفیت ان کے پاس۔ جو کیفیات نبوی ﷺ تھیں وہ اس کے بھی وارث تھے اور جو تعلیمات

نبوی ﷺ تھیں وہ اس کے بھی وارث تھے۔

وقت کے ساتھ ساتھ وہ کمال والا زمانہ نہ رہا۔ نہ شخصیتوں میں اتنی استعداد رہی کہ دونوں نعمتوں کو حاصل کر سکیں۔ لہٰذا کیا ہوا کہ ایک لائن تعلیمات نبوی ﷺ والی بن گئی۔ آج اس لائن کا نام مدارس ہے۔ جو بندہ بھی تعلیمات نبوی ﷺ حاصل کرنا چاہے۔ کہیں گے جاؤ اور وہاں جا کر قرآن پاک کی تفسیر پڑھو حدیث پڑھو فقہ پڑھو دین کو سیکھو تعلیمات نبوی ﷺ کے حصول کی جگہ مدارس بن گئے۔

ایک تھی کیفیات نبوی ﷺ آہستہ آہستہ امت کے مشائخ اس کے اسپیشلسٹ بنتے چلے گئے۔ ایسی جگہوں کو آج کے زمانے میں خانقاہیں کہتے ہیں۔

اگر اصلاح چاہے تو:

لہٰذا کوئی بندہ چاہے کہ میری اصلاح ہو میں سنور جاؤں میری کوتاہیاں ختم ہو جائیں۔ تو پھر اس کو کیا مشورہ دیا جاتا ہے کہ بھائی! آپ کسی شیخ کے پاس جاؤ فلاں جگہ چلے جاؤ وہاں تمہیں وہ بزرگ ملیں گے جو تمہاری تربیت کریں گے۔

بعض کیفیات نبوی ﷺ کے وارث بن گئے اور بعض تعلیمات نبوی ﷺ کے وارث بن گئے۔

اکابرین کا کمال:

مگر ہمارے اکابرین کو اللہ تعالیٰ نے وہ کمال عطا کیا کہ وہ ان دونوں کے وارث بنے۔ چناں چہ ہمیں اکابر علماء دیوبند میں جس کو بھی دیکھیں ان کو اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں عطا فرمائی تھیں۔ تعلیمات نبوی ﷺ کے وارث علماء کرام بن گئے کیفیات نبوی ﷺ کے وارث مشائخ عظام بن گئے۔

اس لیے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب انہوں نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کی تو کسی نے ان کو کہا کہ حضرت! آپ اتنے بڑے عالم علم کے

آفتاب اور مہتاب' جبال العلم میں سے تھے۔ ایسی شخصیت تھے۔ حضرت حاجی سے بیعت ہوئے' تفصیل ہے۔ لیکن مختصراً عرض ہے۔

انہوں نے جواب یہ دیا کہ ہم نے دارالعلوم میں رہتے ہوئے کچھ مٹھائیوں کے نام یاد کیے تھے۔ پڑھے تھے۔ ہمیں مٹھائیوں کے ذائقے کا پتہ نہیں تھا' ان مٹھائیوں کا ذائقہ چکھنے کے لیے میں نے حضرت حاجی صاحب سے بیعت کرلی ہے۔

اب نماز پڑھنے کا طریقہ تو مدارس میں سکھا دیا جائے گا۔ مگر نماز اس طرح پڑھی جائے کہ:

((اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ))

اس کے لیے پھر مشائخ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ یہ نعمت خود بخود نہیں آتی۔

دیکھئے! ایک ہوتا ہے رنگ اور کچھ رنگ فروش ہوتے ہیں۔ رنگ فروش کسے کہتے ہیں؟ کہ وہ حضرات کہ جن کا کام رنگ کو تقسیم کرنا' لوگوں تک پہنچانا' لوگوں کو دینا' ان کو رنگ فروش کہتے ہیں۔

کچھ لوگ رنگ ریز ہوتے ہیں۔ رنگ ریز کسے کہتے ہیں؟ کہ آپ اس کے پاس اپنا رومال لے کر جائیں کہ اس رومال کو آپ کالا رنگ چڑھا دیجیے۔ وہ اس کپڑے کے اوپر کالا رنگ چڑھا دے گا اس کو رنگ ریز کہتے ہیں۔

کتاب وسنت رنگ ہے۔ علماء کرام رنگ فروش ہیں اور مشائخ عظام یہ رنگ ریز ہیں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ (سورۃ توبہ۔۱۱۹)

كُوْنُوْا.....امر کا صیغہ ہے۔

حکم دیا جارہا ہے کہ تم سچوں کے ساتھ رہو۔ رہو ان کی زندگی میں جن کے اندر اور باہر کا فرق ختم ہوگیا۔ جن کے اندر سے دورنگی ختم ہوگئی۔ جو یک رنگ لوگ ہیں۔ تم ان

کی صحبت میں زندگی گزارو۔

دو رنگی چھوڑ دے یک رنگ ہوجا
سراسر موم یا سنگ ہوجا

لہٰذا انسان کی باطنی بیماریوں کے دور ہونے کے لیے انسان کے ظاہر کی زندگی شریعت کے مطابق بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو بھیجا اور اپنی چار کتابیں عطا فرمائیں۔ زبور، تورات، انجیل اور قرآن مجید۔ چار کتابیں اللہ رب العزت نے عطا فرمائیں۔

چار کا عدد:

نبی علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے جو دین سکھایا۔ اس دین کی اشاعت کے لیے، دنیا میں اس کے استحکام کے لیے، اللہ رب العزت نے چار خلافتیں عطا فرمائیں۔ جن کو ہم خلافت راشدہ کہتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ خلفاء راشدین کہلائے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس امت کو چار فقہیں عطا فرمائیں۔ چار آئمہ فقہاء بہت مقبولیت پا گئے۔ جن کے نام حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

بالکل اسی طرح یہ جو روحانیت کا طریقہ کار تھا۔ اس میں بھی چار طریقے اللہ کے ہاں قبولیت پا گئے۔ جن میں سے ایک کو ہم قادریہ سلسلہ کہتے ہیں۔ چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ جیسے فقہاء تو بہت گزرے۔ اگر آپ تاریخ پڑھیں تو پتہ چلے گا کہ اٹھارہ سے زیادہ فقہاء ایسے تھے کہ جن کی اتباع ہوئی قرون اول میں، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ وہ فقہیں ختم ہوتی گئیں، اور سارے لوگ چار کے اندر سمٹ کر رہ گئے۔

اسی طرح سلاسل بہت سارے لوگوں کے پاس، لیکن قبولیت بالآخر چار کو ملی اور تقسیم

ہوگئی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا؟ بھائی ایک بندے کے دس بیٹے ہوں اور دس بیٹوں میں سے پھر ایک فوت ہو جائے' پھر دوسرا فوت ہو جائے' تیسرا فوت ہو جائے چوتھا فوت ہو جائے' پانچواں فوت ہو جائے' چار رہ جائیں تو وراثت کتنوں میں تقسیم ہوگی؟

اب اگر کوئی پوچھے کہ ایسا کیوں؟ ہم کہیں گے کہ اللہ کی مرضی۔ بالکل اسی طرح کہ یہ سلاسل تو بہت تھے۔ قبولیت عامہ چار کو نصیب ہوئی۔ اگر کوئی پوچھے ایسا کیوں؟ ہم کہیں گے کہ اللہ کی مرضی۔ یہ تو اللہ رب العزت کی مہربانی ہے۔

تاہم بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال عام طور پر پیدا ہوتا ہے اور بعض لوگ جو مخالفین ہیں تو تصوف سلوک کے' وہ ذہنوں میں ڈالتے بھی ہیں' کہتے ہیں کہ یہ تصوف عربی چیز نہیں ہے' یہ عجمی چیز ہے۔ کہیں قرآن وحدیث میں اس کا تذکرہ بھی نہیں ہے۔ ذرا سنیں اور دل کے کانوں سے سنیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام دربار نبوی میں:

نبی علیہ السلام تشریف فرما ہیں۔ صحابہ کرامؓ موجود ہیں۔ ایک شخص آتے ہیں' چہرہ بڑا تروتازہ ہے۔ بال بڑے سیاہ اور صاف کپڑے۔ صحابہ کرامؓ ان کو پہچانتے نہیں۔ مگر ہیں بڑے حیران' کہ جسم کی تروتازگی اور کپڑوں کی صفائی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قریب سے آیا ہے۔ کوئی سفر کے گرد کے نشان نہیں ہیں۔ لیکن ہم اسکو پہچانتے نہیں' اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قریب کا بندہ نہیں دور کا بندہ ہے۔ سمجھ نہیں لگتی کہ کون ہے؟

وہ آ کر نبی علیہ السلام کے سامنے بیٹھ گئے۔

((رُکْبَتَہٗ اِلٰی رُکْبَتَیْنِ ﷺ

انہوں نے اپنے یہ گھٹنے نبی علیہ السلام کے گھٹنوں کے ساتھ لگا لیے۔ انہوں نے نبی علیہ السلام سے تین باتیں پوچھیں' ویسے تو زیادہ پوچھیں تھیں' لیکن جن سے مجھے بات کرنی

ہے وہ تین سوالات تھے۔

سب سے پہلا سوال پوچھا:

((مَاالْاِیْمَانُ))

ایمان کیا ہے؟ نبی علیہ السلام نے اس کا جواب دیا۔ اللہ پر ایمان لانا' اس کے رسولوں پر اس کی تفصیل ہے۔ جب انہوں نے سنا تو کہا:

((صَدَقْتَ))

آپ ﷺ نے سچ کہا۔ صحابہ کرامؓ کہتے ہیں کہ ہم اور حیران کہ خود ہی سوال پوچھ رہے ہیں اور جواب ملنے پر تصدیق بھی کر رہے ہیں کہ جیسے پتہ پہلے سے تھا۔

پھر دوسرا سوال پوچھا:

((مَاالْاِسْلَامُ))

اسلام کیا ہے؟ اس پر نبی علیہ السلام نے فرمایا نماز پڑھنا کچھ اعمال بتائے۔ انہوں نے پھر کہا:

((صَدَقْتَ))

پھر تیسرا سوال پوچھا:

((مَاالْاِحْسَانُ))

احسان کیا ہے؟ جواب میں نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((اَنْ تَعْبُدَاللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ))

تم اللہ کی عبادت ایسے کرو کہ جیسے اللہ تم کو دیکھ رہے ہو۔

((فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ))

اگر یہ کیفیت حاصل نہیں کہ تم اسے دیکھتے ہو۔

فَاِنَّهٗ يَرَاكَ..... پھر یوں کرو کہ جیسے اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں' یہ مقام احسان ہے۔

یہ جو مقام احسان ہے' کیفیت ہے کہ ساری زندگی انسان ایسے گزارے کہ ہر وقت دل میں یہ کیفیت ہو کہ جیسے اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں۔ میں اس کی نظر کے سامنے ہوں۔ یہ کیفیت احسان کہلاتی ہے۔

چناں چہ پھر انہوں نے قیامت کی نشانیاں پوچھیں' نبی علیہ السلام نے بتا دیں۔

جب چلے گئے تو اس کے بعد صحابہ کرامؓ میں سے کسی نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ یہ کون تھے؟ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

((هٰذَا جِبْرَائِيْلَ))

یہ جبرائیل تھے۔

((اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ))

تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے آئے۔

اب بتایئے کہ یہ جو تیسرا سوال ہے۔

((مَا الْاِحْسَانُ))

پھر یہ داخل دین ہوا کہ نہیں۔

((اَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِيْنَكُمْ))

آئے تھے تمہیں تمہارا دین سکھانے کے لیے۔ معلوم ہوا کہ اس کیفیت کو حاصل کرنا' جس سے انسان کو اللہ تعالیٰ کی حضوری نصیب ہو جائے' مصیبت کی کیفیت کا استحضار ہر وقت دل کے اندر رہے۔ اس کو علم الاحسان کہتے ہیں اور یہ عین دین میں شامل ہے۔

لہٰذا توجہ فرمائیں۔ کچھ باتیں ہوتیں ہیں ماننے کی' ان کو ایمانیات کہتے ہیں۔ جیسے اللہ کو مان لینا۔ نبی علیہ السلام کو مان لینا۔ ملائکہ کے وجود کو مان لینا۔ آخرت کو مان لینا۔ جنت کو مان لینا۔ جہنم کو مان لینا۔ تقدیر کو مان لینا۔ یہ ماننے کی باتیں ہیں۔ ان کا تعلق کس سے ہوا؟ ایمانیات سے ہوا۔

کچھ ہوتی ہیں کرنے کی باتیں۔ان کا تعلق اعمال کے ساتھ ہوتا ہے۔مثال کے طور پر نماز پڑھو۔روزہ رکھو۔یہ سب کرنے کی باتیں ہیں۔زکوۃ ادا کرو۔خوش اخلاقی سے پیش آؤ۔یہ کرنے کی باتیں ہیں۔

کچھ ہوتی ہیں ماننے کی باتیں' کچھ ہوتی ہیں کرنے کی باتیں اور کچھ ہوتی ہیں سمجھنے کی باتیں۔سمجھنے کی باتیں کیا؟ کہ ہر وقت یہ سمجھ کہ میں اللہ کے سامنے ہوں۔اب یہ سمجھ نصیب ہو جائے' یہ کیفیت نصیب ہو جائے تو بندہ گناہ کی طرف قدم نہ بڑھائے۔

اللہ دیکھ رہا ہے:

کہتے ہیں کہ ایک باپ بیٹا جا رہے تھے۔انگوروں کا باغ نظر آیا۔پھل پکا ہوا تھا۔ باپ کا دل چاہا کہ انگوروں کا خوشہ توڑ کر کھالوں۔اس نے بچے کو راستے پر کھڑا کیا' کہا کہ جب کوئی آئے دیکھنے والا تو مجھے بتا دینا اور خود باغ کے اندر چلا گیا انگور توڑنے کے لیے۔ جیسے ہی درخت کے پاس پہنچا اور اس نے ہاتھ بڑھائے کہ میں انگور توڑوں۔ادھر سے بچے نے چلانا شروع کر دیا کہ:

((یَااَبِیْ یَااَبِیْ اَحَدٌ یَرَانَا))

اے ابا جان! ابا جان! کوئی ہمیں دیکھ رہا ہے۔باپ ڈر کر آ گیا۔اس نے دیکھا کہ نہ بندہ نہ پرندہ۔

بچے سے کہتا ہے یہاں تو کوئی نہیں ہے۔تو نے کیوں شور مچایا؟ اس نے کہا ابا جان ہمیں بندے نہیں دیکھتے' بندوں کا پروردگار دیکھ رہا ہے۔

اب یہ کیفیت نصیب ہو جائے۔اس کا تعلق سمجھنے کے ساتھ ہے۔آپ اگر غور کریں تو پہلا سوال تھا۔ان چیزوں کے بارے میں کہ جو جاننے سے تعلق رکھتی ہیں۔یعنی ایمانیات کے ساتھ۔دوسرے سوال کا تعلق تھا ان کے ساتھ جو کرنے سے تعلق رکھتے ہیں۔انکو اسلام کہتے ہیں۔اور تیسرا وہ سوال تھا کہ جو سمجھنے والی چیزوں کے ساتھ اور ان کو

احسان کہتے ہیں۔

ایک بات پر ذرا غور کریں کہ ماننا اگر اکیلا ہو تو انسان جلدی اس چیز سے محروم ہو جاتا ہے اور اگر سمجھ کر مانے تو وہ چیز محفوظ ہو جاتی ہے۔

چند کفریہ کلمات:

مثال کے طور پر ایک صاحب تھے دین کا بے چارے کو علم نہیں تھا اور بیٹھے مناظرہ کرنے لگے کسی غیر مسلم سے۔ آپس میں بات کرتے ہوئے کہنے لگے یار بات کریں ہم کھلی کھلی۔ نقل کفر کفر نا باشد۔ کہنے لگا کہ تو تھوڑی دیر ہندوازم کو چھوڑ دے اور میں تھوڑی دیر اسلام کو چھوڑ دیتا ہوں۔ اس بے چارے کو یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ ایک لمحے کے لیے بھی اسلام کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ چوں کہ پتہ نہیں تھا۔ سمجھ کر نہیں مانا تھا اس نے ایسی بات کہہ بیٹھا اور اس کہنے سے بندہ دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔

ایک اور جگہ بات ہو رہی تھی دو بندوں میں۔ اس نے کہا کہ لگتا ہے کہ تم بالکل وہی بے دین ہو۔ اگلے نے کہا کہ یوں ہی سہی۔

اب یہ جو لفظ کہا یوں ہی سہی۔ اتنے لفظ کہنے سے یہ بندہ دائرہ اسلام سے نکل گیا۔

مالا بدمنہ حضرت قاضی ثناء اللہ نے ایک کتاب لکھی۔ اس کے اندر انہوں نے بہت ساری باتیں لکھی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ یہ چیزیں عوام کو پتہ نہیں ہیں مگر ایسا کلمہ زبان سے نکلنے سے انسان ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔

مثال کے طور پر دو بندے بات کر رہے تھے۔ ایک نے کہا کہ یار یہ تو شریعت کا حکم ہے۔ ایک نے کہا کہ شریعت تو یوں کہتی ہے۔ اگلے نے اگر کہا رکھ دوسری طرف شریعت کو۔ فقد کفر ان الفاظ کے کہنے سے وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو گیا۔

ایمان بہت نازک ہے:

ایمان بہت نازک چیز ہے۔ بے سمجھے مانے گا تو جلدی محروم ہو جائے گا۔ سمجھ

کر مانے گا تو پھر محروم نہیں ہوگا۔ جیسے چیز کی اہمیت کا پتہ ہو تو انسان اسکو ضائع نہیں ہونے دیتا' اہمیت کا پتہ نہ ہو تو پھر اس کو پتہ نہیں ہوتا۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے پیار محبت سے بچپن میں سونے کی انگوٹھی انگلی میں ڈالی۔ کہنے لگے کہ میں کھیلنے کے لیے گلی میں آ گیا۔ گلی میں ایک ٹھگ پھر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ بچہ ہے' ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی ہے۔ اس نے مجھے بلایا' پیار کر کے کہا کہ اپنی انگلی کو ذرا چکھو' میں نے زبان لگا کر دیکھا تو بے مزا۔ پھر اس نے گڑ کی ڈلی نکال کر کہا کہ اس کو چکھو' میں نے چکھا تو بڑی مزے دار۔ کہنے لگا بے مزا چیز دے دو مزے دار چیز لے لو۔ کہتے ہیں کہ میں نے سونے کی انگوٹھی دے دی اور گڑ کی ڈلی لے کر واپس آ گیا۔

جب چیز کی اہمیت کا پتہ نہیں ہوگا تو انسان کو ٹھگ لیا جائے گا۔ اسی طرح جس کو ایمان کی اہمیت کا پتہ نہیں ہوگا۔ شیطان ٹھگ اس انسان کو موت سے پہلے ٹھگ لے گا۔

اس لیے ماننا ہے تو سمجھ کر ماننا ہے اور یہ سمجھنے کا جز آخر پر' پہلے ایمانیات' پھر اعمال' پھر احسان کا سوال۔ یہ سوال کس نمبر پر کیا گیا؟ تیسرے نمبر پر گیا' آخری نمبر پر۔ واقعی یہ جو کچھ احسان کی کیفیت ہے یہ انسان کی زندگی میں آخر میں آتی ہے۔ سارے علوم پڑھ کر' سارا کچھ سیکھ کر' مرتے مرتے بھی یہ کیفیت نصیب ہوگئی' انسان اللہ تعالیٰ کی نظر میں کامیاب ہوگیا۔

تصوف عربی ہے عجمی نہیں:

اس لیے یہ کہہ دینا کہ بھائی اس کا کہاں تذکرہ ہے؟ یہ عجمی چیز نہیں عربی ہے۔ خالص قرآنی ایمانی چیز ہے۔ قرآن نے اس کو تزکیہ کا نام دیا کہ تم نفس کا تزکیہ کرو' اس نفس کے تزکیہ کو آج اصلاح کہتے ہیں اور تصوف کہتے ہیں۔ حدیث نے اس کو احسان کا نام دیا۔

قرآن و حدیث سے یہ چیزیں ثابت ہیں۔ ہاں رہ گئی بات طریقہ کار کی' کہ بھائی

ایک بیماری کا طریقہ کار ہے۔ طریقہ کار' جیسے علماء امت علم سکھانے کے لیے وقت کے مطابق سلیبس بناتے رہے اور علم سکھاتے رہے۔

آج کوئی بندہ چاہے کہ میں علم پڑھوں تو کیا کہیں گے؟ بھائی چلو درس نظامی پڑھو۔ یہ درس نظامی کا لفظ کہاں سے آیا؟ پتہ تھا کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں نام ہی نہیں تھا اور آج جسے کہو پڑھو تو کیا کہیں گے؟ درس نظامی پڑھو۔

اچھا درس نظامی میں ہے کیا؟ بخاری شریف' مسلم شریف' بخاری شریف کا نام کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو پتہ تھا؟ مسلم شریف کا نام کسی کو پتہ تھا؟ وہ جانتے ہی نہیں تھے کہ ترمذی شریف کیا ہے؟ مگر یہ تدوین بعد میں ہوئی' اصول وہی تھا جو قرآن نے بتا دیا۔ تفصیلات ہیں یہ' اسی طرح ما الاحسان کی تفصیل میں تصوف وسلوک کا اصول دے دیا گیا۔ آگے ذکر کا طریقہ آج کے دور میں کسی صاحب شریعت' صاحب نسبت بزرگ کے ساتھ تعلق رکھا' ایمان کے لیے ڈھال کی حیثیت رکھتا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ جس کا تعلق ہوگا۔ ایمان سے محروم نہ ہوگا۔ ایمان سے محروم وہی ہوگا۔ کہ جس کا کہیں کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ کٹی پتنگ کی مانند ہے۔ اب کٹی پتنگ کو کوئی بھی لے سکتا ہے۔ شیطان ایسے بندے کو آسانی کے ساتھ اچک لیتا ہے۔

اس لیے بستہ ہے' بستن سے..... فارسی کا لفظ ہے' بندھا ہوا۔ کتابیں رکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ میرا بستہ ہے۔ اور بندہ ہے بندگی سے' جو بندہ ہو جائے' اللہ کے ساتھ جڑ جائے اس کو کیا کہیں گے کہ یہ اللہ کا بندہ ہے۔

اب ہم اللہ کے ساتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ہاں کئی دفعہ اللہ سے کٹ کر شیطان کے ساتھ جا بیٹھتے ہیں یا شیطان کی جو اتباع کرنے والے فاسق وفاجر ہیں۔ ان کے ساتھ جا کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اب یہ تو ہمیں فیصلہ کرنا ہے۔

اس لیے اللہ والوں سے جس کا تعلق ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کی حفاظت

فرمادیتے ہیں۔

یک زمانہ صحبت بااولیاء کی تشریح:

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔آمین ایک مرتبہ ان کے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شعر کہا ہے:

یک زمانہ صحبت بااولیاء
بہتراز صد سالہ طاعت بے ریا

ایک لمحہ اولیا کی صحبت میں گزارنا' سوسال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

ذہن میں خیال آیا کہ عبادت ہوتی تو چلو اور بات تھی کہ چلو عبادت ٹھیک نہیں تھی۔مگر یہ تو کہا کہ عبادت بے ریا' ایسی عبادت کہ جس میں ریا کا بھی شبہ نہیں' اس سے ایک لمحے کی صحبت کیسے افضل ہوگئی۔

چناں چہ وہ اپنے شیخ حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت! شعراء عام طور پر جب اپنے اشعار کہتے ہیں تو افراط وتفریط کے مرتکب ہوجاتے ہیں۔کسی چیز کو لمبا چوڑا کر کے دکھادیتے ہیں۔کسی چیز کو گھٹادیتے ہیں۔

مجھے یوں لگتا ہے کہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے شعر میں بھی اس طرح کا مسئلہ ہے۔

یک زمانہ صحبت بااولیاء
بہتراز صد سالہ طاعت بے ریا

سوسال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔

حضرت نے فرمایا اچھا میں یہ شعر پڑھوں؟ جی پڑھیں حضرت نے فرمایا:

یک زمانہ صحبت بااولیاء
بہتر از لاکھ سالہ طاعت بے ریا

حیران ہوئے کہ سو سال سمجھ میں نہیں آ رہے تھے۔ حضرت آپ نے تو لاکھ سال کی بات کر دی۔ پھر حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا تحقیقی جواب دیا۔ فرمایا دیکھو! شیطان نے لاکھوں سال اللہ رب العزت کی عبادت کی۔ لیکن بلا آخر ایک وقت ایسا آیا کہ پھر ٹھکرا دیا گیا۔

معلوم ہوا کہ لاکھ سال کی عبادت کے بعد بھی گارنٹی نہیں دے سکتا کہ انجام کیسا ہوگا؟

ایک شخص نے تین سو سال عبادت کی' لیکن بلا آخر ایک ایسے عمل کا مرتکب ہوا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ﴾

(سورۃ اعراف ۱۷۶)

چناں چہ ٹھکرا دیا گیا۔

انسان جتنی بھی عبادت کرے۔ گارنٹی تو کوئی نہیں کہ انجام کیسا ہو۔ یہ تو موت کے وقت پتہ چلے گا۔

ایک عمل ایسا ہے کہ جس عمل کی وجہ سے گارنٹی مل رہی ہے۔ اور وہ گارنٹی نہ میں دے رہا ہوں' نہ آپ دے رہے ہیں' نہ ہمارے وقت کے علماء دے رہے ہیں۔ وہ گارنٹی اللہ رب العزت کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم دے رہے ہیں۔

یا اللہ! اس پاک زبان سے اگر وہ گارنٹی نکلی ہے تو سچی بات ہے کہ ہم تو ایمان لے آئے ان کی بات پر۔

انہوں نے فرمایا کہ یہ اللہ والے وہ لوگ ہوتے ہیں:

((هُمْ رِجَالٌ لَا يُشْقٰى جَلِيْسُهُمْ))

کہ جن کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوتا۔

شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ بد بخت وہ ہوتا ہے کہ جو ایمان سے محروم ہو جائے۔ تو کے پاس بیٹھنے والا ایمان سے محروم نہیں ہو سکتا۔ بد بخت نہیں ہو سکتا۔

معلوم ہوا کہ اہل اللہ کی محبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ ایمان پر موت عطا فرما دیتے ہیں۔اس لیے لاکھ سال عبادت ایک طرف اور اہل اللہ کی چند لمحوں کی محبت ایک طرف۔

اعمال کا دارومدار نیت پر:

اس لیے بخاری شریف کی ابتداء:

((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتْ))

اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔

نیت کو ٹھیک کرنا کون سکھاتا ہے؟ مشائخ سکھاتے ہیں۔نیت کو ٹھیک کرنے کے بارے میں مدرسہ میں نہیں سکھایا جائے گا۔وہاں تو اس حدیث کا ترجمہ پڑھایا جائے گا اور جب کوئی بندہ کہے گا کہ میں نیت کو کیسے ٹھیک کروں؟ فوراً کہیں گے کہ بھائی اپنا اصلاحی تعلق کسی کے ساتھ جوڑو۔

قلب کی حقیقت:

چناں چہ حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ بچوں کو درس دے رہے تھے۔درس کے دوران قلب کا لفظ آ گیا۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمانے لگے کہ عزیزو! باء! اگر آپ قلب لفظ کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہیں کہ ہفت اقسام میں سے ہے یا ششم اقسام میں سے.....تو میں بتا دیتا ہوں کہ یہ کیا ہے؟

لیکن اگر تم قلب کی حقیقت کو معلوم کرنا چاہتے ہو تو خواجہ عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ جو ہمارے دادا شیخ ہے، وہ ان دنوں دارالعلوم میں مقیم تھے، وقتی طور پر، تو حضرت نے ان کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔اس کی حقیقت کو معلوم کرنے کے لیے تمہیں ان کی خدمت میں جانا پڑے گا۔

ہر کام رضائے الٰہی کے لیے کرو:

معلوم ہوا کہ ظاہر حدیث کا ترجمہ تو پڑھا دیں گے۔ لیکن اگر کوئی اگلا سوال پوچھے کہ نیت کیسے ٹھیک کرنی ہے تو پھر کدھر جائیں گے؟ مشائخ کی طرف۔

اس لیے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ میں آٹھ سال اپنے شیخ کی خدمت میں رہا اور میں نے آٹھ سال میں ایک چیز دیکھی اور سیکھی۔

سننے والے نے بڑے حیران ہو کر پوچھا آٹھ سال میں ایک چیز سیکھی؟ جی ہاں! میں نے صرف ایک چیز سیکھی' پوچھا کون سی؟ انہوں نے کہا کہ یہ چیز سیکھی کہ مجھے ہر کام اللہ کی رضا کے لیے کرنا ہے۔ آٹھ سال اس پر محنت کی۔

اپنی نیت کا رخ ٹھیک رکھنا:

ایک بزرگ تھے۔ ان کو ایک صاحب اپنے گھر لے گئے۔ مکان نیا بنوایا تھا۔ وہ مکان دکھاتا رہا۔ ایک جگہ پر روشن دان بنا ہوا تھا۔ انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ اس نے کہا کہ روشن دان' کیوں بنایا ہے؟ کہنے لگا کہ اس میں سے ہوا آتی ہے' روشنی آتی ہے۔ کمرہ ہوادار' منور اور روشن بن جاتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ اللہ کے بندے! اگر تو نیت یہ کر لیتا کہ یہ کمرہ بند ہے۔ باہر کی آوازیں اندر نہیں آتیں۔ میں روشن دان اس لیے رکھوا رہا ہوں کہ جو بندہ اندر بیٹھا ہوگا اس کو مسجد کی اذان کی آواز آسانی کے ساتھ پہنچ جائے گی تو تجھے ہوا اور روشنی تو مفت میں مل جاتی' روشن دان بنانے پر اللہ کا اجر بھی مل جاتا۔

اب یہ نیت کا سکھانا علماء کے بجائے مشائخ سکھاتے ہیں۔ ہاں! وہ علماء جو مشائخ بھی ہیں' دونوں نعمتیں اللہ نے دی ہیں۔ یہ تربیت وہ بھی فرماتے ہیں۔

اس لیے یہ تربیت انسان کو پانی پڑتی ہے۔ ہمارے ان ملکوں میں اسلام مشائخ کے ذریعہ آیا۔ کہتے ہیں کہ اسلام ہندوستان کے اندر کن کی وجہ سے آیا؟ مشائخ کی وجہ سے

آیا۔ پھر اس اسلام کو علماء کرام کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے چمکایا۔ مشائخ عظام آنے کا ذریعہ بنے اور علماء کرام اس کے چمکانے کا ذریعہ بنے۔ اس لیے یہ جو شریعت ہے' یہ شریعت کی خادمہ اور شریعت کی محافظ ہے۔ یہ شریعت سے الگ چیز نہیں ہے۔ اس لیے جس بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت آ جاتی ہے۔ اس کا تزکیہ نفس ہو جاتا ہے۔ سو فیصد اس کو پھر زندگی گزارنی آسان ہو جاتی ہے۔

تصوف کی نعمت کیسے ملے گی:

ہمارے مشائخ نے فرمایا کہ تمام سلاسل کی انتہا یہی ہے کہ سالک کو شریعت پر بے اختیار عمل کی توفیق نصیب ہو جائے۔ مکروہات شریعہ' مکروہات طبعیہ بن جائیں۔ جن چیزوں سے شریعت نے کراہت کا حکم دیا' انسان کی طبیعت بھی ان سے کراہت کرنے والی بن جائے۔ اور یہ نعمت اس تصوف کے ذریعہ ملتی ہے۔ ذکر و سلوک کے ذریعہ سے ملتی ہے۔

تصوف کا اصل مقصود:

چناں چہ شیخ الاسلام پیر حلات رحمۃ اللہ علیہ نے کیا پیاری بات کہی' دل چاہتا ہے کہ سونے کی سیاہی سے اس کو لکھیں۔ فرمایا کوئی نقشبندی ہے' کوئی چشتی ہے' کوئی قادری ہے' کوئی سہروردی ہے۔ اگر دل میں ایک خدا کی یاد ہے تم سب کچھ ہو' ورنہ تم کچھ بھی نہیں ہو۔

اصل مقصود تو یہ ہے ان تمام محنتوں سے کہ دل میں ایک اللہ رب العزت کی یاد آ جائے ایک لمحہ انسان اللہ سے غافل نہ ہو۔ یہ اصل مقصود ہے۔ اس لیے ہمارے اکابر یہی بات سمجھاتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت تصوف کا مقصد کیا ہے؟ حضرت نے جواب دیا کہ تصوف کا مقصود یہ ہے کہ انسان کی رگ رگ اور ریشے ریشے سے گناہوں

کا کھوٹ نکل جائے۔ یہ تصوف کا مقصود ہے۔

اب اس کو کون کہے گا کہ یہ عجمی چیز ہے۔ اس کو تو وہی کہے گا کہ یا تو جاہل ہوگا یا پھر متجاہل ہوگا۔ دوسرا بندہ تو نہیں کہہ سکتا۔

اب یہاں پر یہ بات سمجھ میں آئی کہ نیت کا سیکھنا ہی ایک نعمت ہے۔ اور اس نیت کے بدلنے سے اعمال بدل جاتے ہیں۔

چناں چہ ایک چھوٹا سا واقعہ سنا دوں بات مکمل کرنے کے لیے۔

مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے والد مولانا محمد یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ گرمی کے دنوں میں ان کا ایک معمول تھا کہ عصر کے بعد چھٹی ہوتی تھی۔ مدرسہ میں طلباء کھیلتے ہیں۔ ورزش کرتے ہیں۔ طلباء کے لیے عصر کے بعد کھیلنا بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ جتنا باقی اوقات میں پڑھنا ضروری ہے۔ اگر نہیں کھیلیں گے تو ان کی صحتیں اچھی نہیں ہونگی۔ یہ پڑھ بھی نہیں سکیں گے۔

وہاں ایک کنواں تھا۔ حضرت وہاں آ جاتے' ایک دو طلباء ساتھ ساتھ آ جاتے۔ حضرت ان کو فرماتے کہ میرے اوپر پانی کے ڈول پھینکتے جاؤ۔ چناں چہ طلباء پانی کے ڈول ڈالتے جاتے اور بیسیوں ڈول ان پر ڈالے جاتے اور حضرت آرام سے بیٹھے رہتے۔

ایک پڑوس میں رہنے والا بندہ تھا۔ حضرت کے ساتھ اس کا بہت زیادہ یارانہ تھا۔ تعلق تھا' دوستی تھی' محبت تھی اور حضرت کے سامنے وہ ہر بات بے تکلف کہہ لیتا تھا۔

اب وہ وہاں سے گزرتا اور کہتا کہ مولانا صاحب! ہمیں کہو کہ اسراف حرام ہے اور خود کیے جاؤ۔

یعنی آپ ہمیں تو یوں کہتے ہو کہ انسان نے اگر غسل کرنا ہو تو پھر اس کو بے حساب شریعت نے پانی بہانے کی اجازت نہیں دی۔ غسل کرنا ہے تو جتنی ضرورت ہے اتنا پانی

بہاؤ اور اس کے بعد تم فارغ ہو جاؤ' زیادہ بہاؤ گے تو اسراف کا جرم ہو جائے گا۔

اسراف کا مطلب فضول خرچی' یہ شریعت کا مسئلہ ہے۔

اب وہ کہے کہ حضرت ہمیں تو کہو کہ اسراف ہے اور خود اسراف کیے جاؤ۔ حضرت اس کے جواب میں مسکرائیں اور کہیں کہ تمہارے لیے حرام' میرے لیے حلال۔

اکابرین اور تصوف:

اور آگے آئیں' حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے انڈیا میں ایسے بزرگ گزرے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے علم کی تمام شاخوں میں کمال عطا کیا۔ چناں چہ وہ مفسر بھی تھے۔ تفسیر مظہری انہوں نے لکھی۔ اپنے شیخ مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر نام رکھا تفسیر مظہری۔ اور یہ ایسی تفسیر ہے کہ آپ معارف القرآن پڑھیں یا بیان القرآن پڑھیں۔ آپ کو ہر تھوڑے صفحوں کے بعد تفسیر مظہری کا حوالہ کہیں نہ کہیں مل جائے گا۔ ایسے بزرگ تھے۔ محدث بھی بنے اور فقیہہ بھی تھے۔ قاضی تھے وقت کے اور شیخ طریقت بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دین کے تمام شعبوں میں کمال عطا فرما دیا تھا۔ یہ بیعت تھے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ کے' ان سے بیعت ہو کر کمالات حاصل کیے' تربیت پائی اور پھر دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے دین کا کام لیا۔

اور قریب آ جائیں۔ ہمارے اکابرین علماء دیوبند میں سے حضرت اقدس نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ' ان حضرات کو علمی اعتبار پر دیکھیں تو یہ جبال العلم میں سے تھے۔ لیکن ان کو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے انہوں نے بلآخر بیعت کا تعلق حاصل کیا اور اللہ رب العزت نے پھر ان کے کمالات کو خوب آگے بڑھایا۔

اور قریب دیکھیں! حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ علماء کی ایک بڑی جماعت ایسی تھی کہ جو باطنی نعمت لے کر آئی اور پھر جامع الطریقت والشریعت بن گئے۔

حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ ان کے شاگرد' حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے سلوک

حاصل کیا۔ حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ جامعہ اشرفیہ کے بانی نے ان سے سلوک حاصل کیا۔ حضرت خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے سلوک حاصل کیا۔

آخر ان حضرات نے اتنے علم کے باوجود بھی ان کی طرف کیوں رجوع کیا؟ اس لیے کہ ان کی طرف رجوع کرنے سے ان کو باطنی کمال حاصل ہوئے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث ہیں۔ بخاری شریف پڑھاتے ہیں۔ مدرسہ میں چھٹیاں ہوئیں' حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا حضرت اتنا عرصہ گزر گیا بخاری شریف پڑھاتے ہوئے۔ مگر میں اپنے من کے اندر وہ چیز نہیں پاتا کہ جو مقصود ہے۔ مجھے طریقہ بتائیں۔

حضرت نے فرمایا کہ چھٹیوں میں تھانہ بھون آ جانا' اللہ کو ہر مطلوب عطا فرمادیں گے۔ محدث تھے' حدیث پڑھانے والے' بلآخر وہاں سے چل کر شیخ کے پاس گئے اور پھر اللہ تعالیٰ نے انکو باطنی کمال عطا فرمادیئے۔

حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ ہمارے اکابرین کی نشانیوں میں سے آخری نشانی ہیں۔ چناں چہ چھوٹی عمر میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پناہ علم عطا کیا۔ جن لوگوں نے ان کا بیان سنا ہے' وہ جانتے ہیں کہ ایک لفظ پر بات شروع کرتے تھے۔ ایسے بات کرتے جاتے تھے لگتا تھا دریا بہتا چلا جارہا ہے۔ اتنا اللہ تعالیٰ نے ان کو علم عطا فرمایا تھا۔

ظاہری طور پر حسن و جمال بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا۔ اتنی منور شخصیت تھے کہ ان کو دیکھتے ہی انسان حیران ہو جاتا تھا۔

ہمارے مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ حرم شریف میں میری ملاقات ہوئی اور میں نے ان کو دیکھتے ہی پوچھا کہ حضرت آپ نے یہ چہرہ کیسے بنایا؟

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ یہ چہرہ میں نے نہیں بنایا' یہ چہرہ تو میرے شیخ نے بنایا ہے۔

چھوٹی عمر میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم بن گئے' اب اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال بھی عطا کیا' علم و کمال بھی عطا کیا اور چھوٹی عمر میں دارالعلوم کے مہتمم بھی بن گئے۔

انہوں نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ حضرت میں اپنے اندر کبھی کبھی خود پسندی کی کیفیت پاتا ہوں۔ چوں کہ اللہ نے مجھے ہر نعمت سے نوازا ہے ایسا نہ ہو کہ عجب کا مرتکب ہو بیٹھوں۔

حضرت نے فرمایا کچھ وقت کے لیے اپنا کام کسی کے سپرد کردو اور تھانہ بھون آ جاؤ۔ چناں چہ حضرت کے پاس خانقاہ میں آ گئے۔

حضرت نے فرمایا! کہ تمہارا یہاں رہتے ہوئے صرف ایک کام ہے۔ کون سا؟ کہ جو لوگ نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آتے ہیں۔ تم نے ان کے جوتوں کو سیدھا کرنا ہے۔

اتنے بڑے عالم' اور کام کیا ذمہ لگایا؟ فرمایا کہ تم نے ان کے جوتے سیدھے کرنے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مہینہ نمازیوں کے جوتے سیدھے کیے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے دل سے عجب اور تکبر کو نکال دیا۔

بس اللہ راضی ہو جائے:

بھائی تصوف کا مقصود یہ ہے کہ نہ ہم نے رونا ہے نہ رلانا ہے' نہ اڑنا ہے' نہ اڑانا ہے' بلکہ ہم نے تو روٹھے رب کو منانا ہے۔ اللہ تعالیٰ راضی ہو گئے تو ہمیں ہمارا مقصود حاصل ہو گیا۔

اس لیے جو حضرات ذکر کے ذریعہ سے محبت کر لیتے ہیں۔ ظاہر دیکھنے میں تو انسان ہوتے ہیں۔ مگر ان کے اندر واقعی انسانیت کے کمالات آ جاتے ہیں۔

چند مثالیں:

ایک ہوتا ہے گنا اور ایک ہوتا ہے بانس۔ شکل میں دونوں ایک جیسے' مگر بانس کا درخت ہو تو تر و تازہ بانس اور گنا بالکل ایک جیسا' شکل ایک جیسی' مگر حقیقت میں

بڑا فرق ایک رس سے خالی ایک رس سے بھرا ہوا ایک پھیکا ایک سراپا مٹھاس۔

بالکل اسی طرح ایک عام آدمی جس نے تربیت نہیں پائی شکل میں وہ بھی انسان ہے اور جس نے تربیت پائی شکل میں وہ بھی انسان ہے۔ مگر ایک کی مثال بانس کی مانند ہے۔ اور دوسرے کی مثال گنے کی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے خالی ہے۔ اور اس کا دل اللہ کی محبت کی مٹھاس سے بھرا ہوا ہے۔ اس کی نماز میں اور اس کی نماز میں پھر زمین اور آسمان کا فرق ہوتا ہے۔

آپ کسی مزدور کو گھر لے کر آئیں اور کہو کہ پتھر توڑو بجری بنانی ہے تو وہ پتھر توڑ رہا ہے۔ مگر اس کے جذبات کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مارے باندھے کام کر رہا ہے۔ اللہ کرے آٹھ گھنٹے ختم ہوں اور مجھے میری مزدوری ملے اور میں گھر جاؤں۔ اور ایک فرہاد تھا۔ جسکو کہا گیا تھا کہ تم پہاڑ کو توڑو دودھ کی نہر نکالو تو تمہیں محبوب سے وصل حاصل ہو جائے گا۔ فرہاد پہاڑوں کو توڑتا تھا۔

علامہ اقبال نے کیا مزے دار شعر لکھا، فرماتے ہیں: ۔

ہر ضرب تیشہ ساغر کیف وصال دوست
فرہاد میں جو بات ہے مزدور میں نہیں

کہ فرہاد جب ضرب لگاتا تھا ہتھوڑے کی تو اس کو یوں لگتا تھا کہ ہر ضرب پر مجھے میرے محبوب کا وصل شراب کا جام مل رہا ہے۔

آج ہم مزدور والی نمازیں پڑھتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی محبت دل میں عطا فرمادے۔ پھر ہمیں فرہاد والی نمازیں نصیب ہو جائیں گی۔

پھر جب اللہ اکبر نماز میں کہیں گے تو پھر پوری دنیا کی چیزوں پر تکبیر پھیر دیں گے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائیں گے۔

آج کھڑے نماز میں ہوتے ہیں اور پہنچے پتہ نہیں کہاں ہوتے ہیں۔ بنیادی وجہ کیا

ہے کہ دلوں میں محبت کی وہ کیفیت نہیں ہے۔ ؎

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

بہترین نسخہ جات:

ہمارے تمام امراض کی بہترین دوا یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں اللہ کی محبت بھر جائے' پھر فجر پڑھنی مشکل نہیں ہوگی۔ نکاح بچانا مشکل نہیں ہوگا۔ جھوٹ سے بچنا مشکل نہ ہوگا۔ اللہ کی محبت کی وجہ سے ہر کام کرنا ہمارے لیے آسان ہوگا۔

علامہ اقبال نے لکھا: ؎

حقیقت خرافات میں کھوگئی
یہ امت روایات میں کھو گئی
بھاتا ہے دل کو بیان خطیب
مگر لذت شوق سے بے نصیب
وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرگ
محبت میں یکتا امانت میں فرق
عجم کے خیالات میں کھوگیا
وہ سالک مقامات میں کھوگیا
بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلمان نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

ایک وقت تھا ہمارے سینے میں اللہ رب العزت کی محبت کے انگارے ہوا کرتے تھے۔ ہم رات کے آخری پہر میں اٹھتے تھے۔ الا اللہ کی ضربیں لگاتے تھے۔ سینوں میں دل کانپتے تھے۔

تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
کھویا گیا ہے تیرا جذبہ قلندرانہ

آج وہ نعمت چھن چکی ہے۔ آج اس نعمت کو دوبارہ حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے آج ہم نمازیں پڑھتے ہیں۔ حاضری ہوتی ہے' حضوری نہیں ہوتی۔ جب وہ محبت آجائے گی' اللہ تعالیٰ حاضری کے ساتھ حضوری بھی عطا فرمادیں گے۔

کہنے والے نے کہا: ؎

سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذان میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو راستہ سیماب

سیماب کہتے ہیں پارہ کو' اور پارہ جہاں رکھو وہ تھرتھراتا رہتا ہے۔ تو کہنے والے کہتے ہیں کہ میں فلسطین اور مصر میں بھی وہ اذان نہ سنیں کہ جو اذان دی جاتی تھی' اس کو سن کر پہاڑ بھی پارے کی طرح کانپتے تھے۔ ؎

سنی نہ مصر و فلسطین میں وہ اذان میں نے
دیا تھا جس نے پہاڑوں کو راستہ سیماب
وہ سجدہ روح زمین جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

کہاں گئے وہ لوگ؟ کتنے خلوص کا سجدہ کرتے تھے۔ پیشانی زمین پر ہوتی تھی۔ اللہ کی زمین ہی کانپتی تھی۔ یہ سجدے ہمیں اپنے من کو صاف کر کے نصیب ہونگے۔ اللہ کے رنگ میں رنگے جانے سے نصیب ہونگے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمیں اپنی سچی محبت عطا فرمائے تاکہ ہم اللہ کی محبت میں ڈوب کر اس کی عبادت کرنے والے بن جائیں۔

آج تو ہمارے بھائی کہتے ہیں کہ بھائی اشراق پڑھ لو' ایک حج' ایک عمرے کا ثواب

ملے گا۔

جب ہم سنتے ہیں کہ ثواب ملے گا۔ پھر ہم بھی کوشش کرتے ہیں۔ یعنی عمل کرتے ہیں ثواب کی وجہ سے اور اگر محبت ہوئی' پھر ثواب کی پرواہ نہیں ہوگی۔ پھر کیا ہوگا حضرت مجذوب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

بندگی سے ہمیں تو مطلب ہے ہم ثواب و عذاب کیا جانیں
کس میں کتنا ثواب ملتا ہے عشق والے حساب کیا جانیں

اللہ رب العزت ہمیں وہ اپنی محبت عطا فرمادیں' وہ عشق عطا فرمادیں تاکہ قیامت کے دن ہم اللہ رب العزت کے چاہنے والوں' محبت کرنے والوں کی صف اور قطار میں شامل کرلیے جائیں۔ ۔

اللہ وہ دل دے جو تیرے عشق کا گھر ہو
دائمی رحمت کی تیری اس پہ نظر ہو
دل دے کہ تیرے عشق میں حال ہو اس کا
محشر کا اگر شور ہو تو بھی نہ خبر ہو

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

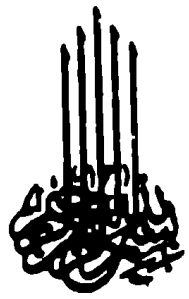

پاجا سراغ زندگی

نیکی اور بدی

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

نیکی اور بدی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ○ (سورۃ التین:۴)
سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

تمہید:

انسان اس دنیا میں اللہ رب العزت کا نائب، اس کا خلیفہ اور اس کی صفات کا مظہر اتم ہے۔ ہر انسان کو اللہ نے خوبیوں سے نوازا ہے۔

انسان صفات کا مجموعہ ہے:

نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((اَلنَّاسُ مَعَادِنُ کَمَعَادِنِ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ))

جس طرح سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، انسانوں کی مثال بھی ان کانوں کی مانند ہوتی ہے۔ کسی سے سونا نکلتا ہے۔ کسی سے چاندی، کسی سے تانبا، کسی سے لوہا۔ اسی طرح ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے مختلف صفات رکھی ہیں۔ حتی کہ برے سے برے انسان کی شخصیت پر غور کریں تو کچھ نہ کچھ خوبیاں اس میں بھی مل جائیں گی۔ انسان خیر اور

شر کا مجموعہ ہے۔ سراپا خیر فرشتے ہیں۔ جو سراپا شر ہیں وہ شیطان ہیں۔ جو خیر اور شر کا مجموعہ ہے وہ حضرت انسان ہے۔

مگر دستور یہ ہے کہ جس بندے پر خیر غالب ہو وہ اچھا انسان ہے اور جس پر شر غالب ہو وہ برا انسان ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ماحول اور معاشرے کے اندر خیر کے ضامن بن کر زندگی گزاریں' اللہ کے بندوں کے لیے راحت جان بن کر رہیں۔ اگر شر غالب ہوا تو وبال جان بن کر رہیں گے' یہ چیز اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

دنیا کے برے سے برے انسان کو بھی نیک مجلس میں لائیں تو اس کے نیک بننے کے چانسز موجود ہوتے ہیں اور نیک سے نیک انسان کو برے ماحول میں لے جائیں تو اس کے پھسلنے کے Chances موجود ہوتے ہیں۔

انسان اگر اپنا اچھا ماحول بنالے' نیک دوست بنالے تو آہستہ آہستہ اس کے اندر نیکی اور خیر بڑھتی جاتی ہے۔ ہم لوگ جو اس دنیا میں آئے تو ہمارے پاس اپنا کچھ بھی نہیں تھا۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے نہ اس کے پاس لباس اپنا' نہ مکان اپنا' نہ کھانا اپنا' منہ میں دانت نہیں' عقل پختہ نہیں' اپنا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہر ضرورت کو پورا کر دیتے ہیں۔

وہ ضرورت کیسے پوری ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ بچے کو ایک نعمت دیتے ہیں جس کو رونا کہتے ہیں۔ بچے کو سردی لگی وہ رو پڑا۔ ماں باپ نے بستر کا انتظام کر دیا۔ بچے کو بیماری ہوئی وہ رو پڑا' ماں باپ نے دوائی کا انتظام کر دیا۔ بچے کو بھوک لگی رو پڑا' دودھ کا انتظام ہو گیا۔ بچے کی جتنی بھی ضروریات ہیں۔ وہ رونے سے پوری ہوتی ہیں۔

یہاں سے کسی عارف نے نکتہ نکالا کہ اے انسان! جب تو رونا جانتا تھا اللہ تعالیٰ تیرے سب کاموں کو سنوار دیتے تھے۔ تو نے رونے کو بھلا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے کاموں کو اٹکا دیا۔

انسانی زندگی پر غور کرو:

انسان کی زندگی پر غور کریں۔ اللہ رب العزت اس دنیا میں آنے کے بعد انسان کو نعمتوں سے نوازتے ہیں۔ اپنی نعمتیں آہستہ آہستہ اس پر کامل کرتے ہیں۔ کچھ وہ نعمتیں ہیں کہ جو یہ پیدا ہوتے ہی لے کر آیا اور پھر کچھ اس دنیا میں آ کر کامل بنتی ہیں۔

مثال کے طور پر شروع میں یہ چھوٹا ہے۔ بیٹھ نہیں سکتا۔ اٹھ کر کھڑا بھی نہیں ہو سکتا۔ آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ اس کو ہمت طاقت دیتے ہیں۔ کھڑے ہونے کے قابل ہو گیا۔ پھر چلنا سیکھ لیتا ہے۔ پھر دوڑنے کے قابل ہو گیا۔ شروع میں بول نہیں سکتا۔ آہستہ آہستہ چند لفظ سیکھتے سیکھتے پھر بولنا بھی شروع کر دیتا ہے۔ پھر اس کے پاس علم نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ پھر اس کو لڑکپن کی عمر میں علم عطا کرتے ہیں۔ علم سیکھتے سیکھتے جوانی کی عمر کو پہنچ جاتا ہے۔

اب اس عمر میں اس کے پاس زندگی کا ساتھی نہیں ہوتا۔ پھر اللہ تعالیٰ اس کو نکاح کے ذریعہ بیوی عطا فرما دیتے ہیں اور مدد مل جاتی ہے۔ پھر اس کے لیے رزق حلال کا بندوبست ہوتا ہے۔

گھر ملا اپنی زندگی شروع ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں آہستہ آہستہ اس پر کامل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جب پیدا ہوا تھا تو اسے پوچھتا کوئی نہیں تھا۔

جوانی میں اللہ نے ایسی عزت سے نوازا کہ پورے ملک میں اس کے نام کو لوگ پہچانتے ہیں۔ یہ اللہ کی نعمت ہے۔

اب ایسا ذہن کہ لوگوں کے جھگڑوں کے بہترین فیصلے کرتا ہے۔ اب اسکا کاروبار ایسا شروع کیا کہ سینکڑوں لوگ اس کے ساتھ مل کر کام کرتے ہیں اور ان کی زندگی کی ضروریات پوری ہوتی ہیں۔ یہ کتنی Famlies کے لیے سپورٹ کا ذریعہ بنتا ہے۔ یہ نعمتیں اسے مل رہی ہیں۔ ایک سے بڑھ کر ایک نعمت اللہ تعالیٰ اسے دیتے جاتے ہیں۔

نعمتوں کا مقصد:

مگر ان نعمتوں کو دینے کا کوئی مقصد تو ہے نا؟ یہ نعمتیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے عطا کیں' ہمارا اپنا اس میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ غور کریں۔

- .....اللہ تعالیٰ ہمیں بینائی نہ دیتے' ہم اندھے ہوتے۔
- .....گویائی نہ دیتے' ہم گونگے ہوتے۔
- .....سر پر بال نہ دیتے' ہم گنجے ہوتے۔
- .....صحت نہ دیتے تو' بیمار ہوتے۔
- .....کھانا نہ دیتے تو' ہم بھوکے ہوتے۔
- .....پینے کو پانی نہ دیتے تو' ہم پیاسے ہوتے۔
- .....اگر اللہ تعالیٰ اولاد نہ دیتے تو' لاولد ہوتے۔
- .....اگر اللہ تعالیٰ گھر نہ دیتے' بے گھر ہوتے۔
- .....اگر اللہ تعالیٰ علم نہ دیتے' ہم جاہل ہوتے۔
- .....اگر اللہ تعالیٰ مال نہ دیتے تو' ہم بھکاری ہوتے۔
- .....اگر اللہ تعالیٰ عقل نہ دیتے تو' ہم پاگل ہوتے۔
- .....اگر اللہ تعالیٰ عزت نہ دیتے تو' ذلیل ہوتے۔

یہ جو عزتوں بھری زندگی دنیا میں گزار رہے ہیں' یہ سب اس مولیٰ کا کرم اور احسان ہے۔ یہ سب اللہ کی دی ہوئی نعمتیں ہیں۔ ان نعمتوں کی ہمیں قدر کرنی چاہیے۔

یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے کیوں دیں' کہ میرے بندے ان نعمتوں کو میرے حکم کے مطابق استعمال کریں:

﴿اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ﴾

بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات کا حکم فرماتا ہے۔

﴿اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَهْلِهَا﴾ (سورۃ نسا:۵۸)

کہ تم امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کرو۔

چناں چہ یہ امانتیں ہیں جو کچھ ملا۔ ان کو اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق استعمال کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان امانتوں کو اور بڑھائیں گے اور اگر غلط استعمال کریں گے' اللہ تعالیٰ امانتیں واپس لے لیں گے۔

مثال سے وضاحت:

آپ نے اگر کسی بندے کو کرائے پر مکان دیا ہو تو آپ کے بھی مطالبات ہوتے ہیں۔ وہ میرے گھر کو صاف رکھے' Maintane رکھے' اس کا فلاں سسٹم بھی ٹھیک ہو' بجلی کا سلسلہ بھی ٹھیک ہو' اور اگر وہ بندہ کیئر نہ کرے اور جو آپ نے گارڈن بنایا تھا اس کے پودوں کو پانی بھی نہ دے' مکان کو گندا کرنا شروع کر دے تو آپ چھ مہینے کے بعد نوٹس دیتے ہیں کہ آپ گھر کو خالی کر دو۔ آپ اس قابل ہی نہیں کہ اتنے اچھے Maintane گھر کے اندر زندگی گزار سکو۔ آپ اس کرائے دار کو نکال دیتے ہیں۔

کیوں؟ ہماری چیز' ہم نے استعمال کے لیے دی اور اس نے ٹھیک استعمال نہ کی تو ہم واپس لے لیتے ہیں۔ یہی معاملہ اللہ رب العزت کا ہے۔

اوقات یاد رکھو:

وہ بھی ہر بندے کو دنیا میں نعمتیں دیتے ہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ نعمتیں کامل ہو جاتی ہیں۔ جب 30' 35 سال کی عمر ہوتی ہے تو انسان کے اوپر بھرپور جوانی ہوتی ہے۔ اس وقت دنیا میں اس کے پاس کاروبار بھی ہے۔ مال بھی ہے۔ جمال بھی ہے اولاد بھی ہے۔ تجربہ بھی ہے۔ اس وقت بندے کے پاس نعمتوں کا عروج ہوتا ہے۔ پھر اس وقت کئی مرتبہ بندہ اپنی اوقات کو بھول جاتا ہے۔ اس کو اوقات یاد نہیں رہتی۔

پھر ذرا سی بات پر دوسرے کو کہتا ہے کہ تو مجھے جانتا نہیں میں کون ہوں' اب میں

آ گئی۔ بات ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ میں تو وہ کروں گا جو میری مرضی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ میرے بندے تو وہ کر جو میری مرضی ہے۔

اس لیے کہ تو یہ کرائے کی گاڑی ہے۔ تمہیں سٹیئرنگ پر بٹھادیا۔ اب تم تھوڑی دیر ڈرائیونگ کرنے کے بعد واپس کردو گے۔

یہ ہماری زندگی کی چھ فٹ کی گاڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا ڈرائیور بنادیا۔ اب ہم اسے چلاتے پھرتے ہیں۔ کبھی جاگتے ہیں' کبھی سوتے ہیں۔ کبھی کھانا کھاتے ہیں' کبھی دوستوں میں بیٹھ کر قہقہے لگاتے ہیں۔ یہ ہم اس گاڑی کو استعمال کررہے ہیں اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں کہ اس گاڑی کو میری منشاء کے مطابق استعمال کرو تو تمہیں اس پر اجر ملے گا اور اگر میرے حکم کے خلاف استعمال کرو تو پھر تم نااہل ہو' اس گاڑی کے مالک کے بننے کے تم قابل ہی نہیں۔

چناں چہ اس کو میں ایک مثال سے عرض کردیتا ہوں تاکہ بات آگے بڑھے۔

سوچ کا امتحان:

ایک باپ بڑا امیر ہے۔ اربوپتی ہے۔ اس کا بیٹا پڑھ لکھ کر تیار ہوجاتا ہے۔ باپ کہتا ہے کہ دیکھو میں تمہیں چھوٹا سا کاروبار کرکے دوں گا۔ تم اسے خود مختار چلاؤ' اگر تم نے اس چھوٹے سے کاروبار کو' 25' 30 لاکھ کے کاروبار کو اچھا چلالیا اور ثابت کردیا کہ تمہارے اندر اہلیت بھی ہے اور جو میں نے ہدایات دی تھیں تم نے اس کے مطابق اسکو چلایا اس کو اپنی خصوصی توجہ کے ساتھ چلایا۔ تو بیٹے! یہ جتنا کاروبار ہے' میں سب تیرے حوالے کردوں گا۔ تو کوشش کرے گا۔ اگر 20' 25 لاکھ کا کاروبار نہ سنبھال سکا اور اس میں بھی تو نے من مرضی کی اور کمپنی کو نقصان میں لے گیا تو تو اس قابل نہیں کہ میں تجھے پوری کمپنی کا مالک بناؤں۔ میں یہ بھی تجھ سے واپس لے لوں گا۔ یہ مثال اگر سمجھ میں آ گئی تو پوری زندگی کی مثال سمجھنی آسان ہے۔

نعمتوں کی تکمیل:

اللہ تعالیٰ دنیا میں یہ نعمتیں دیتے ہیں' لیکن ایک وقت آتا ہے کہ یہ نعمتیں واپس لینا شروع کر دیتے ہیں۔ پہلے نظر کمزور ہونا شروع ہوگئی' چناں چہ 40 سال کے بعد دور کی نظر اکثر لوگوں کی کمزور ہو جاتی ہے۔ جو ریڈنگ کا کام زیادہ کرتے ہیں انہیں ریڈنگ Glasses لگانے پڑتے ہیں۔ اب یہ نعمت آہستہ آہستہ واپس جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ لے رہے ہیں عمر کے ساتھ ساتھ' پہلے دانت صحیح تھے۔ ہڈی توڑتا ہے۔ اب ایک دانت کے اندر کمزوری ہوئی۔ ڈاکٹر کے پاس جانا پڑتا ہے۔ ایک دانت نکلا' پھر دوسرا نکلا' عمر کے ساتھ کئی دانت ہی نکل جاتے ہیں۔ ان کو دوبارہ لگوانا پڑتا ہے۔ یہ نعمت واپس جا رہی ہے۔

جوانی تھی' سارے بال کالے تھے۔ پھر ایک بال سفید ہوا' دوسرا سفید ہوا' اب بڑھاپا آ رہا ہے حتی کہ سارے بال ہی سفید ہو جاتے ہیں۔

جوانی میں یہ دوڑتا تھا۔ بھاگتا تھا۔ کھیلتا تھا۔ تھکنا جانتا نہیں تھا۔ اب حالت یہ ہوگئی کہ بیٹھا' اٹھ کر کھڑا ہو تو آنکھوں کے آگے اندھیرا آتا ہے۔ تھوڑی دور چلتا ہے تو کمر کی درد شروع ہوگئی۔ سیڑھیاں چڑھ جائے تو اس کو سانس کی تکلیف ہو جاتی ہے۔

یہ نعمتیں آہستہ آہستہ واپس جا رہی ہیں۔ پہلے لکڑ ہضم' پتھر ہضم' جو کھاتا تھا سب ٹھیک اب میں فلاں چیز کھاتا ہوں' پیٹ خراب ہو جاتا ہے۔ یہ نعمت واپس جا رہی ہے۔

پہلے ایک دفعہ بات سن لیتا تھا۔ سمجھ آتی تھی۔ اب یاد کی ہوئی باتیں بھولنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ نعمت واپس جا رہی ہے۔

آہستہ آہستہ اللہ تعالیٰ بندے کو زندگی میں نعمتیں دیتے ہیں اور نکتہ کمال تک پہنچاتے ہیں اور کچھ عرصہ جوانی کا کامل نعمتوں میں انسان زندگی گزارتا ہے۔ زندگی کے پرائم وقت گزارتا ہے۔ اس کا ایسا وقت ہوتا ہے۔ پھر یہ اس کا امتحان ہے' اب اس میں Play کیسے کر رہا ہے۔ یہ گیم کیا کر رہا ہے۔ اب مرضی کی یا ہمارے حکم کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔

ہم نے پاؤں دیئے چل کر مسجد اللہ کے گھر میں نماز پڑھنے کے لیے جائے' یہ تو کلب کی طرف جارہا ہے۔ اس نے پاؤں کا استعمال ٹھیک نہیں کیا۔ ہم نے تو آنکھ دی تھی کہ اس سے یہ اللہ تعالیٰ کے قرآن کو پڑھے' ہمارے گھر کو محبت سے دیکھے۔ ماں باپ کے چہرے پر عقیدت کی نظر ڈالے' لیکن اس نے آنکھ کا غلط استعمال کیا' غیر محرم کو دیکھتا پھرتا ہے۔ یہ تو جمال کا عاشق بن گیا اور جمال عطا کرنے والے کے حکم کو بھول گیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نعمت کا غلط استعمال کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ آزماتے ہیں:

کچھ عرصہ اللہ تعالیٰ بندے کو آزماتے ہیں۔ آزمانے کے بعد پھر ان نعمتوں کو واپس لیتے ہیں۔ حتی کہ جب موت آتی ہے تو یہ تمام نعمتیں بندے سے کامل طور پر چھن جاتی ہیں۔ واپس لے لی جاتی ہیں۔

اب یہ بندہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ پوچھیں گے بتا میرے بندے میری نعمتوں کو کیسے استعمال کیا؟ اب اسکو جواب دینا پڑے گا۔ اس کے لیے چار سوال ہونگے۔

زندگی کیسے گزاری؟

جوانی کیسے گزاری؟

کدھر سے کمایا کدھر استعمال کیا؟

اپنے علم پر کتنا عمل کیا؟

ان چار سوالوں سے پتہ چل جائے گا کہ اس نے اپنی Life کیسے گزاری؟

اگر ثابت ہوگیا قیامت کے دن کہ یہ نیکی پر زندگی گزارنے والا بندہ تھا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں بھیجیں گے اور تمام نعمتوں کو پہلے سے زیادہ کامل فرمادیں گے۔

اگر ثابت ہوگیا کہ اس نے نعمتوں کا غلط استعمال کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسکو جہنم میں بھیجیں

گے اور اپنی نعمتیں اس سے ہمیشہ کے لیے واپس لے لیں گے۔

نیکی اور گناہ کے اثرات ہوتے ہیں:

ذرا غور کیجیے کہ یہ کیسے معاملہ ہے؟ چناں چہ وہ بندہ جو دنیا میں نیکی کرتا تھا۔ اس کے چہرے پر دنیا میں بھی نیکی کا نور تھا۔ شگفتگی تھی' موت کے بعد جب اس کا حساب ہوا' پتہ چلا کہ نیک تھا متقی تھا۔ جتنی دنیا میں اس نے نیکی کی ہوگی' اللہ تعالیٰ اتنا نور اس کے چہرے پر سجا دیں گے۔

چناں چہ اس دن اسکا چہرہ:

﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ﴾ (سورۃ آل عمران:۱۰۶)

منور چہرہ ہوگا' چمکتا چہرہ ہوگا۔ ایسا اللہ تعالیٰ چہرہ عطا فرما دیں گے۔

اگر اس نے دنیا میں گناہ کیے تو جتنی گناہوں کی ظلمت ہوگی' اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے پر لیپ کر دیں گے۔ چناں چہ فرمایا:

﴿وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ (سورۃ آل عمران:۱۰۶)

ایسے بھی لوگ ہوں گے کہ قیامت کے دن ان کے چہرے بالکل کالے کر دیئے جائیں گے۔ وہ چہرے کی رعنائی سے محروم کر دیا گیا۔ تم اس قابل نہیں ہو کہ تم اس حسین چہرے کے ساتھ رہو۔ تم چہرے بنا کے کسی غیر کو دکھانے کے لیے تیار ہو کر جاتے تھے۔ تم اس قابل نہیں۔ لہٰذا جہنم میں کالے چہرے کے ساتھ ڈالے جائیں گے۔

﴿وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ﴾ (سورۃ مومنون:۱۰۴)

قرآن مجید گواہی دے رہا ہے کہ جہنمی جہنم میں جائیں گے' چہرے سیاہ ہونگے۔

اللہ تعالیٰ نے بینائی عطا فرمائی۔ اگر اس نے قیامت کے دن ثابت کر دیا۔ اے اللہ میں نے اس بینائی کو تیرے حکم کے مطابق استعمال کیا' میں نظریں جھکا کر چلتا تھا۔ میں غیر محرم سے نظریں بچاتا تھا۔ میں تیرے قرآن کو محبت کی نظر سے دیکھ کر پڑھتا تھا۔ اب یہ

اس قابل ہے کہ اللہ اس کی نظر کو پہلے سے زیادہ کامل کر دیں۔

چناں چہ جنت میں اللہ تعالیٰ بھیجیں گے اور اس کو ایسی نظر عطا فرمائیں گے کہ اس کے ساتھ یہ اپنے اللہ کا دیدار کر سکے گا۔ کیا جنتیوں کو نگاہ ملے گی جو اللہ کا دیدار کرے گی۔ یہ کامل نظر اسے مل گئی ہے۔

اگر اس نے دنیا میں اپنی نظر کو غلط استعمال کیا اور قیامت کے دن پتہ چل گیا کہ اس نے اس نعمت کو صحیح استعمال نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت کو واپس نہیں لوٹائیں گے۔ موت کے وقت لیں گے اور قیامت کے دن اندھا کھڑا کریں گے اور جہنم میں بھی اندھا ڈالیں گے۔

قرآن عظیم الشان اس پر گواہی دے رہا ہے:

﴿مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ (سورۃ اسرا:۷۲)

جو دنیا میں اندھا بن کر رہے گا' ہمارے احکام سے غفلت کرے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اس کو اندھا کھڑا کریں گے:

﴿قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى﴾ (سورۃ طٰہٰ:۱۲۵)

پوچھے گا۔ اللہ! مجھے اندھا کیوں کھڑا کیا؟

﴿وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا﴾ (سورۃ طٰہٰ:۱۲۵)

میں دنیا میں تو آنکھوں والا تھا:

﴿قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى﴾ (سورۃ طٰہٰ:۱۲۶)

فرمائیں گے کہ دنیا میں تمہارے پاس ہماری آیتیں آئیں تھیں تو نے ان کو بھلا دیا۔ اس کے بدلے ہم نے آج تجھے بھلا دیا۔

چناں چہ جہنم میں جنتی کی بینائی نہیں ہوگی' روشنی نہیں ہوگی' اندھا ہوگا۔ دنیا کے اندر اللہ رب العزت نے اسے زبان عطا کی۔ زبان دی کہ اللہ تعالیٰ کا قرآن پڑھو' دین کی دعوت دو' خیر کی طرف لوگوں کو بلاؤ' لیکن یہ زبان سے غیبت کرتا ہے' جھوٹا بولتا ہے' بہتان

لگاتا ہے' لوگوں کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ دل آزاری کرتا ہے۔

قیامت کے دن اس بندے کو کھڑا کیا جائے گا۔ اس نے زبان کا استعمال ٹھیک کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے ایسی زبان عطا کریں گے کہ یہ جنت میں جائے گا اور انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ہم کلامی کرے گا۔

اگر غلط استعمال کیا تو پھر جہنم میں بھیجیں گے اور جہنم میں اس آدمی کو گونگا بنا کر ڈالیں گے۔ قرآن اس پر گواہی دے رہا ہے کہ جہنمی کو گونگا بنا دیا جائے گا۔ بات ہی نہیں کر سکے گا۔

اگر اس بندے نے دنیا کے اندر لباس شریعت کے مطابق پہنا' سنت کے مطابق پہنا اور قیامت کے دن ثابت ہو گیا کہ بھائی لباس اسکا شریعت کے مطابق تھا۔

اب اسکو اللہ تعالیٰ جنت میں بھیجیں گے۔

﴿وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ﴾ (سورۃ فاطر:۳۳)

اور اس بندے کو ریشم کا لباس عطا فرمائیں گے۔ اور اگر پتہ چلا کہ نہیں اس کو غیروں کی طرز اپنانے میں شوق تھا' محبت تھی۔ یہ تو کفار سے مشابہت کرتا تھا اللہ رب العزت قیامت کے دن اس لباس کی نعمت اس سے واپس لیں گے اور کیسا لباس پہنائیں گے۔

﴿سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ﴾ (سورۃ ہود:۵۰)

اللہ تعالیٰ سدھک کا لباس پہنائیں گے کیسا ہوگا؟

فقہاء نے لکھا ہے کہ ساری دنیا کے انسان' حیوان' درند' پرند' اگر ایک جگہ پر جمع ہوں اور مر جائیں اور سب کی لاشیں گل سڑ جائیں' اتنی بدبو وہاں نہیں ہوگی' جتنی بدبو جہنمی کے کپڑوں میں ہوگی۔ ایسے بدبودار کپڑے پہنا دیئے جائیں گے۔ دم گھٹے گا۔

پھر سوچیں گے کہ دنیا میں Pionson لگایا کرتے تھے۔ خوشبو کے بغیر گزارہ نہیں ہوتا تھا۔ روم فریشر لگاتے تھے۔ اب ایسے کپڑے پہنا دیئے جائیں گے۔ کیوں؟ کہ تمہیں چھوٹی سی نعمت دی تھی' تم نے اس کو غلط استعمال کیا۔ تو اس قابل ہی نہیں کہ تجھے

زیادہ نعمت دیں، ہم تجھ سے وہ بھی واپس لے لیں گے۔

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو کھانے کی صلاحیت دی۔ اگر یہ حلال کھاتا ہے، حرام سے بچتا ہے اور قیامت کے دن ثابت ہو گیا کہ یہ بندہ حلال کھاتا تھا تو اللہ رب العزت اس کو جنت میں بھیجیں گے اور اسکو کھانے کی صلاحیت اتنی بڑھا دیں گے کہ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کے فرشتے دسترخوان لگائیں گے اور ان میں سے یہ مزے لینے لے کر کھائے گا۔ پیٹ بھرے گا، ڈکار آئے گا اور اسے پھر بھوک لگے گی اور پھر انسان کھانا شروع کر دے گا۔ ایسی کھانے کی صلاحیت کہ انسان کھاتا ہی رہے گا اور مزے لیتا رہے گا۔ بھوک کی وجہ سے نہیں کھائے گا۔ جنت میں لطف لینے کے لیے Enjoy لینے کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جنتیوں کے دسترخوان کی تقسیم بیان کی:

﴿وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ○ لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ ○ وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ○ وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ﴾ (سورۃ واقعہ: ۱۸ تا ۲۱)

مختلف قسم کے مشروبات، میوے، بھنے ہوئے گوشت، اس جنتی کو ملیں گے اور یہ بیٹھ کر کھائے گا، اور مزے اڑائے گا، کیوں؟ دنیا میں حلال حرام کی تمیز بھی نہیں تھی۔ اپنے پیٹ کو بھرتا رہا، جیسے ردی کی ٹوکری ہوتی ہے۔ جو آئے ڈالتے جاؤ۔ بعض لوگوں کا پیٹ بھی ردی کی ٹوکری کی طرح ہوتا ہے جو آتا ہے، آتا رہے۔

اگر نعمت کا صحیح استعمال نہ کیا تو:

اگر یہ ثابت ہو گیا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے وہ نعمت واپس لے لیں گے اور جہنم میں اس کو پھر صحیح کھانا نہیں ملے گا۔ کیسا ملے گا؟ قرآن سے پوچھئے جواب ملے گا کہ:

﴿إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ○ طَعَامُ الْأَثِيمِ ○ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ○ كَغَلْيِ الْحَمِيمِ﴾ (سورۃ دخان ۴۳ تا ۴۶)

زقوم ایک پودا ہوتا ہے، جس کے اوپر کانٹے ہوتے ہیں اور وہ کڑوا بھی ہوتا ہے، وہ

زقوم کا پودا کھانے کے لیے دیا جائے گا۔ یہ بھوک کی شدت کی وجہ سے اس کو کھائے گا۔ کانٹے چبھیں گے' نہ نگلتے بنے گی' نہ اگلتے بنے گی۔ پریشان ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جیسے پگھلا ہوا تانبا اندر ڈال دیا جائے اس طرح اس کے پیٹ میں جا کر عمل کرے گا' یہ کھانے کو ملے گا۔ دنیا میں اگر اس نے حلال مشروبات پیے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت کے اندر شراب طہور پلائیں گے۔ خود پلائیں گے:

﴿وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا﴾ (سورۃ دھر:۲۱)

کئی مہمان ہوتے ہیں' تو آتے ہی انسان اپنے خادم کو کہہ دیتا ہے' نوکر کو کہہ دیتا ہے کہ ان کو پانی پلاؤ' خادم ان کو پانی پلاتے ہیں۔ اور کچھ ایسے مہمان ہوتے ہیں کہ انسان ان کو اپنے ہاتھوں سے پیش کرتا ہے۔

جنت میں بھی ایسے ہی ہوگا کہ کچھ جنتی ہونگے ان کو جنت کے فرشتے یا' ولدان..... وہ ان کو پانی پلائیں گے اور کچھ ایسے ہونگے کہ اللہ کے چاہنے والے

﴿وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا﴾ (سورۃ دھر:۲۱)

ان کا رب ان کو شراب طہور پلائے گا۔

کیسی خوش نصیبی ہوگی۔ اگر ہم اس دن یہ ثابت نہ کر سکے کہ ہم صحیح مشروبات پیتے تھے' کوئی صاحب تھوڑی سی پیتے ہونگے۔ کچھ زیادہ پیتے ہونگے تو پھر قیامت کے دن جہنم میں بھیجا جائے گا۔ جہنم میں کیا پینے کو ملے گا۔ قرآن مجید سے پوچھیے۔ قرآن عظیم الشان جواب دیتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَا طَعَامٌ إِلَّا مِنْ غِسْلِينٍ ○ لَا يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ﴾ (سورۃ حاقہ:۳۶،۳۷)

کہ جہنمیوں کے زخموں سے جو خون اور پیپ بہے گی اس کو جمع کیا جائے گا اور پیالے میں بھر کر گرم گرم جہنمی کو پینے کو دی جائے گی اور یہ اسے پیے گا اور وہ اتنی گرم ہوگی کہ اس کی آنتیں اس کے پاخانے کے راستے باہر نکل جائیں گی۔ اتنی بدبودار چیز پینے کو ملے گی۔ آج

اگر کسی بندے کے جسم میں پیپ ہو تو کمرے میں نہیں کھڑا ہوا جاتا' اتنی بدبو ہوتی ہے۔

قیامت کے دن بندہ اس پیپ کو پیئے گا شدت پیاس کی وجہ سے' اللہ تعالیٰ نعمت واپس لے لیں گے۔ فرمائیں گے کہ تو Jestify نہیں کر سکتا کہ تو اس نعمت کے حاصل کرنے کے قابل نہیں ہے۔ تجھے دنیا میں امانت دی تھی۔ کیوں غلط استعمال کیا؟

دیکھئے! دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ نے اس کو مکان دیا کہ تم اس میں بیوی بچوں کے ساتھ زندگی گزارو۔ اس کو میرے پیارے حبیب ﷺ کی یادوں کا گلشن بناؤ۔ نمازیں پڑھو۔ تلاوت کرو۔ خیر کے کام کرو۔

اگر ہم نے ایسا کر لیا تو اللہ تعالیٰ جنت میں اس سے بہتر گھر عطا کریں گے۔

اللہ کے راستہ کی برکت:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو شخص اللہ کے راستہ میں نکلا اور اس کی راستے میں موت آ گئی تو جہاں سے نکلا تھا' وہاں سے لے کر اس کی موت آنے کی جگہ تک ایک ہیرے کا بنا ہوا گھر اسے عطا فرما دیں گے۔ بے جوڑ ہیرے کا گھر اسے عطا فرمائیں گے۔ کم سے کم جنتی کو جو گھر ملے گا وہ اس دنیا سے دس گنا بڑا ہو گا۔ آج تو مرلوں کے مکان میں رہتے ہیں۔ جنت میں چلے گئے تو دنیا سے دس گنا بڑا مکان ملے گا۔

اگر آپ نے ثابت کر دیا کہ نہیں ہم تو گھر میں ٹی وی بھی لگا بیٹھے' کیبل بھی لگا بیٹھے' انٹرنیٹ کی مصیبت کو بھی لے آئے اور نماز کے لیے صبح اٹھتا بھی کوئی نہ تھا۔ ہفتوں تلاوت بھی کوئی نہیں کرتا تھا اور روز میوزک بجتی تھی اور انڈیا کے گانے' پاکستان کے گانے چلتے تھے۔ روز فنکشن ہوتے تھے۔ کھانے پینے کے' مگر نمازوں کی طرف دھیان نہیں تھا۔ ہم نے گھر کی نعمت کو صحیح استعمال نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ اس بندے کو جہنم میں بھیجیں گے۔

جہنم میں تکلیف:

جہنم میں کیسا مکان ہو گا؟ پوچھئے قرآن عظیم الشان سے کہ کیسا ہو گا؟ فرمایا:

﴿مَكَانًا ضَيِّقًا﴾

جہنمی کو ایسا مکان دیں گے کہ اتنا چھوٹا ہوگا جیسے ڈربہ ہوتا ہے چھوٹا' مرغیوں کا' اس طرح کا ڈربہ سا بنا ہوگا۔

﴿دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا﴾ (سورۃ فرقان:۱۳)

قرآن کہتا ہے کہ اتنا تنگ ہوگا کہ یہ بے اختیار کہے گا اللہ! مجھے اس سے تو موت دے دے۔ یہ موت مانگے گا۔

جواب کیا ملے گا؟

﴿لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا﴾ (سورۃ فرقان:۱۴)

اللہ فرمائیں گے کہ ایک موت نہ مانگو' کئی موتیں مانگو' پھر بھی تمہاری آج جان نہیں چھوٹتی۔

اب تو گھبرا کر کہتے ہیں کہ مرجائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

دیکھئے! یہ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ یہ جسم ہمارا ہماری ملکیت تو نہیں ہے۔ یہ اللہ کی ملکیت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا مالک ہے۔ ہمیں تو اس کا کنٹرول اللہ تعالیٰ نے تھوڑی دیر کے لیے دیا ہے۔ ہم جب چاہیں دیکھتے ہیں' اٹھتے ہیں' بیٹھتے ہیں' کھاتے ہیں' پیتے ہیں۔ مگر قرآن عظیم الشان نے فرمایا:

﴿اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا﴾ (سورۃ نساء:۵۸)

امانتوں کو ان کے اہل تک پہنچاؤ اور ان کی مرضی کے مطابق استعمال کرو۔

اگر ہم نیکی کی زندگی گزاریں تو گویا ہم نے امانتوں کا ٹھیک استعمال کیا اور اگر ہم گناہ پر زندگی گزاریں گے تو گویا ہم ان امانتوں کو غلط استعمال کرنے والے بنیں گے۔ پھر اللہ رب العزت ہمیں یہ دوبارہ مرنے کے بعد امانتیں واپس نہیں عطا فرمائیں گے۔ بندہ سے

واپس لے لی جائیں گی۔

کچھ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ ماشاء اللہ زندگی کی قدر و قیمت کو پہچاننے والے سر کے بالوں سے لے کر ناخنوں تک ان کے جسموں سے اللہ کی کوئی نافرمانی نہیں ہوتی۔

امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اس امت میں ایسے بھی لوگ گزرے ہیں کہ ان کے گناہ لکھنے والے فرشتے کو بیس سال تک گناہ لکھنے کا کوئی موقع نہ ملا۔

ایسے بھی لوگ گزرے پانچ انگلیاں برابر تو نہیں ہوتیں اگر ہم کمزور ہیں گنہگار ہیں۔ خطا کار ہیں تو نیک لوگوں سے تو دنیا قائم ہے۔ انہی کی وجہ سے تو دنیا آباد ہے۔

قرآن فہمی کا عجیب واقعہ:

عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں حج کے سفر سے واپس آ رہا تھا۔ ایک جگہ تھکا تو سو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ اونٹ پر سوار کوئی آ رہا ہے۔ قریب آیا تو میں نے کہا: السلام علیکم

جواب میں ایک عورت کی آواز آئی، بچی عمر کی لگتی تھی۔ جس نے کہا:

﴿سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ﴾ (سورۃ یٰسین:۵۸)

یعنی ایسی آیت پڑھی کہ جس سے سلام کا معنی نکلتا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اماں! آپ اکیلی جنگل میں کہاں؟ اس نے قرآن کی آیت پڑھی:

﴿مَنْ يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ﴾ (سورۃ اعراف:۱۸۶)

جس کا مطلب یہ تھا کہ میں راستہ بھول گئی ہوں۔ میں نے کہا کہ اماں آئی کہاں سے ہے؟ اس نے آیت پڑھی:

﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ﴾ (سورۃ بقرہ:۱۹۶)

میں سمجھ گیا کہ حج کر کے آ رہی ہے۔

میں نے پوچھا کہ اماں جانا کدھر ہے؟ کہنے لگی:

﴿اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ﴾ (سورۃ یوسف:۹۹)

مجھے پتہ چل گیا کہ یہ شہر جانا چاہتی ہے۔ میں نے بھی شہر جانا ہے۔

میں نے کہا کہ اماں! میں آپ کے اونٹ کی مہار پکڑ لیتا ہوں اور آپ کو شہر تک پہنچا دیتا ہوں۔ اس نے آیت پڑھی:

﴿اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ﴾ (سورۃ اسراء:۷)

مطلب کیا کہ نیکی کرو گے تو نیکی کا اجر پاؤ گے۔

میں چل پڑا' راستے میں خیال آیا کہ پتہ نہیں کہ یہ کس قبیلے کی ہے؟ میں ذرا پوچھوں تو صحیح' میں نے اس سے پوچھا کہ اماں آپ کس قبیلہ کی ہیں؟ اس نے جواب میں آیت پڑھی:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰۗىِٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا﴾ (سورۃ اسراء:۳۶)

مطلب کیا تھا کہ جس چیز سے تمہارا واسطہ نہیں' تم کو اس کے پوچھنے کا کیا فائدہ؟

﴿لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَاۗءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ﴾ (سورۃ مائدہ:۱۰۱)

کہنے لگے کہ میں خاموش ہو گیا۔

اب تھوڑا راستہ لمبا تھا۔ میں نے کہا کہ اچھا میں کچھ شعر پڑھتا ہوں۔ میں نے کچھ عربی کے اشعار پڑھنے شروع کر دیئے۔ بندہ جیسے گنگنانے لگ جاتا ہے۔

جب اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگی:

﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ (سورۃ مزمل:۲۰)

مطلب کیا کہ اگر تم نے کچھ بولنا ہے تو قرآن پڑھو۔ میں نے قرآن پڑھنا شروع

کر دیا۔ لیکن اندر اندر میں بڑا حیران' پتہ نہیں یہ کیسی عورت ہے' میری ہر بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ کے قرآن کی تلاوت کرتی ہے۔

خیر میں جب شہر میں داخل ہونے لگا تو میں نے پوچھا کہ یہاں آپ کا کون ہے؟ اس نے آیت پڑھی:

﴿اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ (سورۃ کہف:۴۶)

میں پہچان گیا کہ اس کے بچے ہیں۔ بیٹے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ اماں آپ کے بچوں کے نام کیا ہیں؟ کہنے لگی:

﴿اِنَّ اِبْرَاهِیْمَ وَاِسْمَاعِیْلَ وَاِسْحَاقَ﴾ (سورۃ بقرۃ:۱۴۰)

میں سمجھ گیا کہ بچوں کے یہی نام ہیں۔ میں نے آواز لگائی' تھوڑی دیر کے بعد تین بڑے خوب صورت جوان نیکی کے نور سے معمور' تقویٰ سے سرشار وہ آ گئے۔ اپنی والدہ سے ملے۔ بڑے خوش ہو گئے' وہ والدہ کو ڈھونڈ رہے تھے کہ اس کا کہیں اونٹ گم ہو گیا ہے

جب وہ آ کر ملے تو والدہ نے ان کو کہا:

﴿وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ﴾ (سورۃ دھر:۸)

مطلب تھا کہ اس کو کھانا کھلاؤ۔ جب کھانا میرے سامنے رکھا تو میں نے کہا کہ کیا ضرورت ہے کھانے کی؟ کوئی بات نہیں میں چلتا ہوں۔ اس نے آیت پڑھی:

﴿اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ﴾ (سورۃ دھر:۹)

مطلب یہ ہے کہ ہم تو تجھے اللہ کی رضا کے لیے کھلا رہے ہیں۔ میں نے کھا لیا' جب کھا کر فارغ ہو گیا تو اس نے قرآن کی آیت پڑھی:

﴿اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْیُكُمْ مَّشْكُوْرًا﴾ (سورۃ دھر:۲۲)

شکریہ ادا کیا۔

میں بڑا حیران ہوا اور مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں نے اس کے بیٹے سے پوچھا کہ مسئلہ

کیا؟ جب بھی میں نے کوئی بات کی اور پوچھی اس نے آگے سے قرآن کی آیت پڑھی۔

اس نے کہا کہ میری والدہ قرآن کی حافظہ اور حدیث کی عالمہ ہے اور اس کے دل میں قیامت کے دن اللہ کے سامنے پیش ہونے کا اتنا خوف ہے کہ اس نے فیصلہ کیا کہ میں قرآن کے سوا کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالوں گی۔ پچھلے 20 سال سے قرآن کے سوا کوئی لفظ بھی اس کی زبان سے نہیں نکلا۔

ذرا غور کرو:

اگر قیامت کے دن ایسے بھی لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہونگے۔ اور پھر ہم بھی کھڑے ہونگے کسی کو کمینہ کہا، کسی کو ذلیل کہا، کسی کو بے ایمان کہا تو سوچو پھر اس دن کتنی ندامت ہوگی؟ کتنی شرمندگی ہوگی؟ آج غیبتیں کرنی آسان، کل اللہ کے سامنے جواب دینا مشکل کام ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا واقعہ:

نیک لوگ بھی دنیا میں گزرے ہیں۔ بلکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے والد کا واقعہ لکھا ہے۔ بعض نے شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ تاہم دو تین کتابوں میں، میں نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں پڑھا ہے۔ ان کے والد درویش آدمی تھے۔ ثابت نام تھا۔ جوانی تھی۔ عبادت اور ذکر میں لگے رہتے تھے۔ ایک دن جا رہے تھے نہر کے کنارے، بھوک بھی لگی ہوئی تھی۔ چناں چہ انہوں نے ایک سیب پانی میں تیرتا دیکھا۔ جب بھوک لگی ہوئی ہو تو کچھ سمجھ بھی نہیں لگتی۔ انہوں نے وہ سیب لیا اور کھا لیا، جب پیٹ میں کچھ پڑ گیا تو اب بات سمجھ میں آ گئی پہلے تو آئی نہیں۔

پیٹ نہ پیاں روٹیاں
سبے گلاں کھوٹیاں

اب جب پیٹ میں کچھ پڑ گیا۔ اب خیال آیا کہ یہ سیب میرا تو نہیں تھا۔ یہ تو کسی

اور کا ہوگا اور میں نے بغیر اجازت کے اس کو کھالیا ہے۔ اب یا تو میں اس کی قیمت ادا کروں یا میں اس سے معافی مانگ لوں۔

چناں چہ جدھر سے پانی آ رہا تھا۔ ادھر انہوں نے چلنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دور آگے گئے۔ دیکھا کہ سیب کے درخت لگے ہوئے ہیں' پہچان گئے کہ اس کا سیب گرا ہوگا۔ مالک کو ملے۔ اس کو بتایا کہ ایک سیب آپ کا پانی میں بہہ رہا تھا۔ میں فقیر درویش آدمی ہوں۔ میں نے اس کو لے کر کھالیا۔ آپ مجھے اللہ کے لیے معاف کر دیں۔ انہوں نے کہا کہ میں تو معاف نہیں کرتا۔

اب آپ معافی مانگ رہے ہیں اور وہ معاف ہی نہیں کرتا۔ ادھر سے اقرار ادھر سے انکار۔ پھر کہا کہ اچھا آپ مجھے سزا دے دیں۔ اس نے کہا کہ ہاں سزا دیتا ہوں۔ کون سی سزا؟ اس نے کہا کہ میری ایک بیٹی ہے۔ کیسی بیٹی ہے؟ زبان سے گونگی ہے' آنکھوں سے اندھی ہے' کانوں سے بہری ہے' پاؤں سے لولی لنگڑی ہے۔ اب اگر تم اس سے نکاح کر لو اور زندگی بھر اس کی خدمت کرو تو پھر میں اپنا حق بخشتا ہوں۔ انہوں نے تھوڑی دیر کے لیے سوچا' کہ یہ تو زندہ لاش ہوئی' مگر اس زندہ لاش کی دنیا میں خدمت کرنا آسان' قیامت کے دن کسی کی چیز کا بغیر اجازت استعمال کرنا' اس کا جواب دینا مشکل کام ہے۔ کہنے لگے کہ ٹھیک ہے' میں حاضر ہوں۔ نکاح ہوگیا۔ جب بیوی کو ملے پہلی رات' دیکھا اتنی خوب صورت' چاند سا چہرہ' عقل والی' سمجھ والی' جمال بھی ہے' کمال بھی ہے۔ بڑے حیران' پوچھا کہ تم اسی باغ والے آدمی کی بیٹی ہو؟ اس نے کہا کہ ہاں! تمہاری کوئی اور بہن؟ اس نے کہا کہ نہیں' خیر چپ ہو گئے۔

میاں بیوی نے رات گزاری۔ اگلے دن سسر سے ملاقات ہوئی۔ سسر نے پوچھا کہ بتاؤ مہمان کو کیسے پایا؟ اس نے کہا کہ جو آپ نے بتایا تھا وہ تو بالکل ہی اور ہیں اور بندہ بالکل ہی اور! اس وقت اس کے سسر نے کہا کہ دیکھو! یہ میری بیٹی ایسی ہے کہ زندگی میں

اس نے غیر محرم کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ میں نے کہا کہ یہ اندھی ہے؟ آنکھ سے غیر محرم سے گفتگو کبھی نہیں کی' میں نے کہا کہ گونگی ہے بہری ہے۔

بغیر اجازت باپ کے قدم باہر نہیں رکھا' میں نے کہا لولی لنگڑی ہے۔

مگر یہ میری بیٹی حدیث کی عالمہ ہے' قرآن کی حافظہ ہے۔ میں اس کے لیے کوئی ایسا بندہ چاہتا تھا کہ جس کے دل میں خوف الٰہی ہو۔ تقوی ہو' تا کہ وہ میری بیٹی کے حقوق کو صحیح ادا کرے اور زندگی بھر اس کو خوش رکھے۔ جب تم ایک سیب کی معافی مانگنے کے لیے آئے اور یوں رونے لگے تو میں نے سوچا کہ اس بندے کے دل میں کتنا اللہ کا خوف ہے کہ ایک سیب کے پیچھے رو رہا ہے۔ میں نے سوچا کہ میں بیٹی کا نکاح اس سے کروں گا۔ یہ ماں تھی' یہ باپ تھا۔ اللہ نے ان کو بیٹا دیا جس بیٹے کا نام نعمان رکھا' جو بڑا ہو کر امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بنا۔

پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ ہم کمزور اور گنہگار ہیں۔ نیک لوگ اسی دنیا میں زندگی گزار رہے ہیں۔ وہ کوئی جنگلوں غاروں میں نہیں ہوتے۔ انہی گلی کوچوں بازاروں میں ہوتے ہیں مگر ان کی زندگی اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق ہوتی ہے۔

توبہ کرلیں:

آج بھی وقت ہے کہ ہم اگر آج سچی توبہ کرلیں اور عہد کریں کہ اے اللہ! آئندہ ہم آپ کے حکموں کے مطابق پورے جسم کے اعضاء کو استعمال کریں گے تو اللہ تعالیٰ پچھلے گناہ معاف کر دیں گے۔ آئندہ سے ایک نئی زندگی شروع ہو جائے گی۔ توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔

اگر ایسا نہ کیا تو قیامت کے دن ہمارے جسم کے اعضاء ہمارے خلاف گواہی دیں گے۔ ایک ہوتی ہے خفیہ پولیس' پتہ نہیں چلتا' ہوتے پولیس کے لوگ ہیں۔ اسی طرح ہمارے جسم کے یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کی خفیہ پولیس ہے۔ کل قیامت کے دن یہ اعضاء

اللہ تعالیٰ کے سامنے گواہی دیں گے' جو ہم نے کیا ہوگا پورے کا پورا کھول کر بیان کر دیں گے۔ سب بتا دیں گے۔ کھول دیں گے اللہ کے سامنے' اس وقت انسان پشیمان ہوگا۔ کاش کہ میں نے دنیا میں اللہ کی نافرمانی نہ کی ہوتی۔

گناہ پر آٹھ گواہ پیش ہونگے:

چناں چہ علماء نے لکھا ہے کہ قیامت کے دن انسان کے گناہوں پر آٹھ گواہ پیش ہوں گے۔ کون کون سے آٹھ گواہ؟ سب سے پہلے....

(المکان)

جس جگہ پر بندے نے گناہ کیا ہوگا۔ وہ زمین گواہی دے گی۔ آج کل تو یہ کیمرے ہیں۔ ویڈیو کیمرے' انہوں نے بات آسان بنا دی۔ دیکھو کیمرے لگے ہوئے ہیں۔ وہاں بندہ جو حرکت کرتا ہے وہ ویڈیو کیمرے کے ذریعہ محفوظ ہو جاتا ہے اور پتہ چل جاتا ہے۔ جس طرح یہ ویڈیو کیمرہ تصویر بنا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کے ہر ذرے میں یہ خوبی رکھی ہے۔ یہ زمین ہر بندے کی تصویر بناتی ہے۔ جو کچھ اس کے اوپر کر رہا ہوتا ہے۔

چناں چہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دیں گے۔ سنیں قرآن عظیم الشان..... بات پکی ہو' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا﴾ (سورۃ زلزال: ۴،۵)

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ زمین کو حکم فرمائیں گے اور زمین اپنی خبریں نشر کرے گی۔ اس جگہ پر یہ ہوا' اس پر یہ ہوا' اس پر یہ ہوا' یہ جنہیں قیامت کے دن گواہی دیں گی۔ جس کمرے میں گناہ کیا ہوگا۔ جس جگہ پر گناہ کیا ہوگا۔ جھوٹ بولا ہوگا۔ وہ جگہ گواہی دے گی کہ اس جگہ گناہ ہوا تھا۔

دوسری گواہی ہماری زندگی کے یہ ایام دیں گے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن وقت کو بھی گواہ کے طور پر کھڑا فرمائیں گے۔ کس طرح کھڑا کریں گے۔ یہ اللہ کو معلوم ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

((يُنَادِيْ كُلُّ يَوْمٍ اَنَايَوْمٌ جَدِيْدٌ وَاَنَافِيْمَاتَعْمَلُ فِيْ شَهِيْدٌ))

آج میں نیا دن ہوں۔ اے بندے! آج میرے اس دن کے اندر جو تو کرے گا میں کل قیامت کے دن تیری گواہی دوں گا۔

یہ ہے دوسرا گواہ..... تیسری گواہی:

((واللسان))

انسان کی زبان گواہی دے گی۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ﴾ (سورۃ نور:۲۴)

قیامت کے دن ان کی زبانیں ان کے خلاف گواہی دیں گی۔ اپنی زبان سے بولے گا۔ یہ کیا' جس زبان سے آج جھوٹ بولے اور غیر محرم کے ساتھ غلط گفتگو کی' کل یہ زبان گندے بندے کے خلاف گواہی دے گی کہ اس بندے نے دنیا میں یہ یہ کیا۔ اور اگر ہم اس زبان کو ٹھیک استعمال کریں گے تو اللہ تعالیٰ پھر قیامت کے دن جنت عطا فرمائیں گے اور بندے کو انبیاء علیہم السلام سے ہم کلامی کا شرف عطا فرمائیں گے۔

چوتھی گواہی جو انسان کے خلاف پیش ہوگی۔ فرمایا:

((والاركان))

اور یہ انسان کے جسم کے باقی اعضاء ہاتھ' پاؤں' یہ بھی گواہی دیں گے۔ فرمایا:

﴿وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ﴾ (سورۃ یٰسین:۶۵)

جب انسان کے ہاتھ گواہی دیں گے۔ پاؤں گواہی دیں گے تو انسان اپنے جسم کے اعضاء سے اس وقت ناراض ہوگا اور کہے گا:

﴿لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا﴾

تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟

﴿قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ﴾

وہ اعضاء کہیں کہ ہمیں اللہ نے گویائی عطا فرمائی۔

﴿الَّذِیْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ (سورۃ حٰم سجدۃ:۲۱)

وہ ذات جس نے ہر چیز کو بولنے کی طاقت عطا فرمائی۔ آج اس نے ہمیں بھی توفیق دی ہے۔ ہم بولیں گے۔ ہم بتائیں گے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں:

﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ یَّشْهَدَ عَلَیْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ اَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُوْدُكُمْ﴾ (سورۃ حٰم سجدۃ:۲۲)

کہ میرے بندو! گناہ کرتے ہوئے تم اپنے اعضاء سے تو پردہ کرتے ہی نہیں تھے۔ کوئی جسم کے اعضاء سے پردہ کرتا ہے؟ کوئی نہیں کرتا۔ انہی کے ذریعہ سے تو گناہ کرتے ہیں اور وہی اعضاء گواہ بن جائیں گے۔

پھر چھٹی گواہی:

((والملکان))

نامہ اعمال۔ ہمارے دو فرشتے ہیں:

﴿اِنَّ عَلَیْكُمْ لَحٰفِظِیْنَ ○ كِرَامًا كَاتِبِیْنَ ○ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ﴾

(سورۃ انفطار ۱۰ تا ۱۲)

وہ کراماً لکھتے ہیں۔ ایک نیکی لکھنے والا فرشتہ اور ایک گناہ لکھنے والا فرشتہ۔ جو کچھ ہم کرتے ہیں یہ ہمارے نامہ اعمال میں لکھا جا رہا ہے۔ ہماری شیٹ روز تیار ہو رہی ہے۔ اور قیامت کے دن یہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ جب مجرم اپنے نامہ اعمال کو دیکھے گا تو پریشان ہوگا اور کہے گا:

﴿یٰوَیْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْکِتٰبِ﴾

میری بدبختی یہ کیسی کتاب ہے:

﴿لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَةً وَّلَا کَبِیْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا﴾

کوئی چھوٹا اور بڑا عمل زندگی کا ایسا نہیں کہ جو اس میں درج نہ کر دیا ہو۔

﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا﴾

جو کیا ہوگا اپنے سامنے حاضر پائیں گے۔

﴿وَلَا یَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا﴾ (سورۃ کہف:۴۹)

تیرا رب تو کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔

اپنے ہاتھوں سے اپنے پاؤں پر کلہاڑیاں ماری ہونگی۔ اپنی عاقبت خراب کی ہوگی اور قیامت کے دن اپنے آپ کو عذاب کا مستحق بنا بیٹھیں گے۔ ع

لمحوں نے خطا کی صدیوں نے سزا پائی

چند لمحوں کی خطا صدیوں جلنا پڑے گا جہنم کی آگ میں۔ ایسے شخص کو کون عقل مند کہے؟ اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ دے تاکہ ہم دنیا کی مختصر زندگی کو نیکی پر گزار کر اللہ تعالیٰ کے حضور جائیں۔

چناں چہ یہ گواہیاں ہوئیں۔ اب ساتویں اور آٹھویں۔ بہت نازک سا مسئلہ بیان کرتے ہوئے بھی گھبراہٹ ہوتی ہے۔ دل پر خوف طاری ہوتا ہے۔

ساتویں گواہی کون سی ہوگی؟ فرمایا:

﴿نَبِیُّ الْاِنْسِ وَالْجَانِّ﴾

نبی علیہ السلام کی گواہی ہوگی۔ وہ کیسے؟ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو عمل امت کرتی ہے۔ نبی علیہ السلام کے سامنے ہر بندے کا نامہ اعمال پیش ہوتا ہے۔ نبی علیہ السلام قیامت کے دن گواہی دیں گے قرآن میں فرمایا

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾

(سورۃ نساء:۴۱)

اگر ہمارا نامہ اعمال اللہ تعالیٰ کے پیارے حبیب ﷺ کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تو پھر سوچیں کہ ہمارے کرتوتوں کو دیکھ کر وہ کیا کہیں گے کہ انہوں نے میرے رات کے آنسوؤں کی قدر نہ کی۔ میں تو تہجد میں ان کے لیے معافی مانگتا تھا۔ آنسو بہاتا تھا' کیسے میرے امتی ہیں کہ انہوں نے میرے آنسوؤں کی قدر نہ کی۔

اس لیے علامہ اقبال نے کیا اچھے شعر کہے: ع

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر

اے اللہ تو دو عالم میں غنی میں فقیر ہوں،

روز محشر عذر ہائے من پذیر

اللہ قیامت کے دن میرے عذوروں کو قبول کر لینا،

گر تو می بینی حسابم نا گزیر

اور اگر اللہ آپ یہ فیصلہ کر لیں میرا حساب ضرور لینا ہے تو اللہ!

از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

اللہ مصطفیٰ کریم کی نگاہوں سے میرا حساب اوجھل لینا۔ ان کے سامنے مجھے شرمندگی نہ اٹھانی پڑ جائے۔ میرے آقا کیا کہیں گے یہ کیسا بندہ ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا:

کہتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ دعا مانگنے لگے' یا اللہ گناہوں کو معاف فرما دے۔ خطاؤں کو بخش دے۔ کافی دیر دعا مانگتے رہے۔ دعا مانگنے کے بعد آخر یہ کہنے لگے۔

اے اللہ اگر تو فیصلہ کر لے کہ میرے گناہوں کو نہیں بخشنا تو پھر اے اللہ! قیامت کے

دن مجھے اندھا کھڑا کر دینا۔ کسی نے پوچھا کہ یہ کیا دعا مانگی کہ قیامت کے دن اندھا کھڑا کر دینا؟ فرمایا: اس لیے کہ میں اندھا ہونگا۔ مجھے نبی علیہ السلام کے سامنے پیش ہوتے ہوئے ندامت نہیں ہوگی۔

اللہ کے حبیب ﷺ کے سامنے ہمیں قیامت کے دن جانا ہوگا۔ سوچیں! ہم گناہوں کے ذریعہ اللہ کے حبیب ﷺ کے دل کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔

مرزا بے دل کا واقعہ:

مشہور واقعہ ہے کہ مرزا بے دل ایک شاعر تھے۔ زندگی تو بس عام سی تھی۔ مگر انہوں نے شعر ایک مرتبہ بڑی معرفت کے لکھ دیئے۔

ایران کے ایک شیخ تھے۔ انہوں نے جب یہ فارسی کا کلام پڑھا تو انہوں نے سوچ لیا کہ میں کبھی اس شاعر کو جا کر ملوں گا۔

مرزا بے دل کو ملنے کے لیے آئے۔ گھر والوں نے بتایا کہ وہ حجام کی دکان پر گئے ہیں۔ وہ شیخ وہاں پہنچے' جب وہاں گئے تو انہوں نے دیکھا کہ مرزا بے دل بیٹھے ہیں اور اپنی داڑھی کو شیو کروا رہے ہیں۔

جب اس نے یہ دیکھا اس نے کہا:

''شیخ ریش می تراشی''

کیا داڑھی منڈا رہے ہو؟

اس نے آگے سے جواب دیا:

''ارے ریش می تراشم و لے دل کسے رانمی خراشم''

کہ میں اپنی ریش کو تراش رہا ہوں کسی کے دل کو تو نہیں تکلیف پہنچا رہا۔

اس پر اس شیخ نے چیخ مار کر کہا' اس نے کہا:

''بلے کو دل پیغمبر ﷺ رامی خراشی''

تو کسی عام کے دل کو تکلیف نہیں پہنچا رہا' تو نبی علیہ السلام کے دل کو تکلیف پہنچا رہا ہے۔

جزاک اللہ کہ چشم باز کردی
مرا براجاں جانم ہم راز کردی

اللہ تیرا بھلا کرے تو نے میری آنکھیں کھول دیں اور تو نے آج مجھے میرے محبوب سے ملا دیا۔

ہم کیسے گناہ کرتے ہیں جو اللہ کے حبیب ﷺ کے سامنے پیش ہوئے ہونگے۔ سید القلوب کو تکلیف پہنچتی ہوگی۔

پھر آٹھویں گواہی کون سی ہوگی؟ فرمایا سات گواہیاں تو یہ ہیں:

((المکان' والزمان' واللسان' والارکان' والملاکان' والدیوان' نبی الانس والجنان'))

یہ سات گواہیاں اور آخری گواہی۔

((والرحمان))

اللہ تعالیٰ بھی گواہی دیں گے۔

جس پروردگار نے بخشنا ہے' جس پروردگار سے ہم نے معافیاں مانگنی ہیں۔ وہ پروردگار بھی قیامت کے دن کہہ دے کہ ہاں تو نے یہ کہا تھا تو کیا بنے گا؟

ایک ولی کی بات:

اس لیے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں الہام فرمایا اے میرے بندے! تم گناہ کرنے لگتے ہو' ان تمام دروازوں کو بند کر دیتے ہو' جن دروازوں سے مخلوق دیکھتی ہے۔ اور اس دروازے کو بند نہیں کرتے' جس دروازے سے میں پروردگار دیکھتا ہوں کیا اپنی طرف دیکھنے والوں میں سب سے کم درجے کا مجھے سمجھتے ہو۔

اگر ہم سوچیں تو بات تو واقعی ایسے ہی ہے۔ دنیا والے جہاں سے دیکھتے ہیں' وہ

کھڑکیاں، دروازے بند اور جدھر سے خدا دیکھتا ہے اس کا دروازہ تو بند نہیں ہوتا۔ فرمایا کہ کیا اپنی طرف دیکھنے والوں میں سب سے کم درجے کا تم مجھے سمجھتے ہو؟

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا﴾ (سورہ یونس:۶۱)

قرآن بتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم گواہی دیں گے۔ پھر کیا ہوگا؟

گناہ سے کون بچے گا؟

آج وقت ہے کہ ان تمام گناہوں کی ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے معافی مانگ لیں۔ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا مانگیں اے اللہ! ہمیں آئندہ گناہوں سے بچا لینا۔

گناہ کے موقعوں سے بچنے کی کوشش کریں۔

گناہ سے وہ بچے گا کہ جو گناہ کے موقع سے بچنے کی کوشش کرے گا۔ ہم یوں کہیں اللہ!

غم حیات کے سائے محیط نہ کرنا
کسی غریب کو دل کا غریب نہ کرنا
میں امتحان کے قابل نہیں مولا
مجھے گناہ کا موقع نصیب نہ کرنا

اللہ! ہمیں گناہ کے موقع سے بچا لینا۔ اللہ! ہمیں طاعات کی عزت عطا فرما دے اور معصومیت کی ذلت سے ہمیں محفوظ فرما دے (آمین)

یوں جب دعا مانگیں گے پھر اللہ کی حفاظت ہو جائے گی۔ ہم گناہ سے بچیں، نفس پر کبھی بھی بھروسہ نہ کریں۔ اس لیے کہنے والے نے کہا:

بھروسہ کچھ نہیں اس نفس امارہ کا اے زاہد!
فرشتہ بھی یہ ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا

آج کے نوجواں کہتے ہیں ابو! میں ان کے ساتھ بس تھوڑی دیر کھڑا ہوتا ہوں باتیں سنتا ہوں، میں کچھ نہیں کرتا۔ جس نے یہ کہہ دیا کہ میں غلط دوستوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھا ہوں۔ میں کچھ نہیں کرتا۔ اس نے اپنے نفس پر بھروسہ کیا اور ایک دن اس کا نفس اس کو گناہوں کے گڑھے میں گرا دے گا۔

سنیں! ذرا توجہ کے ساتھ، بات بڑی اہم ہے۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بات:

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بڑھاپے میں سفید ریش ہوگئی تھی۔ ستر کے اوپر عمر ہوگئی تھی۔ دعا مانگتے تھے:

﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ اَنْ اُذْنِیَ وَاَسْرَقَ﴾

اے اللہ! میں اس بات سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں زنا کروں یا میں چوری کرو۔ اس سے پناہ کی دعا مانگتے تھے۔

سننے والے نے کہا کہ آپ کی اتنی عمر ہوگئی ہے۔ بوڑھے ہوگئے۔

((وَاَنْتَ صَاحِبُ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ))

اور آپ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔

((اَتَخَافَ عَلٰی نَفْسِكَ))

کیا آپ اپنے نفس سے ابھی بھی ڈرتے ہیں؟

((مِنَ الزِّنَا وَالسَّرِقَهِ))

کہ آپ زنا کر بیٹھیں گے یا آپ چوری کریں گے؟

((قال))

جواب دیا:

((كَيْفَ اَمْنُ عَلٰی نَفْسِیْ))

میں اپنے نفس پر کیسے بھروسہ کرسکتا ہوں۔

((وَاِبْلِیْسَ حَیٌّ))

جبکہ شیطان ابھی زندہ ہے۔

جب تک شیطان زندہ ہے میں اپنے نفس پر بھروسہ کیسے کرسکتا ہوں۔

ان کا بڑھاپے میں یہ حال تھا۔ آج کل کے نوجوان ابو کو جواب دیتے ہیں۔ میں تو بس کھڑا ہوتا ہوں' میں تو بس سنتا ہوں۔ میں کرتا کچھ نہیں۔ یہ غلط بات ہے' بروں کی محفل انسان کو برا بنا دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں گناہوں کی ذلت سے محفوظ فرمائے اور ہمیں اللہ تعالیٰ طاعات کی عزت عطا فرمائے۔ (آمین)

آج ہم اللہ کے گھر میں آئے بیٹھے ہیں۔ اللہ سے معافی مانگیں۔ سچے دل کے ساتھ کہنے والے نے کہا اللہ:

((کَیْفَ اَدْعُوْكَ وَاَنَا عَاصٍ))

میں کیسے توبہ کروں' دعا مانگوں جبکہ میں اتنا گناہ گار ہوں۔

پھر اسنے کہا کہ نہیں میرے ذہن میں دوسرا یہ خیال آتا ہے کہ:

((کَیْفَ لَااَدْعُوْكَ وَاَنْتَ کَرِیْمٌ))

اے اللہ! میں دعا کیسے نہ مانگوں جبکہ تو اتنا کریم ہے۔

اپنے کو نہ دیکھئے' آج اللہ کی رحمت کو دیکھئے کہ وہ کتنا رحیم ہے۔ کتنا کریم ہے۔ اللہ رب العزت رحمت فرمائیں گے اور بندے کے گناہ کو معاف فرمادیں گے۔

رحمت خداوندی کا دریا:

چناں چہ حدیث پاک میں آتا ہے۔ نبی علیہ السلام سفر سے واپس آرہے تھے۔ ایک دریا کے کنارے آپ ﷺ نے پڑاؤ ڈالا' نماز ادا فرمائی۔ نماز پڑھنے کے بعد آپ ﷺ

نے رو رو کر امت کی مغفرت کی دعا مانگی۔ آپ ﷺ نے دیکھا' چھوٹی سی ایک چڑیا ہے۔ وہ آئی اور آپ ﷺ کے سامنے اس نے زمین سے ریت کے ایک دو ذرے اپنی چونچ میں اٹھائے اور دریا کی طرف چلی گئی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد آئی' پھر دو ذرے ریت کے لے کر چلی گئی۔ جب چند بار ایسے ہوا تو نبی علیہ السلام متوجہ ہوئے کہ یہ چڑیا کیا کر رہی ہے۔

اتنے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر عرض کیا' اے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعا کو مجسم کر کے آپ ﷺ کے سامنے دکھا دیا۔

پوچھا کیسے؟ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو بتلانا چاہتے ہیں کہ اے میرے حبیب ﷺ آپ ﷺ کی امت کے گناہ اس چڑیا کی چونچ کے چند ذروں کی مانند ہیں اور میری رحمت کا دریا اس بہتے پانی کی مانند ہے۔ جس طرح یہ چند ذرے پانی میں جا گریں پتہ ہی نہیں چلے گا کہ کہاں چلے گئے۔ آپ ﷺ دعا مانگتے ہیں قیامت کے دن میری رحمت کو دیکھیں گے۔ میں آپ ﷺ کے امتیوں کے گناہوں کو ایسے معاف کر دوں گا۔

اللہ تعالیٰ اتنا کریم ہے۔ کیوں نہ ہم آج اس سے معافی مانگیں' آج وقت ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک آدمی جو نجاست میں لتھڑا ہوا تھا۔ وہ دریا کے کنارے پہنچا اور جھجک رہا تھا دریا میں جانے سے تو دریا نے اس سے پوچھا کہ جھجکتے کیوں ہو' چھلانگ لگاؤ' اس نے کہا کہ میں کیسے چھلانگ لگاؤں' میں نجاست سے بھرا ہوا ہوں' میں تیرے اندر آؤں گا' میری نجاست بھی تیرے پانی میں مل جائے گی۔

اس نے جواب دیا کہ میں جاری پانی ہوں۔ تیرے جیسے سینکڑوں ہزاروں میرے اندر آ کر نہاتے ہیں۔ میں ان کو دھو بھی دیتا ہوں۔ خود میرا بھی پانی پاک رہتا ہے۔ اس بات کو سن کر کسی اللہ والے نے کہا:

کہ اگر دنیا کا جاری پانی دھو بھی دیتا ہے' پاک بھی رہتا ہے' تو اللہ تعالیٰ کے

رحمت کے دریا کا کیا پوچھنا۔

آج ہم سب اس رحمت کے دریا کے کنارے آئے بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے گھر میں موجود ہیں۔ آج ہم اپنے گناہوں کی نجاست دھلوانے کے لیے' اپنی خطاؤں کو بخشوانے کے لیے' اپنے رب سے خوب مانگیں' دل کی گہرائیوں سے مانگیں۔ پھر دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دریا کیسے بہے گا اور اللہ تعالیٰ کیسے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے گھر سے اگر کوئی بندہ محروم چلا گیا اس کو بد بخت کہتے ہیں۔ بدنصیب کہتے ہیں۔

یاد رکھئے! اگر کوئی اندر سے نکل کر جہنم میں ڈال دیا گیا۔ اس پر تو کوئی افسوس نہیں۔ افسوس تو اس پر ہے مسجد میں آیا۔ رب کے گھر میں آیا اور پھر سچی توبہ نہ کی اور اس کو اللہ تعالیٰ نے مسجد سے نکال کر پھر جہنم میں ڈال دیا۔

اس لیے آج اللہ کے گھر میں موجود ہیں۔ دعا مانگیں مولا! معافی مانگے بغیر نہیں جائیں گے۔ زندگیوں کے فیصلے کر کے اٹھیں گے۔

عقل مند فقیر:

ہم سے اندھا فقیر زیادہ عقل مند نکلا۔ کہتے ہیں کہ وہ اپنے ہاتھ میں پیالہ لے کر دروازے پر مانگتا تھا۔ صدا لگاتا تھا۔ ایک دروازے پر پہنچا' صدا لگائی' کوئی جواب نہیں' پھر صدا لگائی کوئی جواب نہیں' جب تیسری مرتبہ جواب نہ آیا کہنے لگا کس بخیل کا دروازہ ہے کہ کوئی جواب نہیں دیتا۔

کسی نے کہا کہ اے اللہ کے بندے! یہ مسجد کا دروازہ ہے' خدا کا دروازہ ہے۔ کیا کہتے ہو؟ یہ بخیل کا دروازہ نہیں' سخی کا دروازہ ہے۔ اندھے نے جب یہ بات سنی' پیالہ زور سے دیوار پر مار کر توڑ دیا۔ کہتا ہے اچھا! اگر اللہ کے در پر آ گیا ہوں۔ اب مجھے کسی اور در سے مانگنے کی ضرورت نہیں۔

ہم بھی اس اندھے کی طرح عقل مند بن جائیں۔ مولا! آج آپ نے اپنے گھر میں

بلالیا۔ بٹھا کر بات سنوادی۔ انجام سامنے کر دیا۔ مولا! آپ کو خوش کیے بغیر اور گناہوں سے توبہ کیے بغیر ہم ہرگز نہیں اٹھیں گے۔ آپ ہم پر مہربانی فرما دینا۔

ہم نے اپنے علماء سے سنا ہے کہ بچھڑے بیٹے کا انتظار ماں اتنا نہیں کرتی جتنا بگڑے بندے کا انتظار اس کا پروردگار کرتا ہے۔ وہ پروردگار جو انتظار میں ہے۔ میرے بندے کب معافیاں مانگیں' میں اس کے گناہوں کو بخش دوں۔

نبی علیہ السلام بھی منتظر ہوں گے۔ میری امت کے یہ بندے' گناہ گار' خطاؤں سے معافی مانگیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف فرما دیں۔

آج ہم سچے دل سے معافی مانگ کر اپنے رب کو بھی راضی کر لیں اور نبی علیہ السلام کے دل کو بھی خوشی پہنچا دیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں برائی والی زندگی سے محفوظ فرما کر آئندہ نیک و کاری والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرما دے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

مناجات

اک نشہ سا ہے جو چھائے ہے تیرے نام کے ساتھ
اک تسلی سی بھی آئے ہے تیرے نام کے ساتھ
عنبر و عود لٹائے ہے تیری یاد جمیل
ایک خوش بوسی بھی آئے ہے تیرے نام کے ساتھ
گویا کونین کی دولت کو سمیٹا اس نے
دل کی دنیا جو بسائے ہے تیرے نام کے ساتھ
ہے تیرا ذکر حلاوت میں کچھ ایسا کہ زبان
ایک نیا ذائقہ پائے ہے تیرے نام کے ساتھ
دل تڑپتا ہے سنے جب بھی تیرا نام کہیں
آنکھ بھی اشک بہائے ہے تیرے نام کے ساتھ
خوب کیا عشق الٰہی کا اثر ہوتا ہے
روح بھی وجد میں آئے ہے تیرے نام کے ساتھ
حشر کیا ہوگا بھلا ان کا تیری دید کے دن
جن کا دل جوش میں آئے ہے تیرے نام کے ساتھ
خوب جی بھر کے جو کرتا ہے تیرا ذکر فقیر
دل کی ظلمت کو مٹائے ہے تیرے نام کے ساتھ

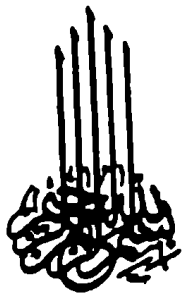

پاجا سراغ زندگی

دو راستے

پیر طریقت رہبر شریعت مفکرِ اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مجددی نقشبندی

دوراستے

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ و کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی' اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَایَعْلَمُوْنَ ○ (سورۃ یوسف:۲۱)

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

تمہید:

اللہ رب العزت اس کائنات کے خالق ہیں۔ ہر چیز کے مالک ہیں۔ عزت اور کبریائی انہی کو سجتی ہے۔ وہ اپنی شان میں بہت بلند ہے۔ ان کا نام بھی بڑا:

﴿وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ﴾ (سورۃ عنکبوت:۴۵)

ان کی ذات بھی بڑی اس لیے ہم کہتے ہیں۔

﴿اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا﴾

اور اللہ کی رضا بھی بڑی،

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ﴾ (سورۃ توبہ:۷۲)

اللہ رب العزت بڑے ہیں۔ ہماری سوچ سے، فہم سے، ادراک سے، علم سے، محسوسات سے، زمان سے، مکان سے حتی کہ انسان اپنی زندگی میں جو کچھ سنتا ہے۔

سمجھتا ہے۔ جو علم پاتا ہے اللہ رب العزت اس سے بھی بڑے ہیں۔ ہم اس کو اپنے فہم و ادراک کی حد میں لا نہیں سکتے۔ وہ اتنی عظمتوں والے اتنی کبریائی والے ہیں۔

چناں چہ ارشاد فرمایا:

((اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَاءِیْ))

کبریائی میری چادر ہے۔ یہ اللہ ہی کو سجتی ہے۔

پوری کائنات میں اللہ رب العزت کا حکم چلتا ہے۔ ایک پتہ بھی ایسا نہیں کہ جو کہیں گرے اور اللہ کے علم میں نہ ہو کوئی ایسا خیال نہیں کہ جو بندے کے دل و دماغ میں پیدا ہو اور اللہ کے علم سے باہر ہو۔

جس کا علم اتنا،

جس کا حلم اتنا،

جس کی شان اتنی،

اس کا حکم اس کائنات میں چلتا ہے۔

حکم اللہ تعالیٰ کا چلتا ہے:

چناں چہ آپ غور کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ مرضی ہر حال میں اللہ رب العزت کی پوری ہوتی ہے۔ ذرا چند مثالوں پر غور کیجیے۔

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام چاہتے ہیں کہ ہمیشہ جنت میں رہیں اور اللہ رب العزت چاہتے ہیں کہ ان کو دنیا میں بھیجا جائے تو بالآخر مرضی کس کی پوری ہوئی؟ (اللہ رب العزت کی)

سیدنا نوح علیہ السلام چاہتے ہیں کہ میرا بیٹا کشتی میں بیٹھ جائے اور اللہ رب العزت نہیں چاہتے تو بالآخر مرضی کس کی پوری ہوئی؟ (اللہ رب العزت کی)

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے کو زمین پر لٹا دیتے ہیں۔ چھری تیز کرتے

ہیں۔ آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں اور اس نیت سے چھری چلاتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کو اللہ کے نام پر ذبح کردوں اور اللہ رب العزت نہیں چاہتے تو مرضی کس کی پوری ہوئی۔ (اللہ رب العزت کی)

ایک موقع پر نبی علیہ السلام نے ارادہ فرمایا کہ شہد کھانے میں فلاں چیز کی مہک آتی ہے تو میں آج کے بعد شہد استعمال نہیں کروں گا۔ اللہ رب العزت کی طرف سے محبوبانہ خطاب آ گیا:

﴿يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (سورۃ تحریم:۱)

اس آیت کے اترنے کے بعد نبی علیہ السلام نے شہد دوبارہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ تو مرضی کس کی پوری ہوئی؟ (اللہ رب العزت کی)

ہر حال میں مرضی اللہ رب العزت کی پوری ہوتی ہے۔ اب اگر کسی آدمی سے اللہ رب العزت کا حکم ٹوٹ جائے تو اس کے لیے دو راستے ہیں۔

ایک راستہ ہے سیدنا حضرت آدم علیہ السلام والا.....اور دوسرا راستہ ہے شیطان والا

حضرت آدم علیہ السلام کا راستہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے منع کر دیا تھا کہ تم نے اس درخت کا پھل نہیں کھانا مگر بھول ہوگئی۔ کھا لیا گیا۔ جب اللہ رب العزت نے پوچھا کہ کیوں کھایا تو آگے سے کوئی بہانہ نہیں کیا' کوئی دلیل نہیں دی' بلکہ صرف اتنا کہا:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ (سورۃ اعراف:۲۳)

اور اگر آپ ہماری مغفرت نہ فرمائیں' ہم پر رحم نہ کریں تو ہم تو خسارہ پانے والے بن جائیں۔ معافی مانگی' اللہ رب العزت نے اس بھول کو معاف فرما دیا۔

ایک راستہ ہے شیطان کا اللہ رب العزت نے حکم فرمایا:

﴿اُسْجُدُوا لِاٰدَمَ﴾ (سورۃ بقرۃ:۳۴)

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ کرو۔

﴿اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ﴾ (سورۃ بقرۃ:۳۴)

اس کا انکار کیا' تکبر کیا۔ پھر جب پوچھا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو آگے سے بہانے بنانے لگا' لاجک پیش کرنے لگا۔ دلیل دینے لگا۔

﴿اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ﴾

میں اس سے زیادہ افضل' اچھا ہوں۔

﴿خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ﴾ (سورۃ ص:۷۶)

اے اللہ آپ نے مجھے آگ سے پیدا کیا' جو بلندی کی طرف جاتی ہے اور انہیں مٹی سے پیدا کیا' جس میں پستی اور عاجزی ہوتی ہے تو میں بہتر ہوں۔ اس لیے میں نے سجدہ نہیں کیا۔

کسی بڑے کے حکم کو نہ ماننا اور پھر پوچھنے پر آگے سے بہانے بنانا' دلیلیں دینا' اسکو ہٹ دھرمی کٹ حجتی کہتے ہیں۔ یہ اللہ رب العزت کو اتنی ناپسند ہے کہ جب شیطان نے یہ کام کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ﴾ (سورۃ ص:۷۷)

نکل جا میرے دربار سے تو مردود ہے۔ اور پھر یہاں تک نہیں' آگے بھی کہا۔

﴿وَاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ﴾ (سورۃ ص:۷۸)

قیامت کے دن تک تیرے اوپر میری لعنتیں برستی رہیں گی۔

دو راستے ہیں ایک غلطی کو ماننے کا' معافی مانگنے کا راستہ۔ ایک غلطی کو نہ ماننا اور آگے سے حجت بازی کرنا یہ دوسرا راستہ ہے۔

آپ اگر غور کریں آج ہماری اپنی زندگی میں یہ چیزیں بہت عام ہیں۔ اولاد ماں

باپ کی بات نہیں مانتی اور جب پوچھا جائے تو آگے سے پھر بہانے' دلیلیں' ابو میں تو دوستوں کے ساتھ اس لیے بیٹھا ہوں۔کوئی نہ کوئی آگے سے بہانہ' میں ایسا نہیں ہوں جیسے میرے دوست ہیں۔میں صرف ان کی باتیں سنتا ہوں کرتا نہیں' بہانے۔

شاگرد سے استاد پوچھے بہانے۔خاوند بیوی سے پوچھے تو بیوی بہانے۔آج ہمارے ماحول معاشرے میں یہ مرض بہت بڑھتی چلی جارہی ہے۔غلطی کو ماننے کا رواج ہی ختم ہوتا جارہا ہے۔جس کو دیکھیں کوئی اپنی غلطی ماننے کو تیار نہیں' کوئی نہ کوئی اس کی لاجک پیش کردے گا۔

ایک آدمی رشوت لیتا ہے۔آپ اسکو پوچھیں کہ آپ کیوں اللہ کے حکم کو توڑتے ہو؟ آگے سے کہے گا میں نے دو ہی روٹی کھانی ہیں۔بچوں کا پیٹ پالنا بھی فرض ہے۔یہ کہاں لکھا ہے کہ تم نے بچوں کا پیٹ حرام سے پالنا ہے۔ترلقمے کھلانے ضروری ہیں۔خشک روٹی کا لقمہ بھی حلال طریقے سے کھلاؤ گے تمہارا فرض پورا ہو جائے گا۔مگر نہیں' خواہش اپنی پوری کرنی اور پھر اس کو لاگو کرنے کے لیے آگے سے بہانے۔

اگر کوئی عورت پردہ نہیں کرسکتی تو کم از کم اپنے آپ کو قصوروار تو سمجھے۔یہ کہے کہ میں کمزور ہوں۔میرے اوپر شیطان غالب آ گیا' میرے اندر اتنی ایمانی قوت نہیں کہ میں پردہ کرسکوں' زندگی گزاروں' نہیں آگے سے کہے گی کہ چہرے کا پردہ کہاں سے ہوتا ہے؟ پردہ تو آنکھ کا ہوتا ہے۔اب یہ جو آگے سے جواب دیے جاتے ہیں۔اس کو کٹ حجتی کہتے ہیں۔اس کو ہٹ دھرمی کہتے ہیں۔اس پر اللہ رب العزت کو بہت جلال آتا ہے۔

آج چوں کہ ہماری عادت ہی بنتی چلی جارہی ہے۔اس لیے کسی سے شریعت پر عمل کی بات کرو تو آگے سے سو باتیں بنائے گا۔وقت کی ضرورت ہے کہ اس پوائنٹ کو کھولا جائے اور نوجوانوں کو سمجھایا جائے کہ پہلا گناہ اتنا بڑا نہیں تھا۔یہ گناہ اس سے بہت بڑا ہے۔شریعت کے کسی حکم پر عمل نہ کرسکنا کبیرہ گناہ ہوتا ہے۔انسان اس سے گناہ

گار ہوتا ہے۔ مجرم بنتا ہے۔ مگر رہتا مسلمان ہے۔ مانتا ہے کہ مجھ سے غلطی ہوتی ہے۔ میں غلط عادت میں مبتلا ہوں۔ میں اس بری عادت کو چھوڑ نہیں سکتا۔ یہ میری کمزوری ہے۔ ایسا کہنے سے یہ مومن رہے گا۔ گو کہ گناہ گار ہوگا۔

لیکن اگر اس حکم کا انکار کرے کہ اس حکم میں حکمت کیا ہے؟ یہ کیوں ایسا ہے؟ تو شریعت کے کسی حکم کا انکار کر دیا' اس سے انسان کافر بن جاتا ہے۔

ایک آدمی اپنے چہرے پر سنت نہیں سجا سکتا' سمجھے کہ میں کمزور ہوں' وہ گناہ گار بنے گا اور یہ گناہ اللہ کسی وقت بھی معاف کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر وہ سنت کا مذاق اڑائے تو اب وہ گنہگار نہیں' اب دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔ اس لیے اس کی نزاکت کو سمجھنے کی ضرورت ہے اور یہ جو کٹ حجتی ہے اس سے باز آنے کی ضرورت ہے۔

نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ میں ایک اچھی صفت پیدا کی' وہ کیا؟ کہ سنو اور اس پر عمل کرو:

((اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا))

تم جو سنو گے تم اس پر عمل کرو گے۔

چناں چہ صحابہ کرامؓ کا یہ خلق تھا کہ جو نبی علیہ السلام سے سنتے تھے اس پر عمل کرتے تھے۔ اس پر بعض صحابہ کرامؓ سے بیعت بھی لی کہ تم جو سنو گے اس پر عمل کرو گے۔

آج کل ہمارے اندر یہ صفت بہت کم ہوتی جا رہی ہے۔ اول تو سنتے ہی نہیں۔ آپ غور کریں کہ دو بندے آپس میں بحث کر رہے ہوں۔ نہ یہ اس کی سنے گا نہ یہ اس کی سنے گا۔ یہ بھی بول رہا ہے۔ وہ بھی بول رہا ہے۔ دونوں بولتے چلے جا رہے ہیں۔ سننے کو کوئی تیار نہیں۔

اولاد کو بات کرنا شروع کر دو تو بچہ بات سنتے ہی باہر نکل جائے گا۔ وہ ماں باپ کی نہیں سنتا۔ شاگرد استاد کی نہیں سنتا' چھوٹا بڑے کی نہیں سنتا۔ سننے کی عادت ہی نہیں رہی۔

اگر سن لیتے ہیں تو اس کان سے سن کر اس کان سے نکال دیتے ہیں۔ اس سنے ہوئے کو سمجھتے نہیں ہیں۔

سننا اور سمجھنا مومن کی شان ہے:

ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ مجمع ہو، سن رہے ہو، پھر فرماتے تھے نہیں سن رہے ہو تم!

اللہ تعالیٰ بھی قرآن پاک میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ﴾ (سورۃ انفال:۲۱)

تم ان کی طرح نہ ہو جاؤ کہ جو کہتے ہیں کہ ہم سنتے ہیں اور وہ نہیں سنتے۔

اللہ تعالیٰ اسی کو توفیق دیتے ہیں عمل کی جو توجہ کے ساتھ سنتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ عَلِمَ اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَأَسْمَعَهُمْ﴾ (سورۃ انفال:۲۳)

اگر اللہ تعالیٰ ان میں خیر پاتے انہیں سننے کی توفیق عطا فرما دیتے۔

یہ سننا اور اس کو سمجھنا یہ مومن کی شان ہے۔ اس کو صفت کے طور پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ﴾

(سورۃ انفال:۲۰)

تم روگردانی نہ کرو اور تم سنتے ہو تم وہ قوم ہو کہ سن کر عمل کرنے والی قوم ہو۔

قیامت کے دن کافر کو اسی پر افسوس ہوگا کہ کاش ہم سنتے اور سمجھتے۔ جہنمیوں سے جہنم کے فرشتے پوچھیں گے کہ تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا؟ سمجھانے والا نہیں آیا تھا؟ تو آگے سے جواب دیں گے کہ آیا تو تھا۔ آیا تھا تم نے اس کی بات پر عمل کیوں نہ کیا؟ تو جواب میں کہیں گے:

﴿لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ (سورۃ ملک:۱۰)

اگر ہم سنتے اور اسکو سمجھتے آج ہم دوزخ میں جانے والوں میں سے نہ بنتے۔

معلوم ہوا کہ جو سنتے نہیں یا سمجھتے نہیں' پھر یہی ہیں جو جہنم کا ایندھن بنائے جائیں گے۔

مومن کی یہ شان ہے کہ وہ اللہ رب العزت کی بات کو سنتا ہے۔ سمجھ کر اس پر عمل کرتا ہے۔

آج آپ کسی سے دین کی بات کریں۔ آگے سے جواب ملے گا کہ جناب میں سب جانتا ہوں۔ بھائی جاننے کی بات نہیں ماننے کی بات ہے۔ یہ بتاؤ کہ مانتا کتنا ہے؟ قیامت کے دن یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے کتنا جانا تھا۔ قیامت کے دن سوال یہ ہوگا کہ تم نے جو کچھ جانا تھا' سمجھا تھا' کہا تھا تم نے اس پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں کیا تھا؟ بات تو عمل پر آ کر ختم ہوگی۔

اس لیے ہم سن کر ماننے کی عادت اپنے اندر ڈالیں' بیوی اپنے آپ کو سمجھائے کہ مجھے اپنے خاوند کی بات کو سننا ہے اور اسکو ماننا ہے۔ چھوٹا اپنے آپ کو سمجھائے کہ میں نے بڑے کی بات کو سننا ہے۔ جب ہمارے اندر یہ خلق پیدا ہو جائے گا کہ جو سنیں گے اس پر عمل کرنے والے بن جائیں گے۔ آپ سمجھ لیں کہ ہمارے لیے خیر کے راستے کھل جائیں گے۔

پریشانیوں کی وجہ:

آج ہماری پریشانیوں کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ نہ بڑوں کی سننے کو تیار' اور اگر سن لیتے ہیں تو ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ کرتے وہی ہیں جو اپنی مرضی ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ کہ ہم خیر سے محروم ہو جاتے ہیں۔

چناں چہ یہ عادت پھر مخلوق تک نہیں رہتی۔ بلکہ پھر اللہ کی بھی بات سن لیتے ہیں۔ سن کر اس پر عمل کی توفیق نہیں ہوتی۔ پھر اس کے حکموں کے آگے بھی بہانے بازیاں' چناں چہ آج روشن خیالی کا جو ایک سلسلہ چلا' اس کا نتیجہ یہی نکل رہا ہے۔ ہر بندہ شریعت کی باتوں

میں لاجک تلاش کرتا پھرتا ہے۔ اجی یہ شریعت کا حکم ایسے کیوں ہے؟ تم عقل کل کہاں سے بن گئے؟ آپ نے دین کو پڑھا کہ آپ کو دین کی پوری سمجھ آجائے۔ پڑھتے ہیں کالج میں' یونیورسٹیوں میں' انگریزی سکولوں میں اور چاہتے ہیں کہ ہمیں دین کی سمجھ آجائے۔

بھائی جو بندہ انجینئرنگ یونیورسٹی میں نہ گیا ہو' اس کو انجینئرنگ سمجھ میں نہیں آتی۔ اس لیے جو دینی مدارس میں نہ پڑھا ہو اس کو دین کی سمجھ نہیں آتی۔

اللہ کے احکام کو ماننے میں جو لیت ولال کرتے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہی عادت ہوتی ہے کہ انسان کے اندر ہٹ دھرمی ہوتی ہے۔ کٹ حجتی ہوتی ہے۔ یہ کٹ حجتی کرنا شیطان کا طریقہ ہے۔ معافی مانگ لینا یہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کا طریقہ ہے۔ اس لیے یہ بہت خوبصورت عادت ہے کہ جب بھی کوئی غلطی ہو اور کوئی بڑا پوچھے تو آدمی فوراً جواب میں کہے جی غلطی ہوگئی آپ معاف کر دیں۔ یہ اتنے خوب صورت الفاظ ہیں کہ بڑے سے بڑا مجرم اگر کسی کے سامنے کہہ دے تو دوسرے بندے کا دل اس کو معاف کرنے کو چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو بہت کریم ہے۔

لہٰذا کوئی بھی غلطی ہو اس کا کیا نتیجہ ہونا چاہیے کہ انسان فوراً یوں کہے اللہ مجھ سے غلطی ہوئی آپ معاف فرما دیں۔ یہ اعتراف جرم اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اللہ پسند فرماتے ہیں۔

جب اعتراف جرم کیا:

کہتے ہیں کہ اندلس میں ایک مرتبہ قحط پڑا' بارش نہیں ہوتی تھی۔ علماء نے فیصلہ کیا کہ ہم نماز استسقاء پڑھیں گے۔ چناں چہ شہر کے لوگ سب میدان میں جمع ہوئے اور انہوں نے خوب دعائیں مانگیں۔ بچے رو رہے ہیں' جانور پیاس کی شدت سے تڑپ رہے ہیں۔ مرد عورتیں اللہ کے سامنے رو رو کر دعائیں مانگ رہے ہیں۔ بارش کے آثار نظر نہیں آتے۔ متواتر کئی دن دعائیں مانگتے رہے۔

بالآخر علماء نے بادشاہ کو پیغام بھیجا کہ بادشاہ سلامت! اب تو ہم رو رو کر تھک گئے۔ اتنے دنوں دعائیں مانگ رہے ہیں۔ بارش کے آثار نظر نہیں آتے۔ لگتا ہے کہ ہم سے کوئی بڑا جرم ہو گیا ہے؟

بادشاہ نے جب یہ سنا تو اس نے حقیقت کو سمجھا' کہ سب نے معافیاں مانگ لیں لیکن میں تو ابھی تک اس نماز میں شریک نہیں ہوا۔ بادشاہ کے سر پر تاج نہیں تھا۔ پاؤں میں جوتے نہیں تھے۔ وہ اسی طرح اپنے تخت سے اٹھا اور اٹھ کر باہر کھلی جگہ پر آیا اور آ کر سجدے میں گر پڑا۔ عبدالرحمان ناصر اسکا نام تھا اور سجدے میں گر کر کہنے لگا اے اللہ! کوتاہیاں تو میری ہیں۔ غلطیاں تو میری ہیں۔ اور ایک میری غلطیوں کی وجہ سے اتنے معصوم بچے پیاس کی شدت سے تڑپتے ہیں۔ جانور پریشان ہیں۔ مولا! میں غلطی کا اعتراف کرتا ہوں۔ تو میرے جرم کو معاف کر دے۔

بادشاہ نے معافی مانگنی تھی کہ آسمان پر بادل آئے اور اللہ تعالیٰ نے بارش برسا دی۔

یہ اعتراف جرم اللہ کو بہت پسند ہے۔ اگر غلطی ہو جو کہ انسان سے ہو جاتی ہے تو اس کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ آگے سے لاجک بیان کیے جائیں' بہانے بنائے جائیں۔ آگے سے کٹ حجتی کی جائے' اللہ تعالیٰ غلطی کو معاف کر دیتے ہیں۔ عمل کی توفیق عطا فرما دیتے ہیں۔

کوشش یہی ہونی چاہیے کہ اللہ رب العزت کا حکم ہر حال میں پورا ہو۔ حکم الٰہی کی عظمت ہم اپنے دل میں بٹھا لیں۔

قیمتی بات:

اس لیے علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے دوست! یہ نہ دیکھ کہ گناہ چھوٹا ہے یا بڑا۔ بلکہ اس اللہ کی عظمت کو سوچنا جس کے حکم کی تم نافرمانی کر رہے ہو۔

اب ایک صفائی کرنے والا چوڑھا جسے کہتے ہیں۔ وہ کہے کہ میں نے صرف بادشاہ کے حکم کو بس تھوڑا سا توڑا ہے۔ میں نے تھوڑی سی نافرمانی کی ہے۔ تھوڑی سی نافرمانی کیا'

بادشاہ کے حکم کی نافرمانی نافرمانی ہے۔ تھوڑی سی نافرمانی پر بھی اس کو سزا ملتی ہے۔

بندہ بندہ ہوتا ہے:

اسی طرح بندہ بندہ ہے ہم اپنی اوقات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اللہ رب العزت کے حکم کی عظمت دل میں بٹھائیں گے تو اللہ اپنی نعمتیں اور عطا کریں گے اور اگر اللہ رب العزت کے احکام کو توڑتے پھریں گے تو پھر اللہ رب العزت ہم پر مصیبتوں کو بھیجیں گے۔

آج آپ دیکھتے ہیں کہ کتنے لوگ ہیں' اچھے دن ہوتے ہیں ان کے اندر عجب ہوتا ہے۔ تکبر ہوتا ہے۔ پھر اللہ رب العزت ان کے دن پھیر دیتے ہیں۔ جب دن پھرتے ہیں۔ پھر روتے ہیں اور جی ایک وقت تھا مٹی کو ہاتھ لگاتے تھے سونا بن جاتی تھی۔ آج سونے کو ہاتھ لگاتے ہیں وہ بھی مٹی بن جاتا ہے۔ دن پھر گئے۔ رحمت کی وہ گھڑیاں گزر گئیں اب پریشانی کے دن آ گئے۔

چناں چہ پریشانیاں ختم نہیں ہوتیں۔ اس لیے حکم خدا کی عظمت کو دلوں میں بٹھائیں۔ حکم خدا' حکم خدا ہے۔

غم پر شکوہ نہ کریں:

محمود اور ایاز کی بات سنیں۔ بادشاہ نے ایاز کو دیکھا' کہ بادشاہ کی دی ہوئی چیز مزے سے کھاتا چلا جا رہا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ایاز پھل کڑوا نہیں' اس نے کہا کڑوا تو ہے۔ پھر کیوں کھاتے جا رہے ہو؟ اس نے کہا بادشاہ سلامت! مجھے یہ خیال آیا کہ میں نے آپ کے ہاتھوں سے سینکڑوں مرتبہ میٹھی چیزیں لے کر کھائی ہیں۔ آج اگر کڑوی بھی مجھے مل گئی تو اسے واپس کرتے ہوئے مجھے حیا آ گئی۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ چھوٹا سا واقعہ لکھ کر فرماتے ہیں کہ اگر یہی معاملہ ہمارا اللہ کے ساتھ ہو جائے کہ اے اللہ تیری سینکڑوں' ہزاروں' لاکھوں نعمتیں ہمیں ملیں اور ہم ان نعمتوں سے لطف اندوز ہوئے' اگر آپ کی طرف سے کوئی پریشانی بھی آ گئی تو ہم آپ کے شکوے

کیوں کریں' سوچنا چاہیے۔

صحت زیادہ بیماری تھوڑی۔

پیٹ بھرے کا وقت زیادہ اور بھوک کی حالت تھوڑی۔

خوشیاں زیادہ اور غم کی حالت تھوڑی۔

نعمتیں زیادہ ہیں ہمارے اوپر' آزمائشیں بہت تھوڑی ہیں۔ اگر کوئی ایسا آزمائش کا وقت آ جائے تو کاش ہماری بھی سوچ یہی ہو' کہ اے اللہ! تیری لاکھوں نعمتوں میں ہم پلے ہیں۔ اگر آج ایسی اونچ نیچ ہمارے اوپر آ گئی تو ہم آپ کی شکایت زبان پر کیسے لائیں۔

ہم تو اپنے اللہ کے اتنے بھی وفادار نہ بنیں جتنا ایک غلام اپنے بادشاہ کا وفادار بنتا ہے۔

حقیقت نہ بھولو:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ ایک دوسری حکایت لکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایاز نے ایک چھوٹی سی الماری بنائی ہوئی تھی۔ تالا لگایا ہوا تھا۔ یہ روزانہ اس کو کھولتا اور اسکے اندر جھانک کر دیکھتا' پھر اسے بند کر دیتا۔ لوگ اس سے چابی مانگتے کہ ہمیں بھی دیکھنے دو' یہ دیکھنے نہ دیتا' چابی بھی کسی کے حوالے نہ کرتا۔ لوگوں میں ایک تجسس سا پیدا ہوا۔ کہ پتہ نہیں اس الماری میں کیا خزانہ چھپایا ہوا ہے؟ یہ بات جب بادشاہ کے دوستوں کو پتہ چلی تو حاسد تو تلاش میں ہوتے ہیں۔ انہوں نے بادشاہ سے کہا کہ دیکھیں! ہمیں لگتا ہے کہ اس غلام نے اس دیہاتی نے اس الماری کے اندر کوئی ہیرے موتی چوری کر کے رکھے ہیں۔ یہ روزانہ ان کو جا کر دیکھتا ہے۔ اور یہ کسی اور بندے کو دیکھنے بھی نہیں دیتا۔ چابی بھی نہیں دیتا۔ بادشاہ سلامت ذرا تحقیق کروائیں۔

بادشاہ نے اسی وقت ایاز کو بلا لیا' ایاز آیا۔ بادشاہ نے پوچھا ایاز! کیا تمہاری کوئی ایسی الماری ہے؟ جی۔ تالہ لگا کر رکھتے ہو؟ جی' چابی کسی کو نہیں دیتے؟ جی اور اسکو کھول کر خود

چیک کرتے ہو؟ جی!

جب سب باتوں کی تصدیق ہوگئی تو بادشاہ نے کہا چابی لاؤ' ایاز نے چابی حوالے کر دی' بادشاہ نے ایک شخص کو بلا کر کہا کہ ابھی جاؤ اور جو کچھ الماری میں ہے۔ سب کچھ اٹھا کر میرے سامنے لاؤ۔ حاسد تو بڑے خوش ہوئے' نہال ہوگئے' اب اس کی حقیقت کھلے گی۔ اب اس کا پتہ چلے گا۔ اب اس کو بادشاہ دھکے دلوا کر دربار سے باہر نکال دے گا۔ جان بھی چھوٹ جائے گی۔ سب خوش ہو رہے ہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ بندہ واپس آیا اور اس نے آ کر جو چیزیں سامنے رکھیں' وہ ایک پرانا سا جوتا' تہبند اور کرتا' یعنی کپڑے تھے پرانے' بوسیدہ قسم کے۔ بس یہی چیزیں تھیں۔ بادشاہ دیکھ کر حیران ہوا۔

بادشاہ نے کہا ایاز! یہ کل کائنات ہے تمہاری؟ اس نے کہا جی۔ اس کو تالے میں رکھتے تھے؟ کسی کو دیکھنے نہیں دیتے تھے؟ جی' اور خود روز اسکو جا کر دیکھتے تھے؟ جی!

بادشاہ نے پوچھا کیا وجہ؟ ایاز آگے سے جواب دیتا ہے۔ بادشاہ سلامت! جس دن پہلی مرتبہ میں آپ کے دربار میں آیا' یہ جوتے میں نے پہنے ہوئے تھے۔ یہ کپڑے میں نے پہنے ہوئے تھے۔ میں نے آ کر آپ کے دربار میں فریاد کی کہ مجھے اپنا نوکر بنالیں' آپ نے قبول کرلیا۔

اب آپ نے مجھے اتنی محبت دی' اتنا پیار دیا کہ' آج شاہانہ لباس ہے۔ میں آپ کا بہت قریبی سمجھا جاتا ہوں۔ یہ جو عزتیں ملیں۔ مجھے آپ کی وجہ سے ملیں۔ میں نے اپنے جوتے اور کپڑوں کو الماری میں رکھ لیا' روز جاتا ہوں۔ ان کپڑوں کو دیکھ کر اپنے آپ کو یاد دلاتا ہوں۔ ایاز! اپنی اوقات کو یاد رکھنا' تیری اوقات یہ تھی۔ جو کچھ تو بنا پھرتا ہے۔ سب بادشاہ کی نظر کرم کا نتیجہ ہے۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایاز نے جیسے اپنی اوقات کو یاد رکھا کاش! ہم بھی اپنی

اپنی اوقات کو یاد رکھ لیتے۔ ہم اس دنیا میں آئے تو ہمارا کیا تھا۔ کچھ بھی نہیں تھا۔

نہ مکان اپنا' نہ لباس اپنا' نہ کوئی مال اپنا' نہ خزانہ اپنا' نہ کرسی اپنی!

منہ میں دانت بھی نہیں تھے۔ عقل پختہ نہیں تھی۔ اپنا تو ہمارا کچھ بھی نہیں تھا۔ آج جو ہمیں اتنا کچھ ملا ہے۔ یہ کس کی نظر کرم ہے؟ اس مالک کا احسان ہے۔ کاریں ہیں' بہاریں ہیں۔ روٹی ہے' بوٹی ہے' بیوی ہے' اولادیں ہیں' عزتیں ہیں۔ یہ کس کا دین ہے۔ اس مالک کا دین ہے۔

جب اس مالک کا دین ہے تو پھر اپنی اوقات کو کیوں یاد نہ رکھیں۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوں اور اپنے آپ کو سمجھائیں کہ بندے اپنی اوقات کو یاد کر' اس مالک کی نافرمانی نہ کر جس نے اتنی نعمتوں میں تجھے پالا ہے۔

یہ خزاں کی فصل ہے فقط ان کی چشم پوشی
وہ اگر نگاہ کر دیں تو ابھی بہار آئے

اس کی رحمت کی نظر ہوتی ہے۔ بہار آ جاتی ہے۔ رحمت کی نظر ہٹی ہے تو انسان کے حالات بدل جاتے ہیں۔

حکم بڑا ہوتا ہے:

ایک تیسرا واقعہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں' فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے سوچا کہ لوگوں کی عقل کا امتحان لیتا ہوں کہ یہ کتنے سمجھ دار ہیں۔ اس نے خزانے سے بڑا سارا موتی لیا' بڑا قیمتی اور ایک ہتھوڑا بھی لیا اور دربار میں آ کر اپنے دوستوں کو بتایا کہ آج میں سب کی ذہانت کا امتحان لوں گا۔

اس کے بعد اس نے پہلے بندے کو ہتھوڑا دیا اور ہیرا بھی دیا۔ کہا اس کو توڑ' اب تو وہ سمجھ رہا تھا کہ میری تو ذہانت کا امتحان ہے۔ اس نے کہا بادشاہ سلامت! یہ ہیرا تو بڑا قیمتی ہے۔ یہ تو آپ کے خزانے میں اچھا لگتا ہے۔ اسکو تو توڑنا مناسب نہیں۔ اس نے تھوڑی

سی دلیلیں دیں۔ بادشاہ نے خوشی کا اظہار کیا اور اس سے ہیرا واپس لے لیا۔

دوسرے کو کہا کہ تم توڑو اسنے بھی بہانے بنائے' یہ تو بہت قیمتی ہے۔ بہت اچھا ہے۔ آپ اس کو اپنے پاس رکھ لیجیے توڑنے کی بجائے' بادشاہ نے کہا بہت اچھا۔

تیسرے کو دیا' سب نے یہی کیا' اس کو توڑا نہیں' بلکہ اسکو نہ توڑنے کی ایک آدھ لاجک بیان کر کے واپس کر دیا۔

سب سے آخر میں سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ نے وہ ایاز کو پکڑا دیا۔ ایاز اسے توڑو۔ ایاز نے اسے فرش پر رکھا اور جو زور کا ہتھوڑا مارا تو اس ہیرے کو اس نے ریزہ ریزہ بنا دیا۔ اب مخالفین سارے حیران کہ دیکھو! یہ اس کی بے وقوفی آج بادشاہ کو معلوم ہوگی۔ اتنے قیمتی ہیرے کو توڑ دیا۔ سمجھ ہی نہیں تھی۔ ایسا پاگل تھا۔ جب ہیرا ٹوٹ گیا تو بادشاہ بھی حیران۔ ایاز سے پوچھا کہ ایاز! تم نے اتنا قیمتی ہیرا توڑ دیا۔

ایاز نے آگے سے جواب دیا' بادشاہ سلامت! آپ نے حکم فرمایا تھا۔ اسکو توڑ دو اب میرے سامنے دو صورتیں تھیں' یا تو میں حکم کو مان لیتا' ہیرے کو توڑ دیتا۔

دوسری صورت یہ تھی کہ میں ہیرے کو بچا لیتا بہانہ بنا کر اور آپ کے حکم کو توڑ دیتا' میری نظر میں آپ کا حکم ایسے ہزاروں' لاکھوں ہیروں سے زیادہ قیمتی تھا۔ میں نے ہیرے کو تو توڑ دیا آپ کے حکم کو توڑنے سے بچا لیا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر یہ کیفیت بندے کی اللہ رب العزت کے بارے میں ہو جائے۔ اے اللہ! جو ٹوٹتا ہے ٹوٹ جائے' مگر آپ کا حکم کبھی نہیں ٹوٹے گا۔ ہمیں بندگی کا مزا آ جائے' سلیقہ آ جائے زندگی گزارنے کا۔

واقعی ایسے ہی ہے کہ جو اللہ والے ہوتے ہیں' وہ ہر حال میں اللہ رب العزت کے حکم کو پورا کر دکھاتے ہیں۔

ہم عظمت الٰہی کو دیکھیں:

آج کی اس مختصر بات کا نچوڑ یہ ہے کہ ہم حکم خدا کی عظمت دل میں بٹھائیں اور حکم خدا کو پورا کرنے کی ہر حال میں کوشش کریں اور اگر کبھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو اعتراف جرم سے پیچھے نہ رہیں۔ پوری غلطی کو مان لیں' بہت خوب صورت عادت ہے۔ جی غلطی ہوگئی ہے۔ معاف کردیں' ایسا کہہ دینے سے اگلے بندے کو کتنا غصہ کیوں نہ ہو وہ بھی معاف کردے گا۔ اور اللہ رب العزت کتنے ہی ناراض کیوں نہ ہونگے۔ اللہ تعالیٰ بھی معاف فرمادیں گے۔

حجت بازی کرنا' کٹ حجتی کرنا۔ آگے سے لاجک دینا' یہ چیز اللہ تعالیٰ کو بڑی ناپسند ہے۔ ہم اس سے بچنے کی کوشش کریں۔

انبیاء کرام علیہم السلام اس پروردگار کی عظمت کو سمجھتے تھے۔ لہٰذا وہ اللہ رب العزت کی بے نیازی سے ڈرتے تھے۔ کانپتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ وعدہ فرمایا میں تیرے اہل خانہ کو بچالوں گا طوفان سے' چناں چہ سیلاب شروع ہوا' حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے کلمہ گو جو ساتھی تھے ان کو کشتی پر سوار کرلیا۔

ایک ایسا موقع آیا کہ اپنا سگا بیٹا سامنے ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا﴾ (سورۃ ہود:۴۲)

اے بیٹے ساتھ اس کشتی میں سوار ہو جا' مگر بیٹا کہتا ہے:

﴿سَاٰوِيْ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ﴾ (سورۃ ہود:۴۳)

میں پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا اور اس پانی کے سیلاب سے بچ جاؤں گا۔ ابھی اس نے یہ بات کی۔

﴿وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ﴾ (سورۃ ہود:۴۳)

ایسے ایک لہر آئی اور نوح علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے ان کا جوان بیٹا پانی میں غرق ہو گیا۔

اب ہم میں سے کسی کے ساتھ یہ واقعہ پیش آ جائے تو ہمیں کتنا دکھ ہوگا کہ بیٹا کفر پر مر گیا' ایک ولی کے دل پر کتنا دکھ ہوتا ہے۔ ایک نبی علیہ السلام کے دل پر کیا گزری ہوگی کہ بغیر ایمان لائے یہ میرا جوان بیٹا دنیا سے چلا گیا۔

﴿وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ﴾

نوح علیہ السلام نے اپنے رب سے فریاد کی۔

﴿فَقَالَ﴾

یہ عرض کیا:

﴿رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ﴾

اے اللہ! میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا۔

﴿وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ﴾

اور آپ کے وعدے تو سو فی صد سچے۔

﴿وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ﴾ (سورۃ ہود:۴۵)

اور آپ سب بڑوں سے بڑے ہیں۔ حاکم ہیں۔

اب صرف اتنے الفاظ کہتے تھے۔ آگے اللہ رب العزت کی طرف سے خطاب آیا کیا فرمایا:

﴿قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ﴾

اے نوح! وہ تمہارے اہل میں سے نہیں تھا۔

﴿اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ﴾

اس کے عمل اچھے نہیں تھے۔ برے تھے۔ برے عمل کی وجہ سے وہ آپ کے اہل میں

سے نہیں تھا۔

اگر اتنی بات بھی فرما دیتے تو کافی تھی۔ مگر اللہ رب العزت اللہ ہے۔ آگے سے اور ایسے الفاظ کہہ دیئے جن کو پڑھ کر انسان کی برداشت ختم ہو جاتی ہے، فرمایا:

﴿فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾

(سورۃ ہود:۴۶)

مجھ سے ایسی باتیں نہ پوچھ جس کا تمہیں علم نہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں۔

کہ میرے سامنے جاہلوں والی بات مت کیجیے۔

وقت کے نبی علیہ السلام ہیں۔ تقریباً ایک ہزار سال قوم کو دعوت دیتے گزر گئی۔

﴿رَبِّ اِنِّيْ دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا﴾ (سورۃ نوح:۵)

اللہ! میں نے قوم کو دن اور رات تیری طرف بلایا ہے۔ جس نے زندگی کو یوں اللہ کے نام پر گزارا' آج اپنے بیٹے کی وفات پر غم زدہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے گزارش کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا جواب آتا ہے۔ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں۔ میرے سامنے بے علمی کی باتیں نہ کریں اور میرے سامنے جاہلوں والی بات نہ کیجیے۔

﴿اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ (سورۃ ہود:۴۶)

جب یہ خطاب آیا' نوح علیہ السلام اللہ کی عظمت کو جانتے تھے۔ آگے سے کوئی بات نہیں۔ کوئی تفصیل نہیں۔ کوئی وضاحت نہیں کی۔ بس اتنی بات کہی:

﴿قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُبِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ﴾

اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں آپ سے کوئی ایسی بات پوچھوں' جس کا مجھے علم نہیں۔

﴿وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ﴾

اور اگر تو مجھے معاف نہ کردے' مغفرت نہ کردے'

﴿وَتَرْحَمْنِيْٓ﴾

اور اگر اللہ تو نے مجھ پر رحم نہ کیا۔

﴿اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ (سورۃ ہود:۴۷)

میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام جو اللہ تعالیٰ کی شان کو جانتے ہیں۔ عظمتوں سے واقف ہیں۔ ان کا اللہ تعالیٰ کے سامنے یوں بندگی کا معاملہ ہوتا ہے۔

کاش کہ ہم عظمت الٰہی کو سمجھتے' وہ بے نیاز ذات ہے۔ اگر عظمت خدا کو جاننا چاہتے ہیں تو چشم بصیرت کو کھولئے۔ بندگی کے نظارے دیکھئے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے زمین پر بھیجا جا رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو کیسا خطاب کیا جا رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہچکچاہٹ دیکھئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آزمائش کو دیکھئے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قید کے نظارے پر غور کیجیے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے سر کے اوپر آرے کو چلتا دیکھئے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی گردن کو کٹتا دیکھئے۔ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں گرفتار دیکھئے۔

یہ وہ لوگ تھے جو اللہ تعالیٰ کی بندگی کرنے والے:

﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ﴾ (سورۃ انبیاء:۹۰)

اللہ سے اتنا ڈرنے والے۔

اللہ بڑا بے نیاز ہے۔ جب اس کا جی چاہتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بندہ کو آزمائشوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

کبھی تو مکہ سے گزرتے ہوئے پتھر مروا دیا کرتے ہیں اور جب چاہتے ہیں اپنے محبوب کو عرش پر بلا لیتے ہیں۔

اس لیے عظمت الٰہی کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اللہ کی رحمت کی نظر سے ہمیں صحت ملی'

عزت ملی' بصارت ملی' گویائی ملی' دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نعمتیں دیں۔ یہ سب اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم اللہ کے حکم کو توڑ دیں گے اور آگے سے بیان بازیاں' حجت بازیاں کریں گے تو اللہ کی رحمت ہٹ جائے گی۔ پھر اللہ رب العزت یہ نعمتیں واپس لیں گے اور نعمتوں کے چھن جانے کے بعد پھر بندہ دنیا سے ذلیل وخوار ہوتا پھرتا ہے۔

ہم اپنی اوقات کو پہنچان کر اپنے اللہ کی عظمت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کے ہر حکم کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کریں اور جو آج تک ہم غلطیاں کر چکے' گناہ کر چکے' ہم اللہ کے دربار میں معافی مانگیں' مولا! ہم اپنے نفس کی خباثت کی بنا پر تیرے حکموں کو توڑ چکے' تیرے پیارے حبیب ﷺ کی سنتوں کو چھوڑ چکے۔ ہم غلطی کو تسلیم کرتے ہیں۔ آپ سے معافی کے طلب گار ہیں۔ اے رب کریم! آپ ہمیں معاف کر دیجیے۔

اللہ رب العزت ہمارے قصوروں کو معاف فرمادے' ہمیں آئندہ نیکوکاری' پرہیز گاری کی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

نعت رسول مقبول ﷺ

حقیقت میں وہ لطف زندگی پایا نہیں کرتے
جو یاد مصطفیٰ سے دل کو گرمایا نہیں کرتے

زباں پر شکوۂ رنج و الم لایا نہیں کرتے
نبی کے نام لیوا غم سے گھبرایا نہیں کرتے

یہ دربار محمد ہے یہاں ملتا ہے بن مانگے
ارے ناداں! یہاں دامن کو پھیلایا نہیں کرتے

یہ ہے دربار رسالت یہاں اپنوں کا کیا کہنا
یہاں سے ہاتھ خالی غیر بھی جایا نہیں کرتے

ارے او ناسمجھ! قربان ہو جا ان کے روضے پر
یہ لمحے زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے

جو ان کے دامن رحمت سے وابستہ ہیں اے حامد
کسی کے سامنے وہ ہاتھ پھیلایا نہیں کرتے

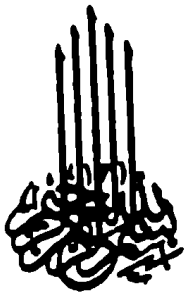

پاجا سراغ زندگی

ماں کی عظمت

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

ماں کی عظمت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ و کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی' اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

چھپا ہوا خزانہ:

((کُنْتُ کَنْزًا مَّخْفِیًّا))

میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا۔

((فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ))

میں نے ایک چیز کو پسند کیا کہ میں پہنچانا جاؤں۔

((فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ))

پس میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا۔ مخلوق کے پیدا کرنے کا سبب محبت بنی۔

((اَحْبَبْتُ))

مجھے اچھا لگا میں نے پسند کیا' میں نے چاہا کہ مجھے پہچانا جائے۔

((فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ))

میں نے مخلوق کو پیدا کر دیا۔ کیونکہ محبت ذریعہ بنی کائنات کی پیدائش کا لہٰذا کائنات کی ہر چیز کی محبتوں میں حصہ ملا۔ ہر چیز کو جو بھی کائنات کی چیز ہے۔ اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس کو محبتوں میں سے حصہ ملا۔ جمادات کو بھی ملا۔ نباتات کو بھی ملا۔ حیوانات کو بھی ملا۔ انسانوں کو بھی ملا۔

انسانوں میں محبت کا نظارہ:

انسانوں میں اگر محبت کا نظارہ دیکھنا ہو تو ماں کی محبت کا نظارہ دیکھو۔ جس کو ماں کی ممتا کہتے ہیں۔ وہ محبت کی ایک کامل مثال ہے۔ کوئی بھی ماں ایسی نہیں کہ اپنی اولاد پر قربان نہ ہوتی ہو۔

محبت کی مثالیں:

ایک چھوٹی سی چڑیا' ننھی سی جان ہے۔ اس کے بچے گھونسلے میں ہیں۔ وہ ان کو پانی پلانے کے لیے دور اڑ کر جاتی ہے اور اپنی چونچ میں پانی لے کر آتی ہے۔

کئی مرتبہ دروازہ بند ہو' گھونسلے میں جا نہیں سکتی۔ اس چھوٹی سی چڑیا کو دیکھا کبھی ادھر بیٹھتی ہے' کبھی ادھر بیٹھتی ہے۔ پسینے میں شرابور ہے۔ خود پیاسی ہے۔ لیکن اپنے منہ کا پانی خود نہیں پیے گی۔ بلکہ اس چونچ کا پانی' منہ کا پانی اپنے بچوں کو پلائے گی۔

دیکھو! اس ننھی سی جان میں بھی اللہ تعالیٰ نے ماں کی ممتا کو رکھ دیا اور آگے دیکھئے:

مرغی کو اپنے بچوں سے کتنا پیار ہوتا ہے۔ ہر وقت ان کو پروں میں سمیٹ کر پھر رہی ہوتی ہے۔ اور اگر کسی وقت کوئی بلی آ جائے تو مرغی پر پھیلا کر اس کے سامنے کھڑی ہو جاتی ہے۔ یہ مرغی جانتی ہے کہ میں بلی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کو پتہ ہے کہ بلی مجھے جان سے مار دے گی۔ مگر یہ نہیں چاہتی کہ میں اپنی آنکھوں کے سامنے کسی بچے کو بلی کے منہ میں دیکھوں۔

یہ کہتی ہے کہ یہ بلی پہلے مجھے مارے گی' پھر میرے بچوں کو ہاتھ لگائے گی۔ اب دیکھو کہ ننھی سی جان ہے۔ اس میں بھی ماں کی ممتا کا کیا معاملہ ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک صحابیؓ جا رہے تھے۔ انہوں نے ایک درخت پر گھونسلا دیکھا' جس میں چھوٹے چھوٹے معصوم سے پیارے بچے تھے۔ انہوں نے ان بچوں کو اٹھا لیا۔ ان کو وہ اچھے لگے۔ لے کر چل پڑے۔ ان کی ماں دانہ چگنے کے لیے کہیں گئی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب ماں آئی اور اس نے گھونسلے میں دیکھا کہ اس کے بچے نہیں تو ان کی تلاش میں نکلی' حتی کہ اس صحابیؓ کے سر پر پہنچ گئی۔

اب وہ اس کے سر پر چکر لگاتی رہی۔ چکر لگاتی رہی۔ مگر یہ اس کے پیغام کو سمجھے نہیں۔ کہ یہ مجھ سے کیا فریاد کر رہی ہے۔ مجھے کیا پیغام دے رہی ہے۔ مجھے کیا کہنا چاہتی ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ چڑیا خود بخود ان کے کندھے پر آ کر بیٹھ گئی۔ انہوں نے اس کو بھی پکڑ لیا اور سب کو لے کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک خوب صورت عادت یہ تھی کہ جب بھی کوئی نئی بات پیش آتی تو نبی علیہ السلام سے اس کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔

چناں چہ انہوں نے نبی علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ واقعہ پیش آیا اور میں بچوں کو اور ان کی ماں کو لے کر آیا ہوں۔ نبی علیہ السلام نے انہیں بات سمجھائی کہ یہ چڑیا اصل میں تم سے یہ فریاد کر رہی تھی کہ میرے بچوں کو آزاد کر دو Request کر رہی تھی۔ میں ماں ہوں' مجھے جدا نہ کرو' میں نہیں زندہ رہ سکوں گی۔ جب تم نے اس کی بات کو نہ سمجھا تو چڑیا نے فیصلہ کیا کہ پھر مجھے گھونسلے میں رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر میرے بچے قید ہیں تو میں اپنی قید کو آزادی پر ترجیح دیتی ہوں۔ یہ بھی تمہارے کندھے پر آ کر بیٹھ گئی اور تم نے اسے بھی پکڑ لیا۔

فرمایا جاؤ! اس ماں کو بچوں سمیت گھونسلے میں چھوڑ کر آؤ۔

اب دیکھو! چھوٹی سی چڑیا ہے' مگر ماں محبت کے ہاتھوں مجبور ہے۔ اس کو ماں کی مامتا کہتے ہیں۔

ہرنی کی فریاد:

مشہور روایت میں ہے کہ نبی علیہ السلام تشریف لے جا رہے ہیں۔ ایک یہودی ایک ہرنی کو پکڑ کر کھڑا ہے۔ ہرنی کچھ آواز نکالتی ہے۔ یہودی سمجھ نہیں سکتا۔

نبی علیہ السلام سمجھتے ہیں۔ یہودی سے کہتے ہیں کہ ہرنی مجھ سے فریاد کر رہی ہے۔ اس شخص نے مجھے پکڑ لیا۔ نہ یہ مجھے چھوڑتا ہے نہ یہ مجھے مارتا ہے اور یہ وقت ہو گیا میرے بچوں کو دودھ پلانے کا' میرے بچے پیاسے ہیں۔ اے اللہ کے نبی ﷺ! آپ ﷺ مجھے اس سے اجازت لے کر دے دیجئے' میں جاؤں گی اور دودھ پلا کر واپس آ جاؤں گی۔

نبی علیہ السلام اس یہودی سے فرماتے ہیں کہ تم اس کو آزاد کر دو۔ اس نے کہا کہ ذمہ داری کون لے گا؟ فرمایا کہ میں ذمہ دار ہوں' میں یہاں پر کھڑا ہوں گا۔

یہودی نے سوچا کہ آزمانے کا بہترین وقت ہے۔ آزمائش کرتا ہوں۔ اس نے ہرنی کو چھوڑ دیا۔ چناں چہ وہ ہرنی بھاگتی ہوئی گئی اور کچھ دیر کے بعد اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ گئی۔

یہودی نے نبی علیہ السلام کا یہ معجزہ دیکھا تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

دیکھو! یہ جاندار ہیں۔ ان میں عقل بھی نہیں ہے کامل' لیکن ماں کی مامتا ان کے اندر بھی موجود ہے۔ جب ان جانداروں میں ماں کی مامتا اتنی ہے تو پھر انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل کامل دی۔ انسان کو اپنے بچوں سے کتنی محبت ہوتی ہو گی۔ ماں کو اپنی اولاد سے کتنی محبت ہے' اس کو الفاظ میں بیان بھی نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اپنے آپ سے بڑھ کر اپنے بچوں کو عزیز رکھتی ہے۔

چائنہ میں زلزلہ اور مامتا:

چناں چہ چائنہ میں ایک مرتبہ زلزلہ آیا کئی بڑی بڑی عمارتیں گر گئیں کرینوں کے ذریعے ان کا ملبہ ہٹایا گیا۔ ایک ملبہ کے نیچے سے ایک عورت کو سات دن کے بعد نکالا گیا جس نے اپنے بچے کو سینے سے لگایا ہوا تھا اور ابھی زندگی کے سانس لے رہی تھی ہسپتال لے گئے۔ ہوش میں لائے اس سے پوچھا کہ اللہ رب العزت نے تمہیں سلامت رکھا یہ بتاؤ۔ تمہاری انگلیاں زخمی کیوں نظر آتی ہیں۔ وہ کہنے لگی کہ میں ایسی طرح ملبے کے نیچے آ گئی کہ میں خود تو محفوظ تھی ٹنوں کے حساب سے میرے اوپر ملبہ تھا میں نکل نہیں سکتی تھی امید تھی کہ ممکن ہے میری زندگی باقی ہو بچے کو سینے سے لگائے رکھا میں اس کو ایک دو دن تک اپنا دودھ دیتی رہی۔ جب مجھے غذا نہ ملی تو میرے سینے سے دودھ آنا بند ہو گیا۔ بچہ روتا میں انگلی منہ میں ڈالتی بچے کی پیاس اور بھوک کی شدت کی وجہ سے اس کا رونا مجھ سے دیکھا نہ جاتا۔ پھر میں پریشان کہ کیا کروں میرے دل میں ایک خیال آیا کہ اگر میرے سینے میں دودھ نہیں مگر جسم میں خون تو موجود ہے۔ میں اپنے دانتوں سے اپنی انگلی کو کاٹتی حتی کہ اس میں سے قطرہ قطرہ خون نکلنے لگا اور وہ بچے کے منہ میں دے دیتی کہ اسے کچھ تو پینے کے لیے مل جائے۔ اور بقیہ پانچ دن میں اپنے بچے کو اپنے جسم کا خون پلاتی رہی اور یوں مجھے اور میرے بیٹے کو دوبارہ زندگی نصیب ہوئی۔ محبت کی انتہاء دیکھئے اپنی انگلیوں کو کاٹ کاٹ کر اپنے بیٹے کو اپنا خون پلا رہی ہے کہ بچے کی زندگی بچ جائے۔ تو ماں کو اولاد کے ساتھ والہانہ محبت ہوتی ہے۔ جسے ماں کی مامتا کہتے ہیں اور یہ اللہ رب العزت نے ماں کے دل میں رکھ دیا کیوں کہ اس کی گود میں بچے نے پرورش پانی تھی وہ بچپن سے لے کے بڑی عمر تک اپنے اس بچے کے ساتھ اسی طرح والہانہ محبت کرتی ہے۔

اس وجہ سے جانور ہوں یا انسان ماں کی مامتا انوکھی چیز ہوتی ہے۔ ماں کو اولاد کے ساتھ بہت زیادہ محبت ہوتی ہے۔

ماں کی محبت:

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں' ایک عورت اپنے دو بچوں کو لے کر آئی۔ نبی علیہ السلام نے کہا کہ تین کھجوریں دے دو' دو بچوں کے حصے کی ایک ماں کے حصے کی۔ اس عورت نے ایک ایک کھجور بچوں کو دے دی اور خود کھجور نہیں کھائی' اپنی کھجور اپنے ہاتھ میں رکھی۔ جب بچوں نے اپنے اپنے حصے کی کھجوریں کھالیں تو ماں نے پھر اپنی کھجور کے دو حصے کیے اور آدھا آدھا حصہ دونوں کو کھلا دیا۔ خود بھوکی رہی۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بڑی حیران ہوئیں۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا حمیرا! یہ ماں کی محبت ہے۔ یہ ماں کی ماما ہے کہ دیکھو اس نے خود نہیں کھایا۔ وہ بھوکی رہی۔ لیکن اس نے اپنے بچوں کو کھلا کر سکون پایا۔

کبھی بندے کو کھلا کر خوشی ہوتی ہے۔ مگر ماں وہ فزیشن ہے کہ جس میں کھلا کر خوشی ہوتی ہے۔ کھاتے بچے ہیں۔ پیتے بچے ہیں اور خوشی ماں کے دل کو ہوتی ہے۔ یہ محبت ہے۔

کھلا کر خوشی ہوئی:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب نبی علیہ السلام ہجرت کے لیے تشریف لے گئے' ام ایمن رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچے تو وہاں بکریاں تھیں۔ مگر ان میں دودھ نہیں تھا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گے بڑھے اور کہا کہ ہمیں بکریوں کا دودھ چاہیے۔ انہوں نے کہا کہ بکریوں کے تھنوں میں تو دودھ نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ اس سے غرض نہیں ہے۔ اجازت دے دو۔ انہوں نے اجازت دے دی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھے' اللہ کی شان ہے کہ بکریوں نے دودھ دینا شروع کر دیا۔ حتی کہ دودھ کا برتن بھر گیا۔ پھر اس پر کپڑا ڈال کر نبی علیہ السلام کی خدمت میں لائے اور نبی علیہ السلام کو پلایا۔

حدیث پاک کے الفاظ ہیں

((فَشَرِبَ حَتّٰی رَضِیَتْ))

کہ نبی علیہ السلام نے اتنا دودھ پیا حتی کہ میرا دل خوش ہو گیا۔ اب یہ محبت ہے کہ دودھ تو نبی علیہ السلام پی رہے ہیں اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دل خوش ہو رہا ہے۔

ماں کی محبت بھی ایسی چیز ہے کہ کھاتی اولاد ہے مگر ماں کا دل خوش ہوتا ہے۔

مسئلہ حل ہو گیا:

ماں بچے کی تکلیف کو کبھی نہیں دیکھ سکتی۔ مشہور واقعہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے کا واقعہ ہے۔ دو عورتوں کے بچے تھے۔ ایک بچے کو بھیڑیا لے گیا۔ جس کے بچے کو بھیڑیا لے گیا' اس عورت کے دوسرے بچے کے بارے میں کہنا شروع کر دیا کہ یہ میرا بچہ ہے۔ اب جھگڑا شروع ہو گیا۔ ایک کہتی کہ میرا بچہ ہے دوسری کہتی کہ میرا بچہ ہے۔

چناں چہ داؤد علیہ السلام کے پاس مقدمہ آیا۔ انہوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو حکم فرما دیا کہ آپ اس کا حل نکالیں۔

﴿فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ﴾ (سورۃ انبیاء:۷۹)

اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سلیمان علیہ السلام کو اسکا فہم دے دیا۔

انہوں نے چھری نکالی۔ کہنے لگے کہ چونکہ تم دونوں اس پر دعوی کر رہی ہو۔ انہوں نے کہا کہ میں چھری سے اس کے دو ٹکڑے کر کے آدھا اس کو دیتا ہوں۔ آدھا اس کو دیتا ہوں۔ جیسے ہی چھری نکالی' جو اس کی صحیح ماں تھی۔ اس نے رونا شروع کر دیا۔ کہنے لگی کہ اس کے ٹکڑے نہ کریں۔ اس کو دے دیں' میں کبھی کبھی اپنے بچے کو دیکھ تو لیا کروں گی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہچان لیا کہ صحیح ماں کون ہے؟

یہ ماں کی مامتا ایک عجیب نعمت ہے۔ یہ وہ محبت کا جذبہ ہے کہ جس کو الفاظ میں کوئی بندہ بیان نہیں کر سکتا۔ اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کا نمونہ دنیا میں دکھانے کے لیے یہ رشتہ بنا دیا۔ تا کہ بندے میری رحمت کو ویسے تو دیکھ نہیں سکتے۔ اس کا احساس نہیں کر سکتے۔

ماں کے دل میں جو محبت ڈال دی۔ اس کے ڈالنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ جب ماں کو دیکھیں گے کہ وہ کس طرح اولاد پر قربان ہوتی ہے تو پھر لوگوں کو پتہ چلے گا کہ اللہ رب العزت کو اپنے بندوں سے محبت کتنی ہے؟

حج اور عمرے کا ثواب:

چناں چہ اسی لیے ماں کے چہرے کو دیکھنا عبادت بنایا گیا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو بندہ محبت اور عقیدت کی ایک نظر ماں کے چہرے پر ڈالے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایک حج یا عمرے کا ثواب عطا فرما دیتے ہیں۔

گناہ کے بخشوانے کی صورت:

ایک حدیث میں ہے کہ نبی علیہ السلام کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا کہ اللہ کے نبی ﷺ مجھ سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے۔ اب اس کے معاف کروانے کی کیا صورت ہے؟

نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ تیری ماں ہے؟ اس نے کہا جی فرمایا کہ اگر تو اس کی خدمت کرے گا تو اللہ تعالیٰ تیرے اس گناہ کو معاف فرما دیں گے۔

جنت ماں کے قدموں تلے ہے:

اس لیے فرمایا:

﴿اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ الْاُمَّهَاتِ﴾

کہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہوتی ہے۔

جنت میں تلاوت کی آواز:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام معراج پر تشریف لے گئے۔ جنت میں آپ ﷺ نے کسی کے قرآن پاک پڑھنے کی آواز سنی۔ جبرائیل علیہ السلام سے آپ ﷺ

نے پوچھا اے جبرائیل! یہ قرآن پڑھنے کی آواز کس کی آ رہی ہے۔

جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ حارثہ بن نعمان رضی اللہ عنہ کی ہے۔ پوچھا اس کی آواز یہاں کیسے آ رہی ہے؟ اس لیے کہ وہ ماں کی بہت خدمت کرتا ہے اور یہ عمل اللہ کو ایسا محبوب ہے کہ وہ قرآن فرش پر پڑھتا ہے اور آواز عرش پر سنائی جاتی ہے۔

یہ اس لیے کہ یہ تعلق محبت کا بہت گہرا اور بہت مضبوط ہوتا ہے۔ اس لیے ماں بچے سے بہت محبت کرتی ہے۔ اور فطری طور پر بچوں کو ماں سے بہت محبت ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ بچپن میں وقت بھی زیادہ گزارتے ہیں۔

بچوں کے دل میں ماں کی اتنی محبت ہوتی ہے کہ ہم کئی دفعہ اس کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے۔ جب جدائی ہوتی ہے تب پتہ چلتا ہے کہ یہ محبت کا تعلق کیسا تھا۔

چھوٹے چھوٹے بچوں میں اس لیے باپ کی نسبت بھی ماں کی محبت غالب ہوتی ہے۔

حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کا قبول اسلام:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک صاحب تھے جن کا نام تھا مالک۔ اور وہ تجارتی سفر پر چلے گئے۔ جب واپس آئے تو ان کی بیوی کا نام تھا ام سلیم رضی اللہ عنہا' ان کی بیوی نبی علیہ السلام کے ایک درس میں آئی اور اس میں اسلام قبول کر لیا۔ مسلمان ہو گئی۔

جب خاوند سفر سے واپس لوٹا تو خاوند بیوی بیٹھ کر باتیں کرنے لگے چارپائی پر۔ بیوی نے بتلایا کہ میں تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئی ہوں۔ مالک نے کہا تمہیں اتنی جلدی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میرا انتظار کر لیتی۔ اس نے کہا کہ مجھے خیال آیا کہ ایسا نہ ہو کہ موت آ جائے اور میں کلمے کے بغیر دنیا سے چلی جاؤں' میں نے ایمان قبول کر لیا ہے۔

مالک نے جواب دیا کہ میں نے تو ابھی فیصلہ نہیں کیا۔ ابھی دونوں میاں بیوی نے یہ باتیں کیں۔ اتنے میں ان کا ایک چھوٹا سا بیٹا آ گیا۔ جس کا نام انس تھا۔ انس کو دیکھ کر اس کا باپ کہنے لگا کہ انس بیٹے! میں نے بھی کلمہ نہیں پڑھا' تم نے بھی نہیں پڑھا۔

اسکو دیکھ کر ماں نے کہا میرے بیٹے! میں نے کلمہ پڑھ لیا ہے۔ تم بھی کلمہ پڑھ لو۔ اب بچے کو دونوں طرف سے دعوت ملی۔ روایت میں آتا ہے کہ انس نے ایک نظر باپ پر ڈالی اور ایک نظر ماں پر ڈالی اور اونچی آواز سے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

والدین کی خواہش:

معلوم ہوا کہ ماں کی محبت اولاد کے دل میں باپ کی نسبت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس لیے ماں کے جو نرم نرم الفاظ ہوتے ہیں وہ کئی مرتبہ اولاد کے دل میں اتر جاتے ہیں۔ ماں کے جو گرم گرم آنسو ہوتے ہیں' وہ بچوں کی زندگی کے فیصلوں کو بدلوا دیتے ہیں۔

یہ تعلق اللہ نے جو محبت کا آپس میں جوڑ دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عجیب شان ہے۔ چناں چہ مائیں ہمیشہ یہ چاہتی ہیں کہ ان کی اولاد کامل بنے۔ ہر ماں کی یہ تمنا ہے۔ چاہے وہ پڑھی لکھی ہو' چاہے ان پڑھ ہو' شہری ہو یا دیہاتی ہو' ہر ماں کی یہ تمنا ضرور ہوگی کہ اولاد میری قابل بن جائے۔ اولاد کامل بن جائے اور اس کے لیے کوششیں بھی کرتی ہے۔ دنیا کی ہر ماں کوششیں کرتی ہے کہ اولاد کامل بن جائے۔

ماں کی محنت کا ثمر:

چناں چہ ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت عبدالرحمٰن فروخ رحمۃ اللہ علیہ یہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں نکلے' بنوامیہ کا دور تھا۔ جہاد کے لیے نکلے۔ اب فتوحات ہوتی گئیں اور یہ بڑھتے گئے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ستائیس سال ان کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے گزر گئے۔

ستائیس سال کے بعد پیش قدمی کا سلسلہ ایک جگہ رکا۔ پھر جتنے مجاہدین تھے' فوجی تھے۔ ان کو چھٹیاں ہو گئی۔ گھروں کی طرف لوٹے۔ حضرت عبدالرحمٰن فروخ رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے گھر کی طرف آئے۔ اب 27 سال کے بعد واپس لوٹے تھے۔

جب گھر آئے تو اپنی بیوی سے ملے' خیر خیریت دریافت کی۔ جاتے ہوئے یہ تیس

ہزار دینار اپنی بیوی کو خرچہ دے کر گئے تھے۔ انہوں نے آ کر پوچھا کہ میرے بعد کوئی تنگی تو نہیں ہوئی؟ کہا نہیں' کوئی خرچے کی پریشانی؟ اس نے کہا کوئی نہیں۔

تم نے پیسے کہاں خرچ کیے؟ اس نے کہا کہ نماز کا وقت ہے۔ آپ نماز پڑھ کر آئیں۔ پھر تسلی سے بیٹھ کر میں آپ کو حالات سناؤں گی۔

یہ نماز پڑھنے مسجد میں چلے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خوب صورت نوجوان بچہ ہے اور نماز کے بعد وہ درس دینے بیٹھ گیا۔ اس نے قال اللہ و قال الرسول سنانا شروع کیا۔ وہ بچہ بولتا تھا' اس کے منہ سے موتی جھڑتے تھے۔ اتنا ان کا دل خوش ہوا' کہ یہ تمنا کرنے لگے کہ پتہ نہیں کہ کس خوش نصیب کا بیٹا ہے۔

چناں چہ جب درس موقوف ہوا تو یہ اپنے گھر واپس آئے۔ دروازے پر دونوں کی ملاقات ہوگئی۔ یہ اس کو دیکھ کر حیران کہ تم یہاں کیسے؟ اس نے کہا کہ میرا گھر ہے۔ اس نے پوچھا آپ کیسے؟ اس نے کہا کہ میرا گھر ہے۔

ابھی دونوں کی بات ہو رہی تھی تو اندر سے آواز آئی کہ آپ دونوں آپس میں بحث کرنے کی بجائے اندر آ جائیں۔ جب دونوں اندر آئے تو ماں نے تعارف کروایا اور اپنے خاوند کو کہ یہ آپ کا بیٹا ہے چھوٹا سا تھا۔ میں نے جتنا آپ سے مال لیا تھا۔ اس کی تعلیم اور تربیت پر خرچ کر دیا۔ اب تم بتاؤ' کیا میں نے تمہارے مال کو صحیح خرچ کیا کہ نہیں؟

یعنی اکیلی ہے ماں' باپ بھی پاس نہیں۔ لیکن اس وقت کی مائیں اپنے بچوں کی اتنی تربیت کرتی تھیں۔ کہ بچے پھر بڑے ہو کر ربیعۃ الرائے اس کا نام مشہور ہو گیا۔ یہ وہ بزرگ ہیں کہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی ان کے شاگرد کہلاتے ہیں۔ حضرت حسن بصری بھی ان کے شاگرد کہلاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا مقام عطا فرما دیا۔

ماں نے بیٹا وقف کیا:

ہر ماں یہ چاہتی ہے کہ میری اولاد کامل بنے۔ چناں چہ دنیا میں جتنی مشہور ہستیاں

گزری ہیں۔ اگر آپ ان کے حالات زندگی پڑھ لیں تو اکثر و بیشتر آپ کو ان کے پیچھے ان کی ماں کی شخصیت نظر آئے گی۔ جس نے بچپن میں ان کو بنانے کی کوشش کی۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں مشہور ہے کہ بچپن میں والد فوت ہوگئے۔ ماں اپنے بچے کو چھوڑنے کے لیے آئی۔ قاری صاحب کو کہا کہ اس کا باپ ہے نہیں اس کو زیادہ جلدی چھٹی نہ دینا۔ گھر آنے کا چسکا پڑ گیا تو یہ پڑھائی نہیں کرے گا۔

چناں چہ قاری صاحب نے ان کو بہت عرصہ اپنے پاس رکھا۔ ایک دن ان کا جی چاہا کہ میں امی کو ملوں۔ چھٹی لے کر گھر آ گئے۔ دروازے پر دستک دی۔ ماں اندر وضو کر رہی تھی۔ وہ پہچان گئی بیٹا آ گیا۔ دروازے پر آ کر پوچھتی ہے کہ کون ہے دروازہ کھٹکھٹانے والا؟ کہنے لگے میں بایزید۔ ماں نے جواب دیا کہ ایک بایزید میرا بھی تھا۔ لیکن میں نے تو اسے اللہ کے راستے میں وقف کر دیا۔ تو کون ہے؟

جب ماں نے یہ الفاظ کہے تو انہوں نے سمجھ لیا کہ میری ماں کیا چاہتی ہے۔ چناں چہ لوٹ کر واپس مدرسہ میں آئے اور اس وقت گھر واپس لوٹے جب بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ بن چکے تھے۔ اس وقت کی مائیں دیکھو یوں تربیت دیتی تھیں۔

اصل کمال ماں کا ہے:

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بغداد کا دورہ کیا۔ ستر لاکھ لوگوں نے گناہوں سے توبہ کی اور سات لاکھ ہندوؤں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ جب واپس لوٹے تو بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا بڑے خوش نظر آتے ہو۔

امی! خوش اس لیے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سعادت دی کہ اتنے لوگ توبہ تائب ہوئے اتنے لوگوں نے اسلام قبول کیا۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا! یہ تیرا کمال نہیں ہے۔ یہ میرا کمال ہے۔

کہنے لگے امی! بات تو ٹھیک ہے۔ لیکن ذرا سمجھائیں تو سہی کہ آپ کا کمال کیسے؟

ماں نے کہا کہ بیٹا! میرا کمال ایسے کہ جب تو پیدا ہوا' میں نے دل میں یہ نیت کر لی تھی کہ میں کبھی بھی بے وضو تجھے دودھ نہیں پلاؤں گی۔ میں نے کبھی زندگی میں تجھے بے وضو دودھ نہیں پلایا۔ یہ اس کی برکت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ہاتھ پر لاکھوں انسانوں کو کلمہ پڑھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

والدین کی ترتیب:

ہر ماں چاہتی ہے کہ اولاد کامل بنے۔ چناں چہ انڈیا میں ایک بزرگ گزرے ہیں خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ۔

جب پیدا ہوئے تو ماں باپ نے آپس میں سوچا کہ بچے کی تربیت اچھی کی جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت بچپن سے اس کے دل میں بیٹھ جائے۔ دونوں نے مشورہ کیا کہ بالکل ٹھیک ہے۔

چناں چہ بچہ بڑا ہوا۔ سکول جانے لگا تو ماں نے ایک ترتیب شروع کی۔ وہ کیا کہ بچے کا کھانا بنایا اور اسکو کمرے میں ایک جگہ چھپا دیا۔ بچہ آیا' اس نے کہا امی! مجھے بھوک لگی ہے۔ کھانا دیں۔ ماں نے کہا بیٹا! ہمیں بھی اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور آپ کو بھی اللہ تعالیٰ ہی دے گا۔ تم اس سے مانگو۔ بچے نے کہا امی! کیسے مانگوں؟ بیٹا مصلیٰ بچھاؤ۔ قبلہ رخ بیٹھ جاؤ۔ ہاتھ اٹھا کر دعا مانگو۔ بچے نے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔ اے اللہ! میں مدرسہ سے آیا ہوں' بھوک بھی ہے' پیاس بھی ہے' تھکا ہوا بھی ہوں' مجھے کھانا دے دیں' پھر پوچھنے لگا کہ امی! اب کیا کروں؟

ماں نے کہا کہ کمرے میں ڈھونڈو' کہیں ہوگا۔ اب تھوڑی دیر جو بچے نے ڈھونڈا تو اسے کھانا مل گیا۔ یہ روز کا معمول بن گیا۔ بچہ آتا' اللہ سے مانگتا اور بچے کو کھانا مل جاتا۔ اب آہستہ آہستہ بچے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت بڑھنے لگی۔ وہ کبھی کبھی ماں سے پوچھتا کہ امی! اللہ تعالیٰ کتنے اچھے ہیں۔ انسانوں کو بھی دیتے ہیں۔ حیوانوں کو بھی دیتے

ہیں۔ وہ کتنے بڑے ہیں۔ ان کے خزانے کتنے بڑے ہیں۔ بچے کے اندر ایک تجسس شروع ہوگیا۔ ماں خوش ہوتی کہ میرے بچے کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔ امی! ہم اللہ تعالیٰ سے کب ملیں گے؟ اللہ تعالیٰ کتنے اچھے ہیں۔ کتنے پیارے ہیں۔ وہ ایسی باتیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ کی شان دیکھیے۔ ایک دن ماں اپنے رشتہ داروں میں کہیں چلی گئی۔ وہاں اسے دیر ہوگئی۔ جب وقت کا احساس ہوا واپس آئی۔ بیٹے سے پوچھا کہ کھانا کھالیا؟ اس نے جواب دیا کہ کھانا اللہ تعالیٰ نے دیا' کھالیا۔ یہ تربیت کا نتیجہ ہے۔

والدین کی عظمت جاننے کی ضرورت ہے:

آج کل ماں کا احساس ہی نہیں۔ اگر بیٹی ناشتے کے بغیر سکول چلی گئی تو کہتی ہے کہ میری بیٹی ناشتے کے بغیر سکول چلی گئی۔ بیٹی کو احساس ہی نہیں کہ ماں کا مقام کیا ہوتا ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ شاید گھر کی ایک نوکرانی ہوتی ہے۔ اسکا نام ماں ہے۔ ایسی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مقام ہے۔

اس لیے آج کل کے نوجوان بچوں کو ماں کے مقام کی اہمیت کا اندازہ ہونا چاہیے کہ اللہ رب العزت نے اسکو کیا مقام عطا فرمایا اور اس کا اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا رتبہ ہے۔

اس لیے ہمارے مشائخ نے لکھا ہے کہ اگر کوئی ماں گناہ گار بھی ہو' خطا کار بھی ہو' بے عمل بھی ہو' لیکن اندر سے اولاد کے حق میں اللہ تعالیٰ اس کی دعاؤں کو اس طرح قبول کرتے ہیں کہ جس طرح ولایت کبریٰ کے اولیاء کی دعاؤں کو قبول کیا جاتا ہے۔ وہ گناہگار اور خطا کار اپنی جگہ مگر اخلاص تو ہے' اولاد کے بارے میں مخلص تو ہے۔ اس کے اخلاص کی وجہ سے اللہ رب العزت ماں کی دعاؤں کو رد نہیں کرتے۔

خوش نصیب وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جو اپنے ماں باپ کی دعائیں لیتے ہیں۔ ماں کی محبت الفاظ میں کوئی کیا بیان کرے گا۔

بعض لوگوں نے کہا کہ ماں سے پیارا رشتہ دنیا میں کوئی نہیں ہوتا۔ ماں کا پیار دکھانے

اور بتانے کا تو نہیں ہوتا۔ یہ تو وہ چیز ہے کہ ماں بے اختیار کر رہی ہوتی ہے۔

ماں کی گود:

یاد رکھنا! کہ بچے کے لیے ماں کی گود سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ بچے کی عمر خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہو۔ کتنا بڑا کیوں نہ ہو جائے' ماں کی گود ماں کی گود ہوتی ہے۔ اس کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔

اس لیے ہم نے کئی بوڑھی عورتوں کو دیکھا' ذرا سی تنگی آئی' ہائے اماں! ان کو بڑھاپے میں ماں یاد آتی ہے۔ حالاں کہ خود نانی دادی بنی ہوئی ہے۔ لیکن اپنی تکلیف کے وقت ماں یاد آتی ہے۔

معلوم ہوا کہ تکلیف میں یا ماں یاد آتی ہے یا پھر پروردگار یاد آتا ہے۔ اس لیے کہ پروردگار میں بھی رحمت ہے اور اس رحمت کا نمونہ ماں بھی ہے۔ ماں بھی یاد آتی ہے۔ اللہ بھی یاد آتا ہے۔ یہ عجیب ایک تعلق ہے۔

چناں چہ بعض بزرگوں نے یہ بات لکھی کہ اللہ تعالیٰ نے شفقت باپ کو عطا کر دی اور محبت ماں کو عطا کر دی۔ دنیا کی ہر ماں کے دل میں اولاد کی محبت ہوگی۔ اسی محبت کی وجہ سے وہ ہر وقت اولاد کے لیے دعائیں کرتی ہے۔

ماں کی دعا جنت کی ہوا:

کہا جاتا ہے کہ ماں کی دعا جنت کی ہوا۔ واقعی ماں کی دعا جنت کی ہوا ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

ماں کی ہستی:

یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ ماں کے بغیر ہمیشہ گھر نامکمل ہوا کرتا ہے۔ وہ پوزیشن ایسی ہے کہ جب گھر میں ماں نہیں ہوتی تو پوزیشن کوئی دوسرا بندہ پوری نہیں کر سکتا۔ سمجھ لیں کہ

باپ چلا جائے تو ماں باپ کی کمی کو پورا کر جاتی ہے۔ لیکن ماں چلی جائے تو باپ کمی کو پورا نہیں کر سکتا۔

ماں کو اللہ تعالیٰ نے ایک عجیب محبت دی ہے۔ چناں چہ بعض لوگوں نے کہا کہ ماں اولاد کے لیے ڈھال کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب بچہ بیمار ہوتا ہے تو ماں کو آداب دعا خود بخود آ جاتے ہیں۔ کیسے تڑپ کر ماں دعائیں مانگ رہی ہوتی ہے۔ رو رو کر اللہ کے حضور مانگ رہی ہوتی ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟ یہ وہ محبت ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ماں کی دعاؤں کو قبول کر لیا۔

ماں کی دعا کی برکت سے:

چناں چہ جن لوگوں نے خدمت کی انہوں نے اس کا اجر پایا۔

مسلک شافعی کے ایک بزرگ تھے۔ بچپن میں ان کو سورۃ فاتحہ یاد نہیں ہوتی تھی۔ ان کا یہ حال تھا۔ ذہنی طور پر اتنے کمزور تھے۔ مگر انہوں نے اپنی ماں کی خدمت کی۔ ایک مرتبہ ان کی ماں نے ان کے لیے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تیرے سینے کو علم کے نور سے بھر دے۔ یہ دعا ملنی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے نسیان کے مرض کو ختم کر دیا۔ یہ حدیث اور قرآن دونوں کے حافظ بنے اور اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہ کہلائے۔

جس کو سورۃ فاتحہ نہیں یاد ہوتی تھی۔ سوچیے! کہ ماں کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اسکو علم کے کس درجے تک پہنچایا کہ جہاں وہ بہت بڑے فقیہ بن کر زندگی گزارتے رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا:

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فتح خیبر کے بعد ایمان لے آئے۔ انہوں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ چند سال گزارے۔ ابتداء میں ان کو بھول بھی ہو جاتی تھی۔ نبی علیہ السلام سے دعا بھی کروائی، مگر ان کی والدہ ایمان نہیں لائی تھیں۔ یتیم ہو گئے تھے۔ والد فوت ہو گئے تھے۔ والدہ زندہ تھیں۔ ان کی والدہ نے بڑا مجاہدہ کیا۔ جوانی میں بیوہ ہوئی تھیں۔

مگر انہوں نے بچوں کی خاطر دوسری شادی نہیں کی۔

حدیث پاک میں آتا ہے کہ جو عورت بچوں کی خاطر دوسری شادی نہ کرے وہ غازیہ بن کر زندگی گزارتی ہے۔ اس کو موت آتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو شہادت کی موت عطا فرما دیتے ہیں۔

چناں چہ انہوں نے کہا کہ میں بچوں کی خاطر شادی نہیں کروں گی۔ خیر! بچے بڑے ہو گئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایمان لے آئے' ماں ایمان نہ لائی۔ نبی علیہ السلام کے بارے میں کوئی ایسی بات کہہ دیتی۔

ایک دن ماں نے کچھ زیادہ ہی سخت بے ادبی کی باتیں کر دیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بہت غصہ آیا۔ دل میں بات آئی کہ اس ماں کو میں قتل ہی کر دوں۔ یہ میرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی باتیں کرتی ہے۔ پھر خیال آیا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ذرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جا کر پوچھو تو سہی۔ چناں چہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ چلے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسی ایسی گستاخیاں کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اجازت دیں کہ میں اس کا قصہ ہی نمٹا دوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر فرمایا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں اس بات کی اجازت دے دوں یا تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری والدہ کے لیے ہدایت کی دعا کر دوں؟

کہنے لگے کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کی دعا کر دیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ اٹھا کر دعا کر دی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں گھر کی طرف دوڑا کہ میں گھر پہلے پہنچتا ہوں یا میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا پہلے قبول ہوتی ہے۔

کہتے ہیں کہ جب میں گھر پہنچا تو میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ماں غسل کر کے فارغ ہوئی تھی۔ اس نے دروازہ کھولا اور مسکرا کر کلمہ پڑھ کر کہا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئی ہوں۔

یہ اپنی ماں کی بڑی خدمت کیا کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تھوڑے وقت میں انہوں نے نبی کریم ﷺ سے اتنی احادیث یاد کرلیں کہ صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ حدیث کی روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کی ہیں۔

والدہ کی خدمت کا صلہ:

آپ نے نام سنا ہوگا' قرن کے ایک نوجوان تھے' جن کا نام اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ یہ والدہ کے ایک ہی بیٹے تھے اور کوئی خدمت کے لیے نہیں تھا۔

چناں چہ انہوں نے نبی علیہ السلام کا زمانہ پایا۔ دور نبوت میں تھے۔ ایمان بھی قبول کرلیا۔ مگر نبی ﷺ کا دیدار نہ ہوسکا۔ چناں چہ یہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے ماں سے اجازت لے کر آئے۔ ماں نے کہا بیٹا! میری خدمت کرنے والا اور کوئی نہیں ہے۔ تم بس جلدی واپس آجانا۔ یہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ نبی کریم ﷺ کہیں جہاد کے لیے تشریف لے کر گئے ہوئے تھے۔ آنے میں کچھ دن لگنے تھے۔ یہ وہاں رہ کر واپس آگئے۔

نبی علیہ السلام تشریف لائے تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ اس طرح کا بندہ آیا تھا۔ نبی ﷺ خوش ہوئے۔ حدیث پاک میں آتا ہے' مشکوۃ شریف کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان کا نام لے کر کہا کہ یہ قرن کا وہ نوجوان ہے کہ اگر تم اسکو پالو تو تم ان سے اپنی مغفرت کی دعا کروانا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ جس کے بارے میں فرمائیں کہ اگر تمہاری اس سے ملاقات ہوسکے تو تم اس سے اپنی مغفرت کی دعا کروانا۔ یہ ان کو مقام کیسے ملا؟ یہ ماں کی خدمت کی وجہ سے ملا۔

جن لوگوں نے خدمت کی' انہوں نے پھر مقام پایا۔ ماں کی محبت ایک عجیب رشتہ ہے جس کو الفاظ میں بیان ہی نہیں کیا جاسکتا۔

میں آپ کو ایک اور واقعہ سناؤں اور بات کو سمیٹنے کی کوشش کرتا ہوں۔

ایک ماں کی بات:

آپ نے سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کا نام سنا ہوگا۔ چھوٹا سا بچہ ان کے پاس ہے۔ جس کا نام اسماعیل ہے۔ پانی ان کے پاس ہے نہیں' بچہ روتا ہے۔ ماں اپنے بچے کو ایک جگہ لٹا کر نکلتی ہے کہ میں پانی کو تلاش کروں۔

اب اس کو دو فکریں لگ گئیں۔ ایک پانی ڈھونڈنے کی اور دوسرا یہ کہ میں بچے سے دور ہوں۔ کہیں بچے کو کوئی جانور نقصان نہ پہنچا دے۔ اب آنکھ تو بچے کی طرف ہے۔ دل چاہتا ہے کہ مجھے پانی مل جائے۔ چناں چہ پہلے پہاڑ کی ایک چوٹی پر' پھر صفا پر' پھر مروہ پر یہ ماں دوڑ رہی ہے۔ اس بے تاب ماں کا دوڑنا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ اس عمل کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک حج کا حصہ بنا دیا فرمایا:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ (سورۃ بقرۃ:۱۵۸)

صفا اور مروہ یہ تو شعار اللہ میں سے ہیں۔

کہنے والا کہتا ہے کہ تیرا حج قبول نہیں۔ میں نے اس وقت تیرا ہوا حج کیا۔ میں نے رات کو خواب یہی دیکھا کہ کہنے والا کہتا ہے کہ تیرا حج قبول نہیں۔ میں بہت پریشان ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ میرا حج قبول نہیں۔

وہ اللہ والے تھے۔ انہوں نے ذرا بات چیت کی۔ میں نے پوچھ کر اندازہ لگا لیا۔ انہوں نے کہا کہ تیرے ماں باپ کی خدمت کرنے والا اگر کوئی اور ہوتا..... بہن بھائی تو مسئلہ اور تھا۔ تم نے ان کا خیال نہ رکھا۔ رابطہ نہ رکھا۔ اس لیے جاؤ اور ماں باپ کو راضی کر کے پھر آؤ۔ تب اس کو احساس ہوا کہ کئی سالوں سے کوئی خط و کتابت کا سلسلہ بھی نہیں تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب اتنے ٹیلی فون عام نہیں ہوتے تھے۔ دیہاتوں میں تو ہوتے ہی نہیں تھے۔ خط و کتابت اور پیغام سے ہی بات چلتی تھی۔

چناں چہ کیا ہوا کہ اس نے گھر آ کر تیاری کی اور اپنے وطن آیا۔ اب جب اپنی بستی

میں پہنچا تو اس کو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ امی ابو کس حال میں ہیں؟ اس نے ایک بچے سے جو دس گیارہ سال کا تھا' پوچھا کہ فلاں بوڑھا اور اسکی بیوی کس حال میں ہیں؟ اس نے کہا کہ چھ مہینے ہو گئے' بوڑھا تو فوت ہو گیا۔ اس کی بیوی زندہ ہے۔ لیکن اس پر فالج کا اٹیک ہوا' آنکھوں پر موتیا آ گیا' اس کو بھی نظر نہیں آتا۔ لیکن ابھی وہ زندہ ہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ سنا ہے ان کا ایک بیٹا تھا۔ وہ کسی باہر ملک گیا ہوا ہے۔ پتہ نہیں وہ کیسا نامعقول ہے کہ اسکو ماں باپ کا احساس ہی نہیں۔ اب اس بچے کو کیا پتہ کہ وہ اسی بندے سے گفتگو کر رہا ہے کہ جس کا یہ مسئلہ ہے۔ چناں چہ بچہ تو چلا گیا مگر اس کے دل پر چوٹ لگا گیا۔

اب اسکو بڑا احساس ہوا کہ والد فوت ہو گئے' میں ان کی شکل نہ دیکھ سکا۔

پھر یہ بھی خیال آیا کہ چونکہ والد فوت ہو گئے۔ امی مجھ سے اتنی ناراض ہو گی کہ وہ مجھ سے گفتگو کرنا بھی پسند نہ کرے گی۔ امی تو جھڑکیاں دے گی۔ کہے گی کہ دفع ہو جاؤ۔ میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ تم گھر سے نکل جاؤ۔ اب میں امی کو کیسے مناؤں گا۔ میں پاؤں پکڑوں گا۔ میں یہ الفاظ کہوں گا' یہ الفاظ کہوں گا۔ اب یہ سوچتا ہوا جا رہا ہے۔

یہ آہستہ آہستہ قریب ہوا۔ اس کے دل میں ایک عجیب خیال آیا کہ اگر تو امی سوئی ہوئی ہونگی تو میں تھوڑی دیر انتظار کر لوں گا۔ اگر جاگ رہی ہونگی تو میں امی کو سلام کروں گا۔

یہ آہستہ آہستہ اپنی ماں کے قریب ہوا۔ جب قریب جا کر اس نے دیکھا تو تب اس کو محسوس ہوا کہ اس کی والدہ تو ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگ رہی ہے۔ اس نے سوچا کہ میں سنوں تو سہی کہ امی کیا دعا مانگ رہی ہے؟ یہ اور قریب ہوا۔ اور قریب ہوا۔ جب قریب ہو کر اس نے سنا تو یہ ڈر رہا تھا کہ ماں گھر داخل نہیں ہونے دے گی۔ ماں دھکا دے دے گی۔ ماں کہے گی کہ آنکھوں سے دور ہو جاؤ۔ میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ دفع ہو جاؤ۔ لیکن اس کی ماں تو دعا ہی کچھ اور مانگ رہی تھی۔

کیا مانگ رہی تھی؟

ماں یہ دعا کر رہی تھی کہ اللہ! میرا خاوند تو فوت ہو گیا۔ اب میرا ایک ہی بیٹا ہے۔ اس کو بخیریت میرے پاس پہنچا دینا تا کہ اگر میں فوت ہو جاؤں تو مجھے قبر میں اتارنے والا بھی محرم موجود ہو۔ ماں یہ دعا کر رہی ہے۔ بیٹا سمجھتا ہے کہ ماں بات نہیں کرے گی۔ ماں گھر سے نکال دے گی۔ ماں کی محبت کا یہ حال ہے اس بڑھاپے میں' ماں یہ دعا کرتی ہے کہ اللہ! خاوند میرا فوت ہو گیا' میرا ایک ہی بیٹا ہے' اسے بخیریت گھر واپس پہنچا دینا تا کہ جب میری موت آئے تو اللہ تعالیٰ مجھے بھی قبر میں اتارنے والا میرا کوئی محرم موجود ہو۔

اس نے کہا امی میں آ گیا ہوں۔ ماں چونک اٹھی۔ اچھا! میرے بیٹے! آ گئے کہنے لگا ہاں اماں میں آ گیا۔

ماں نے اس بچے کی طرف ہاتھ بڑھائے اور کہا کہ بیٹے! میری بینائی چلی گئی۔ میں تمہارا چہرہ تو نہیں دیکھ سکتی۔

اے بیٹے! ذرا میرے قریب ہو جاؤ۔ میں تمہارا بوسہ لوں اور تمہارے جسم کی خوش بو سونگھ لوں۔ ماں کی محبت تو ایسی ہوتی ہے۔ اس لیے اس محبت کی اللہ رب العزت کے ہاں بڑی قدر و قیمت ہے۔ یاد رکھنا! ماں بیمار ہو' ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو' پڑی رہے مگر اولاد کے لیے اس کا وجود پھر بھی رحمت ہو! کرتا ہے۔ اس لیے کہ وہ بیٹھی، لیٹی اولاد کے لیے دعائیں کر رہی ہوتی ہے۔

دور بیٹھا کوئی تو دعائیں کرتا ہے
میں ڈوبتا ہوں سمندر اچھال دیتا ہے

نوجوان اولاد کیا کیا حرکتیں کر لیتی ہے۔ ماں کی دعائیں اولاد کے لیے اللہ کی حفاظت کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

ماں کی دعا سے محروم:

ایک آدمی تھا' اس کی والدہ فوت ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ اے میرے پیارے کلیم! اس بچے کو کہہ دو کہ جس کی دعائیں تیری حفاظت کرتی تھیں' وہ ہستی دنیا سے اٹھ گئی ہے۔ اب ذرا سنبھل کر زندگی گزارنا۔

کمی کا احساس ہوتا ہے:

ماں جب چلی جاتی ہے تو پھر احساس ہوتا ہے کہ بھئی اس کی دعائیں کیا کام دکھاتی تھیں۔ مائیں مر کے بھی جدا نہیں ہوتیں۔ محبت ان کی یوں محسوس ہوتی ہے کہ جیسے شاید ابھی بھی زندہ ہیں۔

اس لیے کسی نے کہا:۔

وہ میرے ساتھ روتی ہے وہ میرے ساتھ ہنستی ہے
مری کب میری ماں اب بھی دل میں بستی ہے
زمانے بھر میں مل نہیں سکتا کوئی بدل جس کا
فقط اک ماں کی ہستی ہے فقط اک ماں کی ہستی ہے

اس کا بدل کوئی دوسرا نہیں بن سکتا۔ جو محبت ماں کے دل میں ہوتی ہے' اس محبت کا نعم البدل کوئی دوسرا نہیں ہوسکتا۔ یہ بات ذہن میں رکھ لیجئے' اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے بعد اور اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے بعد محبت کرنے والی فقط ماں کی ذات ہے۔

ماں ماں ہوتی ہے:

ساری دنیا اچھوں سے محبت کرتی ہے۔ اور بروں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ ایک ماں ہے' اولاد بگڑ بھی جائے' وہ کہے گی کہ نصیب ان کے' میرے تو بچے ہیں' ماں بروں سے بھی محبت کرتی ہے۔ بروں سے محبت کرنے والی ماں کے سوا کوئی دوسری ہستی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ رشتہ ایسا دے دیا ہے ماں کو کہ نیک اولاد کے لیے بھی دعا کرتی ہے۔ اور بری اولاد کے لیے اس سے بڑھ کر دعائیں کرتی ہے۔ اولاد کو اندازہ نہیں ہوتا۔ اٹھتے بھی دعائیں کر رہی ہوتی ہے۔ بیٹھے بھی دعائیں کر رہی ہوتی ہے۔ سونے سے پہلے بھی دعا کرتی ہے۔ اور جاگنے کے بعد بھی دعائیں کرتی ہے۔ ہر وقت اس کے دل میں یہی فکر اور غم ہوتا ہے۔ کہ میری اولاد اچھی ہو جائے' عزت پا جائے۔ گھر کے اندر محبتوں کو جو جوڑنے کا مرکز ہوا ہے' اسکا نام ماں کی مامتا ہے۔ بھائیوں کو' بہنوں کو' سب کو اس نے ایک جگہ جوڑا ہوا ہوتا ہے۔

جس طرح نیوکلیس ہوتا ہے کہ اس نے ہر چیز کو ایک نظام میں جوڑا ہوا ہوتا ہے۔ ماں حقیقت میں گھر کا نیوکلیس ہوتی ہے۔ سب بہن بھائیوں کو اس نے جوڑا ہوتا ہے۔ بچے ہوتے ہیں' نوجوان افلاطون بنے ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کی بات برداشت نہیں کرتے۔ ایک دوسرے کے ساتھ طبیعتیں نہیں ملتی۔

ماں ہوتی ہے' کسی کو خوش ہو کر سمجھاتی ہے۔ کسی کو رو کر سمجھاتی ہے۔ ان کو آپس میں جوڑ کر رکھتی ہے۔ ماں کون ہوتی ہے؟ گھر میں محبتوں کو مرکزیت عطا کرنے والی۔ وہ ماں ہوتی ہے' سب کو ایک نقطے پر جوڑ کر رکھتی ہے۔

جب یہ مرکز چلا جاتا ہے' پھر احساس ہوتا ہے کہ واقعی اب ہم اس نعمت سے محروم ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے والدین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے جی بھر کر اپنی والدہ کی خدمت کی اور ان کی دعائیں لیں۔ جو نہیں کر سکے نوجوان' وہ خدمت کرنے کی کوشش کریں۔ اور جو خدمت کر سکے وہ خوش نصیب ہیں کہ انہوں نے اپنے ماں باپ کی دعائیں لیں۔

خالہ کی خدمت والدہ کی خدمت:

یہ بات ذہن میں رکھیں کہ اگر کوئی والدہ کی خدمت نہیں کر سکا۔ حدیث پاک میں

آتا ہے کہ ایک نوجوان نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ میں اپنی والدہ کی خدمت نہیں کر سکا اور وہ دنیا سے چلی گئی۔ فرمایا کہ کیا تمہاری خالہ ہے؟ اس نے کہا جی ہاں۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اس کی خدمت کرلو۔

حدیث پاک کے مطابق ماں کی خدمت کرنا یا ماں جن کے ساتھ محبت کا تعلق رکھتی تھی، ان کے ساتھ عقیدت و محبت کا تعلق رکھنا بھی ماں کی خدمت کا حصہ ہے۔

جب ماں جدا ہوتی ہے:

میں نے ایک عام اندازہ لگایا ہے کہ انسان کو زندگی کی قدر و قیمت کا پتہ اس وقت چلتا ہے کہ جب آدمی سے زیادہ زندگی گزر چکی ہوتی ہے۔ اکثر و بیشتر ماں کے مرتبے کا اس وقت پتہ چلتا ہے کہ جب ماں اپنے سے جدا ہو چکی ہوتی ہے۔ جب انسان کسی قابل بنتا ہے، ماں کی خدمت کا اہل ہوتا ہے، عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ قدرت ماں کو اولاد سے جدا کر دیتی ہے، اس لیے تو کہنے والے نے کہا تھا: ؎

تربیت سے تیری میں انجم ہم قسمت ہوا
گھر میرے اجداد کا سرمایہ عزت ہوا
عمر بھر تیری محبت میری خدمت گر رہی
میں تیری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی

اکثر دیکھا ہے کہ جب اولاد اس قابل ہوتی ہے کہ ماں کی خدمت کر سکے، ماں اس وقت دنیا سے چلی جاتی ہے۔ بہت کم لوگ ہیں کہ جو زندگی میں جی بھر کر ماں کی خدمت کرتے ہیں۔

میں تیری خدمت کے قابل جب ہوا تو چل بسی،

اللہ رب العزت ہمیں اس رشتے کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

دو جدا ہونے والے:

ہمارے بھائی ظہیر شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مقصد کے تحت اپنی زندگی گزاری اور اس مقصد کی خاطر اپنی جان اللہ کے سپرد کر دی۔ کتنی عظیم ماں تھی، جس نے اس کو خوشی سے قبول کیا اور اپنے بیٹے کو دین کے لیے وقف کیا۔

کئی مرتبہ ہمارے ہاں تشریف لاتی تھیں۔ میں نے ہمیشہ ان کے اوپر بہت سکون دیکھا کہ میرے بچے نے ایک اچھے مقصد کی خاطر جان دی۔ ہمیشہ ان کے لیے دعائیں کرتی رہتی تھی۔ بہت صابرہ (صبر کرنے والی) خاتون تھی۔

آخری عمر میں جب بیماریاں بڑھ گئیں، اس بیماری میں بھی صبر کے ساتھ وقت گزارا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کا ترجمہ اور مفہوم یہ ہے کہ جب بندہ بیمار ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ایسے گناہوں سے پاک کر دیتے ہیں کہ جیسے اس کی ماں نے اس کو جنم دیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نیک بندی اس بیماری کی وجہ سے دنیا میں اپنے گناہ بخشوا کر بخشی بخشائی دنیا سے چلی گئی۔ اللہ رب العزت اسکو اپنے رب کے اعلیٰ ترین مقامات عطا فرمائے۔ (آمین)

اب یہ ماں بیٹا اگلے جہاں میں خوش ہونگے کہ دنیا میں ہم اللہ تعالیٰ کو راضی کر کے آ گئے۔ اللہ تعالیٰ ہم پیچھے رہ جانے والوں کو سمجھ عطا فرمائے۔ ہم بھی کچھ اگلے جہان کے لیے کر لیں۔ یہاں کی کاریں، کوٹھیاں، روٹی بوٹی، سب وقتی چیزیں ہیں۔ جانا سب نے اسی دیس ہے۔ یہ کوٹھیاں رہ جائیں گی اور دو گز زمین کا ٹکڑا چھوٹا سا تیرا گھر ہے

بالآخر ہمیں وہاں جا کر خاموش کالونی میں رہنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس آخرت کو آباد کرنے کی، بنانے کی اور دنیا کے اندر اپنے رب کو راضی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ان کے بچوں کو آپس میں الفت و محبت سے ہمیشہ جوڑے رکھے۔ ساری زندگی یہ آپس میں اتفاق و اتحاد، محبت و مودت کے ساتھ گزاریں تاکہ ماں کی روح کو بھی خوشی نصیب ہو اور نیکی پر زندگی گزاریں تاکہ وہ

سمجھیں کہ میں اپنے پیچھے نیک اولاد کو چھوڑ آئی۔

نیک اولاد صدقہ جاریہ:

نیک اولاد والدین کے لیے صدقہ جاریہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے شبیر بھائی کو یہ ہمت دے کہ یہ اور زیادہ نیکی تقوی میں قدم آگے بڑھائیں۔ اپنی اولاد کو دین کے راستے پر لگائیں اور اپنے والدین کے لیے صدقہ جاریہ بن جائیں۔ ان کے نقش قدم پر چل کر یہ بھی اپنے رب کو راضی کرنے والے بن جائیں' ان کے سر پر بوجھ اور بڑھ گیا ہے۔

اب چونکہ یہ بڑے ہیں' اس لیے انہوں نے اپنے بھائی بہنوں کو آپس میں جوڑ کر رکھنا ہے۔ وہ جو کمی آ گئی' اس کمی کو انہوں نے ہی پورا کرنا ہے۔ یہ بوجھ اٹھانے ہوتے ہیں۔

انسان کے سر پر جب بوجھ پڑتا ہے' پھر قدر آتی ہے کہ ماں کیا کرتی تھی۔ ماں کی وجہ سے کتنی محبتیں تھیں۔ کتنا جوڑ تھا۔ جو خود جوڑنا پڑ جاتا ہے ایک ایک کو اور نخرے اٹھانے پڑ جاتے ہیں چھوٹوں کے' تب بات سمجھ میں آتی ہے۔

بہرحال! جب اللہ تعالیٰ بوجھ دیتا ہے تو اٹھانے کی توفیق بھی عطا فرما دیتا ہے۔ ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہیں۔ اللہ رب العزت ہم سب پر اپنی رحمتیں نازل فرمائیں۔ جن کے ماں باپ دنیا سے چلے گئے' اللہ تعالیٰ ان کے ماں باپ کو آگے کے اعلیٰ ترین درجات عطا فرمائے اور جن کے والدین زندہ ہیں' اللہ تعالیٰ ان کو ان کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

ماں

میری ماں مجھے ایسے نظر آتی ہے
جیسے جنت سے اک نگر آتی ہے

میں دور سے اسے دیکھتا رہتا ہوں
قریب آنے سے جیسے بہار آتی ہے

میری زندگی فقط اسی کے نام ہو
جس سے محبت مجھے بے شمار آتی ہے

دنیاوی رنگینیوں میں جس قدر گم ہو جاؤ
پر اس کی یاد مجھے در بہ در آتی ہے

آؤ اس کی دعاؤں میں دانش ڈھونڈتے ہیں شفا
جس کے پاؤں نیچے جنت ہمیشہ بار بار آتی ہے

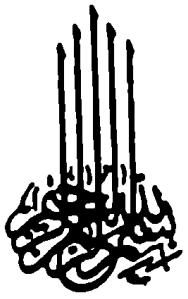

پاجا سراغ زندگی

علم کی بہاریں

پیر طریقت رہبر شریعت مفکر اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی مدظلہ

علم کی بہاریں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ ○ (سورۃ الاحزاب:۶)

وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ

سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

علم کی فضیلت:

﴿قُلْ ھَلْ یَسْتَوِی الَّذِیْنَ یَعْلَمُوْنَ وَالَّذِیْنَ لَایَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ زمر:۹)

اے میرے محبوب ﷺ آپ فرما دیجیے کہ کیا علم والا اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں۔ کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں؟

﴿اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (سورۃ زمر:۹)

اس کی پرکھ وہی رکھتے ہیں جو عقل والے ہوتے ہیں۔ عقل والے تو یہ فرق معلوم نہیں ہے کہ علم والے اور بے علم برابر نہیں ہوتے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے اہل علم حضرات کی فضیلت کو بیان فرمایا:

نبی علیہ السلام نے فرمایا..... العلم نور.....علم نور ہے' روشنی ہے۔

گویا دوسرے الفاظ میں جہالت کو اندھیرا فرمایا۔ جب علم نور ہے تو بے علمی اور جہالت اندھیرا ہوئی' تاریکی ہوئی۔

یہ جو فرمایا:

﴿اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (سورۃ زمر:۹)

اس کی پرکھ اہل عقل و دانش رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ علم کا مخالف ہمیشہ وہی ہوتا ہے جو بے عقل انسان ہوتا ہے۔ جو عقل سے کورا ہوتا ہے۔ وہ علم کا ہمیشہ مخالف ہوتا ہے۔

علم ایک نور ہے۔ جس کے ذریعہ انسان کو عزت ملتی ہے۔

علم بلند کرتا ہے:

چناں چہ جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانا چاہا تو فرشتوں کو بتایا

﴿اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ (سورۃ بقرۃ:۳۰)

میں زمین میں اپنا نائب بناتا ہوں۔ انہوں نے پہلے دیکھا تھا کہ جو زمین کی مخلوق تھی وہ خون بہاتی تھی۔ فساد مچاتی تھی۔ اس پر انہوں نے بات کہی جو مشاہدے پر مبنی تھی۔

﴿اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾ (سورۃ بقرۃ ۳۰)

جواب میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا

﴿اِنِّیْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ بقرۃ ۳۰)

میں وہ جانتا ہوں کہ جو تم نہیں جانتے۔

چناں چہ اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان کی فطرت میں علم کے ساتھ مناسبت رکھ دی۔

یہ جو قرآن کریم میں ہے:

﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ﴾ (سورۃ بقرۃ:۳۱)

کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام اسماء کا علم عطا کر دیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کو الفاظ بتا دیئے اور ان کو بتائے نہیں۔

پھر دونوں کا مقابلہ کروا دیا' ایسے نہیں ہے۔ ان کی فطرت میں' ان کی تخلیق میں' علم کی ایسی مناسبت رکھ دی' استعداد رکھ دی' ان کو علم کی سمجھ عطا کر دی کہ ان کو ان اشیاء کا علم فطری طور پر حاصل ہو گیا۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فرشتوں کو فرمایا کہ تم ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے کہا:

﴿ سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴾ (سورۃ بقرۃ:۳۲)

معذرت کر لی۔

اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ:

﴿ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ﴾ (سورۃ بقرۃ:۳۳)

ان چیزوں کے نام بتایئے۔ جب انہوں نے نام بتا دیئے تو فرمایا کہ جو میں جانتا ہوں' تم نہیں جانتے۔

اب یہاں ایک عجیب سی صورت حال ہے۔ ایک طرف ہزاروں' لاکھوں سالوں کے عبادت گزار فرشتوں کی جماعت اور دوسری طرف کل کے پیدا ہونے والے حضرت آدم علیہ السلام۔ لیکن جب آپس میں مقابلہ ہوا تو میدان آدم علیہ السلام نے جیت لیا۔ بڑی عجیب بات ہے۔ ایسے عبادت گزار فرشتے۔

﴿ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾ (سورۃ تحریم:۶)

دو چار ہزار سال کی بات نہ تھی' لاکھوں سال گزر گئے۔ کب اللہ نے پیدا کیا' اس وقت سے لگے ہوئے ہیں۔

﴿وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ﴾ (سورۃ انبیاء:۱۹،۲۰)

جو اللہ کے پاس آسمان کی مخلوق ہے' دن رات وہ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ ان کے لیے افطار نہیں ہے' رکتے نہیں ہیں۔

اب ایک طرف تو اتنے بزرگ فرشتوں کی جماعت' عبادت گزار فرشتوں کی جماعت ہے۔ اور دوسری طرف اکیلے آدم علیہ السلام ہیں۔ مگر شان خدا دیکھیے کہ میدان حضرت آدم علیہ السلام نے جیت لیا۔ مقابلے میں کامیاب ہو گئے۔

دنیا کا یہ دستور ہے کہ جب بھی کوئی مقابلہ جیتتا ہے تو پھر اس کو انعام دیا جاتا ہے۔ بلکہ انعام دینے والے کوشش یہ کرتے ہیں کہ ایسا انعام ہو کہ جسے یاد رکھا جائے۔

چناں چہ وفاق والے بھی سندات دیتے ہیں طلباء کو تا کہ ساری زندگی یاد رکھیں۔ سند رہے۔ کئی جگہوں پر ٹرافی دے دیتے ہیں۔ بعض جگہوں پر گولڈ میڈل پہنا دیتے ہیں' یہ اس موقع کو تاریخی حیثیت دینے کا ایک ذریعہ ہوتا ہے کہ اسے بعد میں یاد رکھا جائے۔

چناں چہ اللہ رب العزت نے بھی حضرت آدم علیہ السلام کی اس جیت پر خوش ہو کر ارادہ فرمایا کہ میں اپنے پیارے آدم علیہ السلام کو تاریخی انعام دوں۔ دو کام فرمائے:

پہلا کام تو یہ کہ فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کو تخت پر بٹھاؤ اور ساتوں آسمانوں کی سیر کراؤ' ہر آسمان کے فرشتے ان سے تعارف حاصل کریں۔ ان کا دیدار کریں انکو دیکھیں۔ یہ دنیا میں میرے نائب بننے والے ہیں۔

چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام کو ساتوں آسمانوں کی سیر تخت پر بٹھا کر کروائی گئی۔

دوسرا انعام جو تاریخی تھا' جو یادگار بن گیا' وہ یہ تھا کہ سجدہ اللہ رب العزت کا حق ہے۔ مگر اللہ رب العزت سے تھوڑی دیر کے لیے حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سجدے کا کرنا جائز قرار دے دیا۔

ایک سجدہ عبادت ہوتا ہے وہ خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور یہ تعظیمی تھا مگر پھر بھی اللہ کا حق ہے۔ ایسا انعام دیا کہ کوئی اور نہیں دے سکتا۔ فرشتوں کو فرمایا:

﴿اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ (سورۃ بقرۃ:۳۴)

کتنا انوکھا حکم ہے' حیران کر دینے والا ہے۔ اللہ تیرے سامنے سر جھکاتے رہے۔ سجدے کرتے رہے' اب آپ کا یہ حکم:

﴿اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾ (سورۃ بقرۃ:۳۴)

آدم علیہ السلام کی طرف سجدہ کرو۔

چناں چہ جیسے ہی حکم خدا ہوا' سارے کے سارے فرشتے فوراً حضرت آدم علیہ السلام کی طرف سجدے میں چلے گئے۔ لیکن ان میں سے ایک غیر مقلد نکلا' کھڑا رہا کہا۔

﴿مَا مَنَعَكَ اَنْ لَّا تَسْجُدَ﴾ (سورۃ ص:۷۵)

یہ کیا مسئلہ ہوا' تو نے سجدہ کیوں نہ کیا' کہنے لگا

﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾

میں اس سے زیادہ اعلیٰ ہوں۔

﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ (سورۃ ص:۷۶)

مجھے آپ نے آگ سے پیدا کیا' جو بلندی کی طرف مائل ہے اور اسے آپ نے مٹی سے پیدا کیا' جس میں پستی اور عاجزی ہوتی ہے۔

میں اعلیٰ چناں چہ مقابلہ پر اتر آیا۔

اب یہاں دو جماعتیں ہیں۔ ایک جماعت قدر دانوں کی' فرشتوں کی جماعت کہ جنہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی قدر دانی کی' ان کی حیثیت کو' ان کے مقام کو انہوں نے مان لیا اور ماننے کی وجہ سے انہوں نے سجدہ کر لیا۔

ایک شیطان جو مقابلے پر اتر آیا۔ یہ مخالفین کی جماعت' اب مخالفین کا تو اللہ نے وہ

حشر کیا کہ اسی وقت فرمایا:

﴿فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ﴾ (سورہ ص:۷۷)

نکل جا میرے دربار سے۔ تو مردود ہے اور یہاں تک کہہ کر پھر جیسے بندے کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوتا۔ غصہ نہیں ٹھنڈا ہوا۔ آگے بھی کہہ دیا:

﴿وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ﴾ (سورہ ص:۷۸)

قیامت تک تیرے اوپر میری لعنتیں برستی رہیں گی۔

دوسری طرف وہ فرشتے جنہوں نے سجدے میں پہل کی۔ محدثین نے لکھا کہ جبرائیل علیہ السلام اور اسرافیل علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ نے ان قدر دانوں کو بھی انعام سے نواز دیا۔

چناں چہ جبرائیل علیہ السلام کو اللہ نے ایک عظیم منصب دیا کہ تم میرے پیغمبر ہو میرا کلام میرے انبیاء علیہم السلام تک پہنچانے والے۔

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ○ ذِي قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ○ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ﴾ (سورۃ تکویر:۱۹ تا ۲۱)

ان کی تعریفیں اللہ نے کر دیں' ان کو انعام مل گیا۔

فرمایا کہ تم نے میرے انبیاء علیہم السلام کی مدد بھی کرنی ہے۔ چناں چہ اتنا عظیم منصب ملا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ کی طرف جبرائیل علیہ السلام ۲۴ ہزار مرتبہ اترے۔ کلام پہنچانے والے بن گئے۔ انبیاء علیہم السلام کی مدد کرنے والے بن گئے۔ اسرافیل علیہ السلام کو بھی انعام ملا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی ذمہ داری عطا کی۔

عام طور پر ایئر کنڈیشنڈ کا ریموٹ کنٹرول ہو تو وہ بچوں کے ہاتھ میں نہیں دیتے' کہتے ہیں کہ یہ بچے ہیں' یہ کام خراب کر دیں گے۔ ریموٹ ہمیشہ بڑے سمجھ دار' بڑے ذمہ دار کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت نے اس کائنات میں جو قیامت کا انقلاب لانا تھا' اس کا ریموٹ کنٹرول حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دیا۔ فرمایا آپ جیسے ہی صور پھونکیں گے ہم اس کائنات میں انقلاب پیدا کر دیں گے۔ قیامت برپا کر دیں گے۔ اتنی اہم ذمہ داری اللہ رب العزت نے اسرافیل علیہ السلام کو سونپی ہے۔

یہاں سے ایک نتیجہ نکلا کہ جو قدر دان جماعت تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی انعام دیا۔ جو مخالفین کی جماعت تھی' اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی۔ ہر دور اور ہر زمانے میں اللہ رب العزت کی سنت یہی رہی ہے۔

علم عزتیں دیتا ہے:

آج بھی جو علماء کا قدر دان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام کا مستحق بنے گا۔ اور جو علماء کا مخالف ہوگا وہ چونکہ شیطان کے راستے پر چلے گا لہٰذا اللہ رب العزت کی طرف سے اس کی ناراضگی کا مستحق بنے گا۔

یہ علم انسان کو عزتیں دیتا ہے۔ انسان کے اندر اعتماد یقین پیدا کر دیتا ہے۔

آپ ذرا غور کریں! حضرت سلیمان علیہ السلام اللہ رب العزت کے پیغمبر بھی ہیں اور وقت کے بادشاہ بھی ہیں۔ اور بادشاہی بھی ایسی کہ جو کسی کو نہ پہلے ملی نہ بعد میں ملی۔ انسانوں کے بادشاہ' جنوں کے بادشاہ' خشکی کی مخلوق' تری کی مخلوق' ہوا کی مخلوق' سب کے بادشاہ۔ کیا نعمت ان کو اللہ نے عطا فرمائی۔ اور ملک الرسول بنایا۔ وقت کے بادشاہ بھی ہیں اور اللہ رب العزت کے پیغمبر بھی ہیں۔

جن کے سامنے جن بات کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ ڈرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو شان و شوکت عطا فرمائی تھی۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ چلتے تھے اور جہاں کہیں اترتے' وہاں وضو کے لیے پانی کی ضرورت ہوتی تو اس بات کا اندازہ لگانا پڑتا تھا کہ زمین میں پانی قریب ہے یا دور ہے۔ گہرا ہے تو پرندوں کی دنیا کا ایک سول انجینئر تھا۔ اس کا نام تھا

ہدہد جہاں جاتے اس کے ذمہ تھا کہ سروے کر کے بتاؤ وہ چونچ سے زمین کھود کر بتا دیتا کہ پانی قریب ہے یا نہیں۔

ایک دفعہ جب ایسی ضرورت پیش آئی اور سیدنا سلیمان علیہ السلام نے پوچھا تو پتہ چلا کہ جناب ہدہد نہیں ہے۔

﴿مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ﴾

فرمایا یہ ہدہد کہاں چلا گیا؟

﴿اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ﴾ (سورۃ نمل:۲۰)

آج یہ کیوں غائب ہے؟

ادھر وضو کرتا تھا اللہ کی عبادت کرتی تھی جلال میں آ گئے۔

﴿لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا﴾

میں اسے سخت سزا دوں گا۔

﴿اَوْ لَاَاْذْبَحَنَّهٗ﴾

میں اسے قتل بھی کروا دوں گا۔ یا پھر ایک اور موت ہے۔

﴿اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ﴾ (سورۃ نمل:۲۱)

کوئی مجھے لاجک دے کوئی ریزن دے کوئی وجہ بتائے سمجھنے والی ہو۔ کیوں نہیں ہے؟ ادھر یہ باتیں ہوئیں۔

﴿فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ﴾

ادھر سے ہدہد بھی آ گیا۔ اب ہدہد کو اطلاع دی گئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اس وقت بہت جلال میں ہیں۔ آج کا چپڑاسی جب معلوم کر لے کہ افسر غصے میں ہے۔ کانپتا ہے دفتر میں دروازے سے اندر داخل ہونے سے گھبراتا ہے۔ کہتا ہے موڈ آف ہے میرے افسر کا!

حضرت سلیمان علیہ السلام تو کہہ بھی چکے تھے کہ سخت سزا دوں گا۔ جن کے سامنے جن جاتے ہوئے گھبراتے تھے۔ ان کے سامنے پیشی کس کی؟ ہدہد کی۔ ایک مٹھی بھر جاندار، ہڈیوں کا مجموعہ۔ اگر اس کو یہ اطلاع ملتی تو ظاہر عقل کہتی ہے کہ اس کو ہارٹ اٹیک ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ فوت ہی ہو جاتا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلا لیا۔ مگر ہدہد گھبرایا نہیں۔ کنفیوز نہیں ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش ہو گیا۔ اتنی بڑی جرأت اس کی، آخر اس ننھی سی جان کے اندر یہ جرأت کس نے پیدا کی؟ علم نے پیدا کی، اس کے پاس ایک بات کا علم تھا۔

چناں چہ جب اس سے پوچھا کہ تم کہاں غائب رہے؟ اس نے آگے سے کھڑے ہو کر جواب دیا:

﴿اَحَطْتُّ بِمَالَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ﴾ (سورۃ نمل:۲۲)

کہ جناب میرے پاس ایک ایسی بات کا علم ہے کہ جو آپ علیہ السلام کے پاس نہیں ہے۔ یہ ہدہد حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے بڑھکیں مارنے لگا۔

﴿اَحَطْتُّ بِمَالَمْ تُحِطْ بِهٖ﴾

مجھے پتہ ہے آپ کو نہیں پتہ۔

دو جماعتیں:

معلوم ہوا کہ علم انسان کے اندر اعتماد پیدا کر دیتا ہے۔ عالم جب بات کرتا ہے اس کے پاؤں کے نیچے چٹان ہوتی ہے۔ اس لیے انسان کا یقین بڑھتا ہے۔ علم ایک تو انسان کی طبیعت کے اندر اعتماد پیدا کر دیتا ہے۔

دوسرا علم انسان کو دنیا اور آخرت کی عزتیں دیتا ہے۔ عزتیں ملتی ہیں۔ کیسے ملتی ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک واقعہ کو احسن القصص فرمایا۔ قصوں میں بہترین قصہ۔ اس میں اللہ رب العزت نے دو جماعتوں کا تذکرہ کیا۔ ایک جماعت حضرت یوسف علیہ

السلام کے بھائیوں کی جو کہتے بھی تھے۔

﴿نَحْنُ عُصْبَةٌ﴾ ہم تو ایک جماعت ہیں گینگ ہیں۔ گروپ ہیں۔

دوسری جماعت حضرت یوسف علیہ السلام کی' گود یکھنے میں ایک تھے۔ لیکن کتنی دفعہ ایک شخص اپنی ذات میں انجمن اور ایک ادارہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً﴾ (سورۃ نحل:۱۲۰)

میرا ابراہیم ایک امت ہے۔

یہ دو جماعتوں کا تذکرہ ہے۔ اب ہوا کیا کہ بھائیوں کے دل میں حسد آ گیا' کہ والد کی محبت کی نظر جو حضرت یوسف علیہ السلام پر ہے۔ وہ ہم پر نہیں ہے۔

چناں چہ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ان کو ہم کنویں میں ڈال دیتے ہیں۔ بہانہ بنا کر ان کو لے گئے اور کنویں میں ڈال دیا۔ کنویں میں جو ڈالا' وہ صبح کے وقت نہیں ڈالا' شام کے قریب ڈالا' تبھی تو جب واپس آئے تو عشاء کا وقت ہو چکا تھا۔

﴿وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ﴾ (سورۃ یوسف:۱۶)

رات کو گھر لوٹے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا حال عجیب۔ ایک بھائیوں کی اس بات سے غمگین کہ انہوں نے میرے ساتھ کیا کیا اور دوسرا کنویں کی تنہائی اور تیسرے اوپر سے رات کی تاریکی' اب اکیلا بچہ بچپن کی عمر میں اکیلا ہوتا ہے۔ لڑکپن کی عمر میں ان کے ساتھ یہ معاملہ پیش آ گیا۔ چناں چہ بہت ہی غم زدہ' پتہ نہیں کہ اب میرا یہاں کیا بنے گا۔ رات بہت بے قراری میں گزری۔ غم میں گزری' حتی کہ سحری کا وقت ہو گیا۔

دعا قبول ہوئی:

جب صبح کی سحری' سفیدی نمودار ہونے لگی تو اس سفیدی کے ساتھ حضرت یوسف

علیہ السلام کے دل میں ایک امید کی کرن جاگی' کہ اگر دن آئے گا تو ہوسکتا ہے کہ کوئی پانی بھرنے کے لیے آئے اور مجھے یہاں سے نکالے۔ چناں چہ انہوں نے سحری کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔

اے اللہ! میرے اس کرب کو بھی ختم فرمادے اور جتنے بھی دنیا میں مصیبت زدہ ہیں' اللہ! سب کے کرب کو ختم فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول کرلیا۔

مفسرین نے اس آیت کے تحت ایک نکتہ لکھا ہے' وہ فرماتے ہیں کہ قیامت تک کے لیے یہ دعا قبول ہوئی کہ بڑے سے بڑے غم زدہ بندے کو دیکھو کہ سارا دن غم زدہ ہوگا' لیکن صبح صادق کا وقت ہوگا' آپ دیکھیں گے کہ اس کی طبیعت میں تھوڑا اطمینان آجائے گا۔

دنیا کے کسی مریض کو دیکھ لیجیے' سارا دن مرض اپنی شدت پر ہوگا۔ جب صبح سحری کا وقت ہوگا' مرض میں تھوڑی کمی آجائے گی۔ یہ سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا نتیجہ ہے۔

یہ عورتیں جو اپنے خاوند کے فوت ہونے پر روتی ہیں۔ عورت کی طبیعت میں اطمینان نہیں ہوتا۔ چین نہیں ہوتا۔ سکون نہیں ہوتا۔ آپ دیکھیں کہ ان کو بھی سحری کے وقت نیند آجاتی ہے۔ یہ اللہ نے وقت ہی ایسا بنایا ہے۔ ہر مصیبت زدہ کی تکلیف میں اللہ تعالیٰ تخفیف فرمادیتے ہیں۔

خیر صبح ہوئی۔ قافلے والوں نے ان کو نکال لیا۔ انہوں نے جا کر آگے بیچا۔ مگر قیمت کیا لگی۔ بہت تھوڑی سی:

﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ﴾ (سورۃ یوسف:۲۰)

تھوڑے سے سکے اور وہ بھی کھوٹے۔

عزیز طلبا! آپ ذرا غور کیجیے کہ لڑکپن کی عمر میں تو ہر بچہ خوب صورت ہوتا ہے۔ چہرے پر معصومیت ہوتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی خوب صورتی تو بے مثال تھی۔

ان کے چہرے پر نورعلی نور والی کیفیت تھی۔ اتنے خوب صورت تھے۔ لیکن جب بکے تو قیمت کیا لگی؟ چند کھوٹے سکے۔

یہاں سے ایک نکتہ نکلا' کہ اللہ رب العزت کی نظر میں حسن ظاہر کی قیمت چند کھوٹے سکوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ جو حسن کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں۔ وہ چند کھوٹے سکوں کی متاع کے پیچھے زندگی کو گنواتے پھرتے ہیں۔

ایک محل میں پہنچ گئے حضرت یوسف علیہ السلام۔ خدمت کا کام ذمے لگ گیا' عمر بڑھتی رہی' بڑھتی رہی ایک ایسی عمر کو پہنچے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم سے نوازا۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ (سورۃ یوسف:۲۲)

بھرپور جوانی کی عمر کو پہنچ گئے' پختگی کی عمر کو پہنچ گئے' اللہ تعالیٰ نے ان کو علم اور حکمت عطا فرمادی۔

اب ایک زندگی میں تبدیلی آئی' یہ نعمت پہلے نہیں تھی۔ اب ملی۔ اب اس نعمت کے اثرات بھی ہوتے ہیں طبیعت کے اوپر' چناں چہ ان کے اوپر ایک آزمائش آئی۔ اس آزمائش میں اللہ رب العزت نے ان کو کامیاب فرمادیا۔

ایک گناہ کا موقع پیش ہوا' مگر انہوں نے کہا:

﴿مَعَاذَ اللّٰهِ﴾

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ چوں کہ عظمت الٰہی کو جانتے تھے' علم نے سینے کو کھول دیا تھا۔ شرح صدر حاصل ہو چکا تھا کہ حکم خدا کو پورا کرنے میں ہی عزت ہے۔ لہٰذا جیسے ہی گناہ کی دعوت ملی۔ فوراً فرمایا:

﴿مَعَاذَ اللّٰهِ﴾

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ خیر کامیاب ہو گئے۔

اب جنہوں نے گناہ کی دعوت دی تھی۔ وہ بھی بڑی مکر کرنے والیاں تھیں۔ پیچھے نہیں ہٹیں۔ انہوں نے بھی پھر مل ملا کر کہا کہ بہتر ہے کہ مطالبہ پورا کردو ورنہ تجھے جیل بھجوائیں گے۔

ہوا بھی ایسے کہ جیسے ہی دروازہ کھلا' وہ عورت جو کہہ رہی تھی۔

﴿قَالَتْ هَيْتَ لَكَ﴾ (سورۃ یوسف:۲۳)

وہ باہر نکلتے ہی خاوند سے کہنے لگی کہ اس بندے کا کیا معاملہ ہونا چاہیے کہ جو آپ کے اہل خانہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے۔

یہاں سے ایک نکتہ نکلا کہ یہ جو نفسانی محبتیں ہوتی ہیں۔ یہ دعوے سب ختم ہوتے ہیں۔ جب معاملہ کھلتا ہے۔ ایک فریق ہمیشہ الزام دوسرے پر دھرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دستور دیکھ لیں دنیا کا بڑے محبتوں کے دعوے ہونگے۔ تیری خاطر یہ قربان' یہ قربان یہ قربان لیکن جب بات کھلتی ہے تو پھر اپنے اوپر حرف کوئی نہیں آنے دیتا' کہتے ہیں کہ اس کا قصور ہے۔

اس عورت نے بھی یہی کیا۔ کہنے لگی کہ اس کا قصور ہے۔ واہ! میرے مولا! قرآن مجید میں دیکھو' کیا اسرار و رموز ہیں۔

یہاں ایک نکتے کی بات کہ اللہ رب العزت نے جب اس عورت کا تذکرہ کرنا چاہا تو اختصار کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کا نام لے کر بات کر دیتے۔ جیسے عزیز مصر کا نام کئی مرتبہ لیا۔ بات مختصر ہوتی۔ مگر اللہ رب العزت نے ایسے نہیں کیا۔ کلام کو طویل فرما دیا۔ نام کو نہیں کھولا۔

فرمایا:

﴿وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهِ﴾ (سورۃ یوسف:۲۳)

لمبی بات ہے نا! کتنے لفظ استعمال کرنے پڑے۔

سمجھو! جب کسی جگہ کسی تیسرے کا تذکرہ کرنے کا موقع آئے تو تم نام لے کر بات نہ کرنا' غیبت ہوگی۔ میں اس کو ناپسند کرتا ہوں۔ ضرورت پڑے تو Third Person کے صیغے میں اس کی بات کر دینا۔ تعلیم دی جارہی ہے۔

اللہ والوں کو تین انعام:

اب جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بات نہ مانی تو ان کو نو سال تک جیل میں ڈالا گیا۔ اب جیل کی زندگی دیکھئے! اپنا کوئی بھی نہیں۔ جیل ہے۔ مگر اللہ والوں کو اللہ تعالیٰ تین چیزیں انعام کے طور پر دے دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو علم بغیر کسب کے عطا فرما دیتے ہیں۔ علم لدنی جیسے کہتے ہیں:

﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا﴾ (سورۃ کہف:۶۵)

اللہ والوں کو تین چیزیں انعام میں ملتی ہیں۔ علم بغیر کسب کے ملتا ہے۔ عزت بغیر خاندان کے ملتی ہے۔ معمولی گھروں سے ہوتے ہیں بلکہ کئی مرتبہ تو غلام ہوتے ہیں۔ امیر المومنین کے سامنے جاتے ہیں تو اسے سیدنا کہہ کر پکار رہے ہوتے ہیں۔

علم بغیر کسب کے ملتا ہے' عزت بغیر خاندان کے ملتی ہے۔ اور اللہ رب العزت ان کو انس بغیر جماعت کے عطا فرما دیتا ہے۔ لوگوں کی ضرورت نہیں ہوتی دل لگانے کے لیے۔ دل کے لیے وہ اکیلے ہی ہوتے ہیں۔ اللہ کی یاد میں ان کو مزا آتا ہے تو تنہائی' تنہائی نہیں رہتی۔ ؎

تم میرے ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوگا

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں اکیلے ہیں' لیکن اکیلے نہیں ہیں۔ اللہ ساتھ ہے۔ وقت گزرا وہاں کوئی مشکل نہ بنی۔ حتیٰ کہ جب اتنے سالوں کے بعد ایک آدمی پیغام

لے کر آیا جناب! بادشاہ سلامت آپ کو بلا رہے ہیں۔

دوسرے بندے تو انتظار میں ہوتے ہیں۔ بات سن کر باہر کو بھاگیں۔ فرمایا کہ بادشاہ سے جا کر پہلے پوچھو کہ جو الزام لگا تھا' اس میں قصور کس کا تھا؟ دودھ کا دودھ کر اور پانی کا پانی کرو۔

دل یوں لگتا ہے:

دیکھو! اللہ والوں کا کیسے دل لگتا ہے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو جیل میں بھیج دیا گیا۔ وہاں ایک مجرم آیا ہوا تھا۔ حضرت کے پاس کچھ وقت بیٹھا تھا۔ اس کا دل لگا اور اس نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔ کئی پارے ہو گئے۔ اتنے میں اوپر سے پروانہ آ گیا کہ آپ کی قید ختم' جائیں باہر۔ حضرت نے فرمایا کہ جب تک قرآن ختم نہ کرواؤں گا جیل سے باہر نہیں جاؤں گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا دل یوں لگا دیتے ہیں۔

عظمت کی بلندیوں پر:

چناں چہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی یہی کیا۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام اتنے کریم تھے' اتنے سال ان کو جیل کی تکلیف برداشت کرنی پڑی' مگر نکلنے سے پہلے انہوں نے کہا کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرو۔

چناں چہ اس عورت نے خود بھی مانا۔

﴿اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾

اقرار کیا۔ اور اسکے خاوند نے بھی کہا کہ اچھا جانے دیں۔ بالکل یہی لفظ کہا کہ آپ اس معاملے کو اب جانے دیں۔ بلایا آ جاؤ۔

اب جب گئے تو عزیز مصر کہتا ہے:

﴿اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ﴾ (سورۃ یوسف:۵۴)

ایک عزت کا مقام دیا۔ پروٹوکول دینا شروع کر دیا۔ بڑی عزت دی۔ وی آئی پی کو بلایا جا رہا ہے۔ یہ وی آئی پی کا مرتبہ کہاں سے ملا۔ وہ تو غلام تھے۔ وہ تو گھر کے خادم تھے۔ اب وی آئی پی بن گئے۔

عزیز طلبا! سوچیں ان کو فرش سے اٹھا کر عرش پر کس نے پہنچایا؟ علم نے پہنچایا۔ چناں چہ اس نے پوچھا کہ آپ کیا کریں گے۔ ہمیں یہ جو خواب آیا ہے۔ اس میں جو مشکل مرحلہ آئے گا۔ قحط آئے گا' ہم اس مصیبت سے کیسے نکلیں گے؟ فرمایا:

﴿اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ﴾ (سورۃ یوسف:۵۵)

مجھے آپ خزانوں کا مالک بنا دیں۔ آگے یوں نہیں کہا تھا:

﴿اِنِّیْ حَسِیْنٌ جَمِیْلٌ﴾

میں بڑا حسین و جمیل ہوں؟ بلکہ فرمایا:

﴿اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴾ (سورۃ یوسف:۵۵)

کس بات کا تذکرہ کیا کہ میرے پاس علم ہے۔ معلوم ہوا کہ آج جو عزتیں مل رہی ہیں۔ یہ ظاہری حسن و جمال کی وجہ سے نہیں' علم و فضل و کمال کی وجہ سے ہیں۔

علم انسان کو عزتیں دیتا ہے۔ ایسی جگہ پر ان کو خزانے ملے' کوئی ووٹ بینک نہیں تھا ان کا کہ ان کے ووٹ زیادہ تھے کہ کرسی مل گئی۔ جانتا ہی کوئی نہیں تھا۔ پتہ ہی نہیں تھا کسی کو کہ کہاں کے ہیں۔ کوئی برادری نہیں۔ کوئی اور وہاں دوست نہیں۔ ایک اکیلے' تن تنہا مگر علم وہ نعمت ہے کہ جب اس کو انسان عملی جامہ پہنا لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ صرف اس کی وجہ سے بندے کو پردیس میں بھی عزتیں دیتا ہے۔

پھر کیا ہوا۔ ایک موقع پر بھائی آئے۔ لمبا قصہ مختصر،

بڑے پریشان تھے۔ مصیبت میں پڑے ہوئے تھے۔ جیسے ہی دروازے میں داخل ہوئے تو کہنے لگے۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الْعَزِیْزُ﴾

اے عزیز مصر!

﴿مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ﴾

ہمیں اور ہمارے اہل خانہ کو تنگ دستی نے بے حال کر دیا۔

﴿وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ﴾

اور ہم قیمت بھی وہ لائے ہیں کہ جو پوری نہیں ہے۔

﴿فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ﴾

ہمیں آپ گندم پوری دے دیں۔

﴿وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا﴾

ہمارے اوپر خیرات کر دیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ﴾ (سورۃ یوسف:۸۸)

اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو جزا دیتے ہیں۔

جیسے فقیر صدا دیتے ہیں۔ جو روٹی دے گا' اللہ تعالیٰ اس کو عزتوں سے نوازے گا۔ بالکل بھائی اسی طرح صدا لگا رہے ہیں۔

﴿وَتَصَدَّقْ عَلَیْنَا﴾

ہمارے اوپر صدقہ و خیرات کر دیجیے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ﴾

حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ معاملہ یہاں تک! یہ بھی تو نبی زادے ہیں۔ ایک نبی علیہ السلام کے بیٹے ہیں۔ اب میرے سامنے خالی دامن کھڑے ہیں اور بھیک مانگ رہے ہیں۔ ان سے پوچھا:

﴿هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ﴾

تم نے یوسف کے ساتھ کیا کام کیا تھا؟ انکو توقع نہیں تھی۔ حیران' ہکے بکے' کہنے لگے

﴿ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ﴾

آپ یوسف ہیں؟

﴿قَالَ اَنَا يُوْسُفُ﴾

کہا میں یوسف ہوں۔

﴿وَهٰذَا اَخِيْ﴾

یہ میرا بھائی بنیامین ہے۔

﴿قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا﴾

اللہ نے ہم پر احسان کیا۔

﴿اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ﴾

بے شک جو آدمی تقوی اختیار کرتا ہے' صبر وضبط کا مظاہرہ کرتا ہے۔

﴿فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (سورۃ یوسف:۹۰)

اللہ ایسے نیک وکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

ہر دور اور ہر زمانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح گناہ کرے گا۔ اس امید کے ساتھ کہ:

﴿وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ﴾ (سورۃ یوسف:۹)

توبہ کر کے معاف کرالیں' اللہ تعالی ان کو فرش پر کھڑا کریں گے۔

جو سیدنا یوسف علیہ السلام کی طرح،

﴿قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ﴾

کہہ کر گناہوں سے بچ جائیں گے' اللہ تعالی ان کو عرش پر کھڑا کر دیں۔

علم سے اعتماد ملتا ہے:

علم سے انسان کو اعتماد ملتا ہے' یقین ملتا ہے۔ علم سے انسان کو عزت ملتی ہے۔ علم اور عمل ایسی چیزیں ہیں کہ جب اکٹھی ہو جاتی ہیں تو یہ ایک طاقت بن جاتی ہیں۔ اب دیکھیں! اگر ایک آدمی چینی کھائے تو اس کو شفا نہیں ہوتی۔ گلاب کے پھول کھالے شفا نہیں ہوتی۔ دونوں کو ملا کر گل کو اور قند کو ''گل قند'' بنالے اور پھر کھائے تو شفا ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی ہے۔

ایک بندہ دال کھائے۔ شفا نہیں ہوتی۔ ابلے چاول کھالے شفا نہیں ہوتی۔ دونوں کو ملا کر کھچڑی بنالے' شفا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کے ملنے میں شفا رکھی ہے۔

علم الگ ہے۔ اکیلا ہے' نجات کا ذریعہ نہیں بنتا۔ صرف علم پر نجات ہوتی تو شیطان کی نجات ہو جاتی۔ صرف عمل پر بھی نجات نہیں ہوتی اس لیے کہ علم کے بغیر اگر عمل کرے گا تو اس میں کوتاہی ہوگی۔

یہ دونوں چیزیں جب ملتی ہیں۔ پھر اس میں شفا آتی ہے۔ پھر یہ انسان کے مسئلوں کو حل کر دیتی ہے۔ اس لیے کہ علم بغیر عمل کے تھیم ہے۔ تھیم کہتے ہیں بانجھ کو۔ جس عورت کے بچے نہ ہوں۔

جو بندہ عمل ہی نہیں کرتا' کہتا ہے کہ میں بڑا عالم ہوں۔ وہ بھی بانجھ عورت کی طرح ہے علم بغیر عمل کے کیا ہے؟ بانجھ ہے۔ تھیم ہے۔ علم بغیر عمل کے تھیم ہے۔ صوفی بنا پھرتا ہے۔ علم سے ذرا مناسبت نہیں۔ بدعات کا مرتکب ہوگا یا کوئی نہ کوئی الٹے سیدھے کام کر بیٹھے گا۔ علم بغیر عمل کے تھیم ہوتا ہے اور عمل بغیر علم کے تھیم ہوتا ہے۔ جب علم اور عمل ملتے ہیں تو یہ صراط مستقیم ہوتا ہے۔

علم و عمل کی طاقت:

علم اور عمل مل کر ایک طاقت اور قوت بنتے ہیں۔

چلیں! قرآن عظیم الشان میں سے مثال لیں۔

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کا تذکرہ چل رہا تھا۔ ان کو ایک موقع پیش آ گیا۔ جب وہ چاہتے تھے کہ ملکہ بلقیس کے تخت کو منگوائیں۔ ان کے پاس تو جن تھے۔ عفریت تھے بڑے طاقت والے۔ آج کل کے طلباء کہتے ہیں کہ کوئی جن ہمارے قبضے میں آ جائے تو ہمارے کام سنور جائیں۔ کئی تو جن کی تلاش میں خود جن بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ مدرسہ والوں کے لیے سنبھالنا مشکل ہے۔ ذرا موقع ملے کسی کی چیز بغیر اجازت استعمال کر لی۔ کسی کو پریشان کر دیا۔ وہ بھی جن کی طرح ہوتے ہیں' جن کے بچے قابو نہیں آتے۔

خیر! اس موقع پر حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس جنوں کی جماعت تھی۔

پوچھا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا﴾

اے میرے امراء! میرے اسمبلی کے ممبرو!

﴿اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ﴾ (سورۃ نمل:۳۸)

تم میں سے کون ہے کہ جو اس کا تخت میرے پاس پہنچائے' اس سے پہلے کہ وہ خود پیش ہو جائے۔

﴿قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾

جنوں میں سے ایک طاقت ور عفریت اٹھا اور کہنے لگا۔

﴿اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ﴾ (سورۃ نمل:۳۹)

حضرت! آپ کی مجلس برخاست کرنے سے پہلے پہلے میں یہاں پہنچا دیتا ہوں۔ فرمایا نہیں۔ یہ تو بہت دیر ہے۔ مجھے جلدی چاہیے۔ جب کہا کہ جلدی چاہیے تو اب جن بھی حیران۔ دوسرا جن کوئی بولا نہیں' کہ دوسرا بول پڑتا کہ اچھا جی! میں اس سے پہلے لے کر آتا ہوں۔ جہاں جن بھی اپنے کو Help Less کہتے ہیں کہ جی ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

اللہ کا ایک بندہ اٹھتا ہے۔

﴿قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ﴾

کہا اس شخص نے جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔

معلوم ہوا کہ علم وہ طاقت ہے کہ انسان ایسے کام کر دیتا ہے۔ کہ جو کام جن بھی نہیں کر سکتے۔ علم وقت بن جاتی ہے۔ اس نے کیا کہا:

﴿اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ﴾

میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ آپ پلک کو جھپکیں۔

﴿فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ﴾ (سورۃ نمل:۴۰)

یہ اللہ کا فضل ہو جائے گا۔

ہم بھی اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگیں کہ اے اللہ! ہمیں اپنا فضل عطا فرما۔ علم پر عمل کی توفیق عطا فرما۔

ہمارے اکابرین جتنے بھی تھے' سارے کے سارے علم کو طلب کرنے والے' اس پر عمل کرنے والے اور اخلاص کے ساتھ اپنے مالک کو راضی کرنے والے تھے۔ خوش نصیب ہیں وہ طلباء جن کی دستار بندی ہوئی کہ انہوں نے قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ کر لیا۔ دعا ہے کہ جس طرح یہ حافظ قرآن بنے' اللہ تعالیٰ ان کو قاری قرآن بھی بنا دے۔ عالم بھی بنا دے' عامل بھی بنا دے' ناشر قرآن بھی بنا دے۔ داعی قرآن بھی بنا دے۔ اللہ تعالیٰ ان بچوں کو عاشق قرآن بھی بنا دے۔ بات تو یہاں آتی ہے عشق سے مانجھا دل ہے' پھر رنگ چڑھتا ہے۔

عبادت ہی عبادت:

یہ علم اللہ رب العزت کو اتنا محبوب ہے کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ چند چیزوں کو دیکھنا عبادت ہے۔ بیت اللہ شریف کو دیکھنا عبادت ہے۔ قرآن مجید کو دیکھنا عبادت

ہے۔زم زم کے کنویں کے اندر دیکھنا عبادت ہے۔ماں باپ کے چہرے کو محبت وعقیدت کی نظر سے دیکھنا عبادت ہے۔

حدیث پاک میں فرمایا کہ عالم باعمل کے چہرے کو دیکھنا بھی عبادت ہے۔

عبادت کیوں بنایا؟ دیکھو! جب کوئی کاریگر کوئی چیز بناتا ہے' جس پر دل خوش ہوتا ہے کہ اچھا پیس بن گیا ہے تو وہ اس کو ماڈل بنا کر لوگوں کو دکھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا جو بندہ بنتا ہے اور اس کے چہرے پر پھر علم وعمل کا نور ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اسے ماڈل بنا کر پھراتے ہیں کہ تم نے ایسے بننا ہے۔ان کے چہروں کو دیکھنا عبادت بنادیا گیا۔

علماء کی نیند عبادت ہے:

ایک حدیث پاک میں فرمایا:

((نَوْمُ الْعُلَمَاءِ عِبَادَةٌ))

علماء کی نیند بھی عبادت ہے۔بڑی عجیب سی بات لگتی ہے۔جب تک جاگتے ہیں' چلو وہ علمی کام میں مصروف ہیں کہ یہ تو عبادت بن گئی۔سونے پر عبادت کا ثواب کیوں دیا گیا؟ ہمارے اکابر نے اس کو مثال سے سمجھایا۔فرمایا:

تم لکڑی کا کاریگر اپنے گھر لاتے ہو۔ وہ تمہارے گھر کا دروازہ بنا رہا ہے۔اب دروازہ بناتے ہوئے اس کی آری کے دندانے جو تھے وہ خراب ہوگئے' کاٹتے ہی نہیں۔ اس کو ایک گھنٹہ لگتا ہے اپنی آری کے دندانے تیز کرنے کے لیے۔لیکن جتنی دیر اس آری کو تیز کرنے میں لگی' کبھی کوئی بندہ اس کی مزدوری کو کم نہیں کرتا جو طے ہوئی ہے کہ ایک گھنٹہ تو تم نے آری کو ٹھیک کیا۔تم تو اپنے اوزار ٹھیک کرتے رہے۔

کاریگروں کا دستور ہوتا ہے' اوزار کام کے دوران جو خراب ہوتے ہیں' ان کے ٹھیک کرنے کا وقت بھی مزدوری کے اندر شامل ہوتا ہے۔بالکل اللہ رب العزت نے یہی فرمایا

کہ یہ میرے علماء ہیں۔ جاگتے ہوئے دین کا کام کررہے ہیں۔ اب ان کا جسم تھک گیا۔ اب یہ اس لیے سو رہے ہیں کہ جسم کو سکون مل جائے اور پھر اٹھ کر دین کا کام کریں۔ فرمایا کہ یہ وہ مزدور ہے کہ اس کے جسم کی تھکاوٹ دور کرنے میں جو وقت لگ رہا ہے' اس پر بھی ان کو عبادت کا ثواب عطا کر دیتا ہوں۔

علم حصول جنت کا ذریعہ:

یہ علم اللہ تعالیٰ کو اتنا پسندیدہ ہے' حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے خوش ہوتے ہیں عام بندے سے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے لیے جنت میں گھر بنا دیتے ہیں۔

جب اللہ رب العزت کسی عالم سے خوش ہوتے ہیں' اس کے لیے جنت میں شہر آباد فرما دیتے ہیں۔ شہر آباد کر دیتے ہیں۔

عجیب سی بات لگتی ہے۔ جی ہاں! دنیا میں آپ نے دیکھا کہ بعض لوگ نواب ہوتے ہیں۔ یہ جی نواب آف کالا باغ۔ اب کالا باغ میں جتنے لوگ ہیں' سب ان کی رعایا۔

جنت میں علماء کو اللہ نواب بنائیں گے۔ جنت کے نواب ہونگے۔ شہر بنا دیں گے۔ فرمائیں گے کہ جو تم سے مسئلے پوچھتے تھے' سوال پوچھتے تھے:

(اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ)

تم اکیلے نہ جاؤ۔ بلکہ شہر کے ان باسیوں کو ساتھ لے کر جنت جاؤ۔

تین کے لیے جنت کا وعدہ:

اس لیے جس شخص نے روٹی کا سوال کیا' روٹی کا سوال اگر اس کا پورا کر دیا گیا' حدیث پاک میں آتا ہے کہ تین بندوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

ایک کمانے والے کی' دوسرے پکانے والی کی' اور تیسرا گھر سے روٹی لے کر سائل کو پہنچانے والے کی۔

نبی علیہ السلام نے جب یہ خوشخبری سنائی اور خوشخبری کا اظہار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کتنی وسیع ہے۔ کہ جس نے ثواب میں ہمارے نوکروں' خادموں اور غلاموں کو بھی نہیں بھلایا۔

بھائی! کمانے والے کی مغفرت سمجھ میں آتی ہے۔ پکانے والے کی محنت بھی سمجھ میں آتی ہے۔ اب مالک کے کہنے پر جس نے روٹی اٹھا کر دے دی' اس کی کیا محنت لگی؟ فرمایا نہیں' عمل میں تو شریک ہے۔ چوں کہ نیکی کے عمل میں شریک رہا۔ اس لیے یہ بھی برکت سے محروم نہیں رہے گا۔ ہم اس کی بھی مغفرت فرمادیں گے۔

روٹی کا سوال کرنے پر کتنوں کی مغفرت ہوئی؟ تین کی مغفرت۔

علم کا سوال اور چار جنتی:

حدیث پاک میں آتا ہے کہ علم کا سوال کرنے پر اللہ رب العزت چار بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں۔ فرمایا اس طالب علم کی جو سوال پوچھنے والا تھا' اللہ تعالیٰ سب سے پہلے مغفرت فرمادیتے ہیں۔

سائل جو روٹی مانگنے والا تھا' اس کی مغفرت کا وعدہ نہیں۔ اس نے روٹی کا سوال کیا' روٹی مل گئی۔ مقصد پورا ہوگیا۔ ٹھیک ہے' تم جاؤ۔ ضرورت پوری ہوگئی۔

علم کا سوال کرنا میرے اللہ کو اتنا پسند ہے کہ فرمایا کہ جو طالب علم' علم کا سوال کرتا ہے' سب سے پہلے اس کی مغفرت ہوتی ہے۔

دوسرا جو استاد اس کا جواب دیتا ہے۔ اللہ اس جواب دینے والے استاد کی بھی مغفرت فرماتے ہیں۔

تیسرا جو پاس بیٹھے ہوتے ہیں مجمع میں' ہم جماعت سن رہے ہوتے ہیں' اللہ ان سامعین کی بھی مغفرت فرمادیتے ہیں۔

چوتھا فرمایا کہ اس مجلس کے قیام کا جو لوگ سبب بنے۔ تاجر ہیں' کارخانہ دار ہیں'

امراء ہیں۔ مگر دل میں علم کے ساتھ محبت ہے۔ وہ ان مدارس کے قیام کا سبب بن رہے ہیں۔ عمارتیں بنا دیتے ہیں۔ کھانے کی چیزیں لا کر دے دیتے ہیں۔ ان کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ کیوں کہ وہ اس مجلس کے قیام کا سبب بنے۔ ان محبت کرنے والوں کی گھر بیٹھے ہوئے اللہ تعالیٰ بخشش فرما دیتے ہیں۔

خوش نصیب ہیں وہ طلباء جو اپنے گھروں سے علم حاصل کرنے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا آنا اور ان کا یہاں علم کے لیے قیام کرنا' رہنا قبول فرمالے۔ اور قیامت میں اللہ ان کو اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمائے۔ (آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

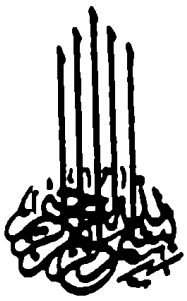

پاجا سراغ زندگی

دنیاوی زندگی کی حقیقت

پیر طریقت رہبر شریعت مفکرِ اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

دنیاوی زندگی کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ○ (العنکبوت:۶۴)

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ○ (نحل:۹۷)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ○ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ
اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

سفرِ آخرت کے مسافر:

دنیا دارالعمل اور آخرت دارالجزا ہے۔ دنیا دارالفنا ہے اور آخرت دارالبقاء ہے۔ دنیا دارالغرور ہے اور آخرت دارالسرور ہے۔ ہم سب کے سب یہاں مسافر ہیں۔ ہم خوشی کے عالم میں ہوں یا غمی کے عالم میں، صحت مند ہوں یا بیمار، مشغول ہوں یا فارغ ہوں، ہمیں احساس ہو یا نہ ہو، ہمارا سفر ہر حال میں جاری وساری ہے۔ ہر دن ہمیں منزل سے قریب سے قریب کر رہا ہے۔

دنیا امتحان گاہ ہے:

اس کے ساتھ ساتھ یہ دنیا امتحان گاہ بھی ہے۔ یہاں ہر انسان آزمایا جا رہا ہے۔ کسی کو پروردگار عالم نے رزق کھلا دے کر آزمائش کی' کسی کی صحت کی کیفت میں آزمائش کی' کوئی بیماری کے حال میں آزمائش میں ہے۔ کامیاب وہ انسان ہے جو ہر حال میں اللہ کے حکموں کو مدنظر رکھے۔ نبی کریم ﷺ کی مبارک سنتوں پر عمل کرے۔

اس دنیا میں اللہ رب العزت نے ایسے جال اور پھندے بنوا دیئے کہ انسان الجھ کر رہ جاتا ہے۔ بڑے بڑے عقلمندوں کو دھوکے لگتے ہیں۔ کہنے کو اعلیٰ تعلیم یافتہ مگر نماز کی فرصت نہیں۔ کہنے کو بڑے ذہین ہیں لیکن اللہ کے گھر کے دروازے کی یاد نہیں۔ ایسا عقلمند انسان حقیقت میں بے وقوف ہے اس لیے اللہ رب العزت نے کافروں کو کہا ہے:

﴿ذٰلِكَ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ لَايَعْقِلُوْنَ﴾

یہ لوگ وہ قوم ہیں جنہیں عقل ہی نہیں۔ ان کو حقیقت سمجھ میں نہیں آتی کہ اصل بات کیا ہے؟ انسان وقتی لذتوں اور واہ واہ کے پیچھے ایسا الجھ جاتا ہے کہ مقصود حقیقی سے نظر ہٹ جاتی ہے۔

دو قسم کے گناہ:

گناہ دو قسم کے ہیں کچھ گناہ جاہ سے تعلق رکھتے ہیں اور کچھ گناہ باہ سے تعلق رکھتے ہیں جاہ کہتے ہیں مقام اور مرتبہ سے متعلق۔ مجھے بڑا عالم سمجھا جائے جو صفات مجھ میں ہیں وہ کسی میں نہیں۔ اور دوسرے گناہ باہ یعنی شہوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان دونوں میں سے جو گناہ جاہ سے تعلق رکھتے ہیں وہ زیادہ نقصان دہ ہیں۔ باہ کا گناہ عمومی طور پر اس کی ندامت کسی بھی وقت معافی کا سبب بن سکتی ہے۔ لیکن جاہ کے گناہ ایسے ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو راہ راست پر سمجھ رہا ہوتا ہے۔ خود پسندی' تکبر جیسے گناہوں کا انسان کے اندر سے نکلنا بڑا مشکل ہے۔

تکبر ایٹمی گناہ:

خود پسندی اور تکبر اتنے خطرناک گناہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے فرمایا جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہوسکتا جس کے اندر ذرہ کے برابر بھی تکبر ہوگا۔ ذرہ انگریزی میں atom کو کہتے ہیں۔ اس لیے یہ ایٹمی گناہ ہے۔ ایٹمی ہتھیار جس قدر تباہی پھیلا دیتے ہیں تکبر بھی زندگی میں تباہی پھیلا دیتا ہے۔ یہ بڑی دیر کے بعد لگتا ہے۔ حدیث پاک میں ہلاک کر دینے والے کاموں میں ایک بات یہ بتلائی کہ بندے کا اپنے اوپر عجب کرنا۔ نیکی کے ساتھ خود پسندی' عجب اور تکبر چلتا رہتا ہے۔ آدمی ایک طرف پرہیز گاری کی زندگی گزارتا ہے' ذکر و شغل کی زندگی بھی گزارتا ہے مگر دوسری طرف اپنے جیسا کسی کو نہیں سمجھتا۔ لوگوں کی نظر میں اپنے آپ کو گرانا بہت آسان ہے۔ اپنی نظر میں اپنے آپ کو گرانا بہت مشکل کام ہے۔ انسان اللہ کا دوست اس وقت بنتا ہے جب اپنے آپ کو اپنی نظر میں گرا دیتا ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا﴾

''اے اللہ! مجھے میری نظر میں چھوٹا بنا دیجیے اور دوسروں کی نظر میں بڑا بنا دیجیے''

آج کل جسے چند سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق حاصل ہوگئی وہ اپنی نیکیوں پر اتراتا پھرتا ہے۔ اس اجتماع کا مقصد خود پسندی کے بت کو توڑنا' اپنے آپ کو مٹانا ہے۔

نفس کو مارنے کا مطلب:

نفس کو مارنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی زندہ چیز ہے جس کا گلا گھونٹا جائے گا بلکہ اپنے اندر کی خواہشات کو قابو میں لے آنا۔ دنیا سے انسان کا دل ٹھنڈا ہو جائے۔ اللہ رب العزت کے ساتھ محبت کا تعلق قائم ہو جائے۔

دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشہ ہے:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ﴾ (عنکبوت:۶۴)

ترجمہ: اور یہ دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل تماشہ۔

دنیا کی زندگی کو کھیل تماشہ سے تشبیہہ دی گئی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اور کھیل تماشے کے درمیان بہت مشابہت ہے۔ مثلاً:

☆..... کھیل تماشہ گھڑی دو گھڑی کی بات ہوتی ہے۔ دنیا کی زندگی بھی ایسی ہے جب انسان جانے لگے گا تو اس وقت احساس ہوگا کہ میں دنیا میں رہا مگر یا صبح کا تھوڑا وقت یا شام کا تھوڑا وقت۔ جہنمی قیامت کے دن کہیں گے کہ ''ہم دنیا میں نہیں رہے مگر تھوڑی دیر'' ہم خود ہی گزری ہوئی زندگی کا تصور کر کے دیکھیں ہمیں اپنی زندگی کے پچاس سال ایک خواب کی طرح نظر آتے ہیں۔ ایسے لگتا ہے کہ بچپن کل کی بات ہے۔

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام کی جب وفات ہوئی تو پوچھا گیا۔ اے میرے پیارے نبی علیہ السلام آپ نے دنیا کی زندگی کو کیسا پایا؟ ایک ہزار سال کی زندگی کم وبیش انہیں ملی تھی۔ انہوں نے جواب دیا۔ اے اللہ! مجھے یوں محسوس ہوا کہ ایک مکان کے دو دروازے ہیں ایک دروازے سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل آیا۔

☆..... اکثر اوقات دیکھا ہے کہ جو لوگ کھیل تماشہ دیکھتے ہیں انہیں بعد میں اپنے وقت کے ضائع ہونے پر افسوس ہوتا ہے پیسے بھی ضائع کیے اور وقت بھی ضائع کیا۔ بالکل اسی طرح دنیادار انسان موت کے وقت اپنی گزری ہوئی زندگی پر حسرت اور افسوس کرتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی کو ضائع کر دیا۔ کئی کھیل تماشے تو ڈرامے کی مانند ہوتے ہیں سکرین پر سائے کی مانند چلتے ہیں یہ دنیا کی زندگی بھی سائے کی مانند ہے۔ انسان کو چاہئے دنیا کے پیچھے بھاگنے کی بجائے اپنی آخرت بنانے کی فکر کرے۔

دنیا کیا ہے؟

جب دنیا کا لطف لیا جاتا ہے تو کئی دوست اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ پاتے وہ یہ سمجھتے ہیں دنیا سے مراد سب کچھ چھوڑ دینا اور عبادت کے لیے کسی غار میں جا بیٹھنا ہے ہرگز ایسا نہیں۔ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''چیست دنیا از خدا غافل بدن''

''خدا سے غافل ہونے کا نام دنیا ہے''۔

اللہ رب العزت سے غافل ہونے کا نام دنیا ہے۔ کام کاج کرنا مال و دولت کا ہونا بیوی بچوں کا ہونا' اس کا نام دنیا نہیں۔ چناں چہ ایسے انبیاء کرام علیہم السلام گزرے جو وقت کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور وقت کے بادشاہ بھی تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کو دین کی مثالیں بھی عطا فرمائیں اور دنیا کی شاہی بھی عطا فرمائی۔ عین ممکن ہے ایک آدمی دیکھنے میں ارب پتی ہو لیکن اللہ کے ہاں اس کا فقراء میں شمار ہوتا ہو۔ اور عین ممکن ہے کہ ایک آدمی دیکھنے میں غریب ہو اور اللہ کے ہاں فرعون اور قارون کے ناموں میں سے اس کا نام بھی شامل ہو۔ یہ تو دل پر منحصر ہے کہ دل کے اندر کیا بھرا ہے''

دنیا کے طالب کتے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَطَالِبُوْھَا کِلَابٌ))

''دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں''

ممکن ہے کہ لفظ کسی کو ذرا ثقیل لگے اس لیے کہ ابھی دنیا کی محبت ہمارے دل میں ہے۔ جس چیز سے محبت ہو اس کا برا کیا جائے تو برا لگتا ہے۔ مگر حدیث پاک کے الفاظ یہی ہیں۔

کتے سے تشبیہ کی وجہ:

نبی کریم ﷺ نے آخر کتے کے ساتھ تشبیہ کیوں دی۔ علماء نے اس کے بڑے علمی نکات بیان کئے ہیں۔ کتا مردار کھاتا ہے کوا بھی مردار کھاتا ہے مگر دنیا کے طلبگار کو کتے سے تشبیہ دی ہے۔ اس میں بنیادی فرق سمجھ لیں۔

(۱).....کوے کی عادت ہے کہ جب اسے مردار نظر آئے تو شور مچاتا ہے یعنی اوروں کو بھی بلاتا ہے تا کہ سب مل کر کھا سکیں۔ لیکن کتے کی عادت ہے کہ اس کو کہیں مردار مل جائے تو یہ خاموشی کے ساتھ اسے سارا کا سارا کھانا چاہتا ہے۔ دنیادار کی بھی مثال ایسی ہے اسے جہاں سے دنیا ملے وہ چاہتا ہے کہ بغیر کسی کو پتہ چلے میں اس کو پورا سمیٹ لوں۔

(۲).....کوے کو دیکھا کہ وہ باقی مردار کا گاشت تو کھالے گا لیکن مردہ کوا پڑا ہو تو وہ نہیں کھائے گا لیکن کتے کی عادت ہے کہ جہاں وہ باقی جانوروں کا گوشت کھاتا ہے اور اگر اسے مردار کتا مل جائے تو اسے بھی کھالیتا ہے۔ دنیادار بندہ بھی اسی طرح دوسرے کے مال ہضم کرنے کے داؤ پر ہوتا ہے۔

(۳).....پھر دیکھا کہ کوا جہاں مرے دوسرے کوے وہاں نہیں آتے۔ اس سے عبرت پکڑتے ہیں۔ چناں چہ کوے کو مار کے لٹکا دیجیے دوسرے کوے وہاں سے غائب ہو جائیں گے۔ وہ عبرت پکڑتے ہیں لیکن کتا عبرت نہیں پکڑتا ایک کتا جس جگہ مرے دوسرا اس جگہ پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح دنیادار کے اندر بھی کتے کی سی بات ہے کہ وہ دوسرے کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے عبرت پکڑنے کی بجائے خود بھی ویسے عمل شروع کر دیتا ہے۔

(۴).....کوے کو دیکھا کہ اگر دن میں وہ مردے کے پاس ہے تو رات مردے کو چھوڑ کر وہ گھونسلے میں واپس آ جاتا ہے۔ مگر کتے کی عادت یہ نہیں' وہ دن میں کتے کو کھاتا ہے اور رات اس کا پہرہ دیتا ہے دن میں بھی مردے کے پاس اور رات بھی مردے کے پاس۔ اور دنیادار کی بھی مثال ایسے ہے کہ سارا دن دنیا سمیٹنے میں لگا رہتا ہے۔ اور ساری

رات دنیا سمیٹنے کی پلاننگ کرتا رہتا ہے۔ سارا دن یہ دکان کے اندر جب رات آئی تو دکان کے اندر۔ دن رات اسی سوچ میں لگا ہوا ہے۔

(۵)..... یہ بھی دیکھا گیا کہ کوا گوشت تو کھالیتا ہے ہڈیوں کو کچھ نہیں کہتا۔۔ لیکن کتا جہاں مردے کا گوشت کھاتا ہے وہاں اس کی ہڈیوں کو بھی چبالیتا ہے۔ دنیادار کی مثال بھی یہی ہے کہ وہ جو فائدہ لیتا ہے اس سے اپنا مال ہی واپس نہیں لیتا بلکہ سود در سود واپس لیتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کوے کی نسبت کتے کی سی مشابہت زیادہ ہے دنیادار کو۔

رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا کہ ''واقعی دنیادار کے اندر وہی باتیں ہیں جو کسی کتے کے اندر ہوتی ہیں''۔

آخرت دنیا پر مقدم ہے:

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا اللہ رب العزت کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ پیغام پہلی کتابوں میں بھی دیا گیا اور آخری کتاب میں بھی دیا گیا۔ اس بات کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ارشاد فرمایا:

﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى﴾ (الاعلیٰ:۱۶تا۱۸)

''تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالاں کہ آخرت اس سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے''

اور یہ پیغام ہمیں اس آخری کتاب میں ہی نہیں دے رہے۔ پہلی کتابوں میں بھی پیغام عطا کیا گیا یہ ایسا پیغام ہے جو انسانیت کو شروع سے لے کر آج تک مل رہا ہے۔

دنیا پر آخرت کو مقدم رکھو۔ اگر دنیا فنا ہونے والی ہوتی اور آخرت باقی رہنے والی ٹھیکری ہوتی پھر بھی عقل کا تقاضا یہ تھا کہ ہم آخرت کو دنیا پر مقدم کر لیتے۔ جب کہ معاملہ الٹ ہے دنیا فنا ہونے والی ٹھیکری کی مانند ہے اور آخرت باقی رہنے والے سونے کی مانند۔

ہم اس آخرت کو بھول جاتے ہیں اور دنیا کی چاہتوں کو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

دنیا سے کنارہ کشی کا مطلب:

دنیا سے کنارہ کشی کا مطلب یہ ہے کہ انسان دین کو دنیا پر ترجیح دے۔ جس شخص نے دین کو دنیا پر ترجیح دینا شروع کر دی اس نے گویا دنیا سے کنارہ کشی شروع کر دی۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے ہر طرف جال اور پھندے ہیں۔ اتنے پھندے ہیں کہ انسان کو ہلاک ہونے والوں پر تعجب نہیں ہوتا۔ تعجب ان پر ہوتا ہے جو ان پھندوں سے ایمان سلامت لے کر چلے جاتے ہیں کہ کتنے عظیم لوگ ہیں۔

ایک بزرگ فرمایا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا بغیر محنت دینے کا وعدہ کیا ہے۔ ہم یہاں دنیا سمیٹنے کے لیے محنت کرتے ہیں۔ جب کہ آخرت کو محنت کے ساتھ مشروط کیا اور اس کے لیے ہم محنت ہرگز نہیں کرتے۔

طمع کے یار:

یاد رکھیے کہ اس دنیا میں سب طمع کے یار ہیں اصل یار اللہ رب العزت ہے یا پھر اللہ کے پیارے محبوب ﷺ ہیں یا پھر جن کی زندگی ان کے نقش قدم پر گزرتی ہے اولیاء اللہ۔ اس کے علاوہ ہر ایک کو طمع ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے کوئی تعلق رکھتا ہے رہ گئی بات رشتے داری اور برادری کی ان کو تو اپنے گوشت کا قیمہ بنا کر کھلا دو وہ پھر بھی خوش نہیں ہونگے۔

دنیا کی حقیقت:

انسان کا بہترین لباس ریشم کا لباس ہے جو ایک کیڑے کی تھوک ہے اور انسان کا بہترین مشروب شہد ہے اور یہ ایک مکھی کا لعاب ہوتا ہے۔ مکھی کا لعاب شہد بنا، کیڑے کی تھوک ریشم۔ یہ ریشم اور شہد دنیا کا بہترین لباس اور بہترین مشروب ہے۔ یہ حقیقت ہے دنیا کی جس کے پیچھے لگ کر انسان اپنے مالک کو ناراض کر لے۔ کتنا بڑا نقصان ہے جو

انسان رب کریم کو راضی کر لیتا ہے پھر اللہ رب العزت اسے دنیا میں بھی عزتیں دیتے ہیں اور آخرت میں بھی عزتیں عطا کرتے ہیں۔ جو دنیا کے پیچھے بھاگنے والوں کو نہیں ملتیں۔

فقیری کا مزا شاہی میں نہیں:

دین اسلام میں وہ لذت ہے کہ ایسا تو ہوا کہ وقت کے بادشاہ نے شاہی چھوڑی مصلیٰ سنبھال لیا' فقیری اختیار کر لی لیکن آج تک ایسا نہیں ہوا کہ کسی باخدا فقیر نے مصلیٰ چھوڑ کر شاہی اختیار کر لی جو مزا فقیری میں ہے وہ مزا شاہی میں نہیں ہے۔

اللہ والوں کے خادم:

جو دنیا کے بادشاہ ہیں ان کے خادم عام لوگ ہوتے ہیں اور جو اللہ والے ہوتے ہیں ان کے خادم وقت کے بادشاہ ہوا کرتے ہیں۔ سمرقند میں امیر تیمور کا مقبرہ دیکھنے کا موقع ملا۔ اوپر لکھا ہوا تھا امیر عالم۔ دنیا کا بادشاہ۔ اسے اپنے وقت کا فاتح دنیا کہا جاتا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ جہاں اس کی قبر تھی اس کے بالکل اوپر ایک اور قبر تھی۔ حیران ہو کر پوچھا۔ لوگ کہنے لگے کہ یہ اس کے شیخ کی قبر ہے اس نے وصیت کی تھی کہ جب میں مروں تو مجھے اس طرح دفن کرو کہ میرا سر میرے شیخ کے قدموں کے بالکل قریب ہو دنیا کا فاتح ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ سرہند شریف میں جہاں آرام فرما رہے ہیں وہاں ان کے مقبرے پر جائیں تو ایک کھلی کشادہ سڑک جاتی ہے راستے میں ایک قبر کی وجہ سے اس سڑک کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پھر ایک کر دیا گیا۔ اس عاجز نے وہاں کے سجادہ نشین سے پوچھا کہ اتنی اچھی سڑک جا رہی تھی اس قبر کی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ کہنے لگے جی بات یہ ہے کہ یہ شخص افغانستان کا بادشاہ تھا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا اس نے وصیت کی تھی کہ جب میں مروں تو میرے شیخ کی قبر کو جو راستہ جا رہا ہے مجھے اس راستے پر دفن کرنا۔ اللہ اکبر۔

اللہ والوں کی حکومت:

دنیاداروں کے خادم عام لوگ ہوتے ہیں۔اللہ والوں کے خادم وقت کے بادشاہ ہوا کرتے ہیں بادشاہوں کی عزت ذاتی ہوتی ہے۔ جب کہ اللہ والوں کی عزت دائمی ہوتی ہے۔ بادشاہوں کی حکومت لوگوں کے جسموں پر ہوتی ہے اور اللہ والوں کی حکومت لوگوں کے دلوں پر ہوا کرتی ہے۔

ایک انگریز اجمیر شریف آیا واپس گیا تو اس نے لوگوں کو اپنے تاثرات بتائے۔ کہنے لگے کہ میں نے زندہ لوگوں کو تو حکومت کرتے بہت دیکھا ہے میں اس ملک میں گیا ہوں جہاں ایک مقبرے کو دیکھا کہ قبر میں پڑا ہے اور لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔

صبر جمیل اور ہجر جمیل:

انسان دنیا کے معاملات کو جلدی سمیٹ لیتا ہے ایک صبر جمیل اور ایک ہجر جمیل۔ صبر جمیل کہتے ہیں کہ کوئی بھی کام ہو انسان صبر کر لے شکوہ نہ کرے۔ اگر کسی نے دکھ بھی دیا تو انسان اس سے شکوہ ہی نہ کرے۔ ایک ہوتا ہے مقابلے بازی کرنا' ضد بازی' جھگڑا بڑھا لینا۔ مومن دنیا کی خاطر نہیں الجھا کرتا۔ اگر کہیں پر کوئی تکلیف بھی پہنچی تو صبراً جمیل' صبر کرتا ہے۔ اور صبر کا اجر اللہ رب العزت کے پاس ہے اور اگر بہت ہی زیادہ کوئی ایسا معاملہ ہو تو ہجر جمیل۔ کیا مطلب؟ کہ جدائی بھی ہو تو اچھے انداز سے۔ آج تو تعلق بھی ہوتے ہیں' عداوت بھی چلتی ہے۔ دشمن کے رنگ میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کر رہے ہوتے ہیں۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ دوست کون ہے؟ اور دشمن کون ہے؟ اس دنیا میں انسان کو مختلف طرح کے امتحان سے گزرنا ہوتا ہے' خوشی بھی امتحان ہے اور غم بھی امتحان ہے' مگر اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اگر میرے بندے کو خوشی ملی تو یہ میری بارگاہ میں شکر ادا کرے اور اگر اس کو کوئی غم ملا تو یہ اس پر صبر کر کے میرے نیک بندوں میں شامل ہو جائے۔ شکر کرنے والا بھی جنتی صبر کرنے والا بھی جنتی۔

دنیا ضدین کا مجموعہ ہے:

اس دنیا میں انسان کو مختلف قسم کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے بلکہ یہ دنیا تو ہے ہی ضدین کی جمع۔ علماء نے لکھا کہ ضد سے چیزیں واضح ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر دن نہ ہوتا' رات کی قدر نہ ہوتی۔ اندھیرا نہ ہوتا تو روشنی کی قدر نہ آتی۔ دھوپ نہ ہوتی تو سائے کی قدر نہ آتی۔ بیماری نہ ہوتی تو صحت کی قدر نہ آتی۔ موت نہ ہوتی تو زندگی کی قدر نہ آتی۔ اسی طرح حق و باطل بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اللہ تعالیٰ انسان کو حق کی طرف بلاتے ہیں اور شیطان انسان کو باطل کی طرف دعوت دیتا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان کس کی مان کر زندگی گزارتا ہے۔ آیا نفسانی شیطانی خواہشات کے پیچھے لگ کر زندگی گزارتا ہے یا ان خواہشات کو دبا کر اپنے مالک کی فرمانبرداری کی زندگی گزارتا ہے یہ حق و باطل کی جنگ مخفی طور پر موت تک چلتی رہے گی اس لیے شیطان موت کے وقت اتنا زور لگاتا ہے جتنا وہ لگا سکتا ہے۔

موت کا وقت مشکل ترین وقت:

موت کا وقت انسان کے لیے مشکل ترین وقت ہوتا ہے اس لیے کہ شیطان اگر جیتے جاگتے ہوئے بہکا لیتا ہے تو موت کے وقت جب ہوش بھی پورا نہیں ہوتا اس وقت تو بہکانا اس کے لیے بڑا آسان ہوگا۔ انسان صرف اسی وقت بچتا ہے جب اللہ رب العزت کی مدد شاملِ حال ہوتی ہے ورنہ نہیں بچ سکتا۔

حق و باطل کی کھلی نشانیاں:

قربِ قیامت میں اللہ تعالیٰ حق و باطل کی کھلی نشانیاں بھی دکھائیں گے۔ مثال کے طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تشریف لانا اور دجال کا ظاہر ہونا یہ بھی حق و باطل کا واضح مقابلہ ہے۔ ہم اگر غور کریں تو بڑی مشابہتیں ملیں گی مثال کے طور پر:

☆.....اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا ان کی صورت بشری بنائی اور فطرت ملکوتی بنائی۔ اسکے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے دجال کو پیدا کیا اس کی صورت انسانی بنائی مگر فطرت شیطانی بنائی۔

☆.....اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں میں رکھا۔ قرب قیامت میں ان کو ملک شام کی مسجد کے مینار کے اوپر نزول فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دجال کو پیدا کیا اور ایک جزیرے کے اندر رکھا۔ حدیث پاک میں اس کے لیے یخرج اور یظہر کا لفظ ہے وہ ظاہر ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دوبارہ اتریں گے تو ان کی ادھیڑ پن کی عمر ہوگی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو انہوں نے پیدا ہوتے ہی عبدیت کا دعویٰ کیا۔ جب کہ دجال جب ظاہر ہوگا اپنی الوہیت کا دعویٰ کرے گا۔

☆.....حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں اتنی مال میں برکت ہوگی کہ کوئی بھی زکوٰۃ لینے والا بندہ نہیں ملے گا۔ دجال آئے گا تو اس کے ساتھ اتنی مال کی بہتات ہوگی کہ دنیا کے خزانے اس کے ساتھ چلیں گے۔

☆.....اللہ رب العزت نے عیسیٰ علیہ السلام کو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا کیا۔ اللہ کے اذن سے دجال کو بھی یہی استدراج کے طور پر دیا جائے گا۔ وہ بھی مردوں کو تھوڑی دیر کے لیے زندہ کرے گا۔

☆.....حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پیغام پوری دنیا میں پہنچے گا چناں چہ قرآن پاک کی آیت سے بتا دیا کہ تم کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک کہ سب لوگ ان پر ایمان نہیں لے کر آئیں گے۔ دجال کا فتنہ بھی مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب میں پھیلے گا۔ اس حق و باطل کی جنگ میں بالآخر فتح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہوگی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو مقام لد پر جا کر قتل فرمائیں گے۔

انسان میں حق و باطل کی مخفی جنگ:

مخفی طور پر یہ جنگ ہماری بھی ہو رہی ہے۔ زندگی میں آپ سوچئے ہر انسان کے دل پر اللہ رب العزت نے فرشتے کو متعین کیا جو اس خیر کے جذبے کو ڈالتا ہے۔ ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ شیطان بنی آدم کے دل کے اوپر سے ڈیرے ڈال کر بیٹھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو خیر کی طرف بلا رہے ہوتے ہیں شیطان اس کو برائی کی طرف بلا رہا ہوتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے اوپر خیر غالب آتی ہے یا شر غالب آتا ہے۔ خیر غالب آئے تو اللہ رب العزت کی محبت دل میں آجاتی ہے۔

مٹی سے مانوسیت:

یاد رکھیں کہ مرنے کے بعد مٹی میں جانا ہے زندگی میں ہی مٹی سے مانوس ہو جائیں۔ اپنے نفس کو خود ہی مٹا دیں۔ جو اپنے آپ کو مٹی جیسا بنائے اس کو مسکین کہتے ہیں یہ مسکین لوگ اللہ کو زیادہ پسند ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی محفل میں حاضر ہوتے تو ایک دوسرے کے پیچھے چھپ کر بیٹھتے کہ کپڑے کی پھٹی ہوئی جگہ سے جو جسم ہمارا ظاہر ہے اس پر کہیں محبوب ﷺ کی نگاہ نہ پڑ جائے اوٹ میں بیٹھ جاتے تھے۔ لیکن اللہ رب العزت کے ہاں اتنا مرتبہ کہ نبی کریم ﷺ نے بعض موقعوں پر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے فقرائے مہاجرین کا تذکرہ کیا کہ اے اللہ ان کی برکتوں سے ان دعاؤں کو قبول فرمالے۔

فقراء کی اغنیاء پر فضیلت:

جو شخص دنیا میں اللہ رب العزت سے تھوڑے رزق پر راضی ہو جائے گا اللہ تعالیٰ اس بندے پر قیامت کے دن تھوڑے اعمال سے راضی ہو جائیں گے۔ ایک مرتبہ فقراء کی محفل تھی نبی کریم ﷺ نے ان میں تین باتیں فرمائیں۔ اے فقراء! تم کو تین چیزیں ایسی

نصیب ہیں جو دنیا میں اغنیاء کو حاصل نہیں۔ تمہیں جنت میں ایسی چیزیں اللہ تعالیٰ عطا کریں گے جو چیزیں دنیا میں امیروں کو حاصل نہیں:

☆.....آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے فقراء قیامت کے دن میری امت کے امیروں سے ۵۰۰ سال پہلے داخل کئے جائیں گے۔ اور وہاں ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

☆.....دوسرا فرمایا کہ فقراء کو تسبیح پڑھنے پر اللہ تعالیٰ اس کو وہ اجر عطا فرمائیں گے جو مالدار کو مال کے خرچ کرنے پر بھی نہیں مل سکتا۔ مالدار کو اللہ نے جتنا دیا وہ لٹا رہا ہے اس کا پیشہ خرچ ہو رہا ہے اور وہ دانے پڑھ رہا ہے۔ اس کے دانہ دانہ پڑھنے پر اللہ تعالیٰ اس کو وہ اجر عطا فرمائیں گے جو مالدار کو پیسہ خرچ کرنے پر بھی نہیں ملے گا۔

☆.....تیسری بات فرمائی کہ قیامت کے دن جنت میں فقراء کو اتنے بلند درجے عطا فرمائیں گے کہ مالدار لوگ جنت میں ان کے محلات کو اس طرح سے دیکھیں گے جیسے دنیا میں آسمان کے ستاروں کو دیکھا کرتے ہیں۔

فقراء کی دوستی کا فائدہ:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ فقراء سے دوستی رکھا کرو اس لیے کہ قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا کہ تم سے جنہوں نے دوستی کی یا تم نے جن سے محبت کی تم خود بھی جنت میں داخل ہو جاؤ اور ان کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ روایت میں آتا ہے کہ ایک فقیر سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ وہ کھڑا ہوگا تو فرشتے پوچھیں گے کہ آپ کو تو اجازت مل گئی پھر آپ کیوں کھڑے ہیں تو وہ کہے گا کہ مجھے شرم آرہی ہے کہ میں جنت میں چلا جاؤں اور جن لوگوں نے مجھے کھلایا پلایا وہ ابھی پیچھے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرمائیں گے اور حکم دیں گے کہ جتنے لوگوں نے تم سے محبت کا تعلق رکھا ان کو لے کر جنت میں لے جاؤ۔

ٹھنڈا سانس سو سال کی عبادت کے برابر:

حضرت ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگوں میں گزرے ہیں وہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بندہ غریب ہے اس کی ایک جائز تمنا ہے جو پوری نہیں ہو سکتی کیوں کہ اس کے پاس وسائل نہیں۔ مثلاً ایک غریب آدمی ہے اولاد زیادہ ہے مگر آمدنی کم ہے وہ جائز تمنا پوری نہیں کر پاتا۔ اس وجہ سے ٹھنڈی سانس لے لیتا ہے تو ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جائز تمنا پوری نہ ہونے پر فقیر کا ٹھنڈا سانس لے لینا آدمی کی سو سالہ عبادت کے برابر ہے۔ اللہ اس کی ٹھنڈی سانس پر اتنا اجر دیتے ہیں۔ چناں چہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ:

((اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ اِنْتَظَارُ))

''کہ مصائب کے اندر رحمت الٰہی کا انتظار کرنا عبادتوں میں سے سب سے افضل عبادت ہے''

آپ نے دیکھا کہ اکثر لوگ تذکرہ کرتے وقت کہتے ہیں۔ حضرت بڑی دعائیں مانگتے ہیں۔ حالات نہیں بدلتے۔ پریشانیاں جان نہیں چھوڑتیں۔ اتنی مدت گزر گئی۔ ذرا اس حدیث کو تو سنیں کہ جو آدمی مصائب کے اندر گرفتار ہو کر مانگتا ہو کہ اے اللہ! اس مصیبت کو ختم کر دے تو اس انتظار پر اس کو وہ اجر ملتا ہے جو عبادت کرنے والوں کو عبادت پر بھی نہیں ملتا۔ حالات دنیا کے اعتبار سے اچھے نہ ہوں تو صبر کے ساتھ گزارنے کے بعد اپنے رب کی رضا سے راضی رہے۔ اہل دل اُن کو کہتے ہیں جن کے دل میں اللہ کی محبت ہوتی ہے۔ جن کے دل اللہ کی محبت سے لبریز ہوتے ہیں۔ اس لیے کسی غریب کو یا کسی گنہگار انسان کو کم نظر سے نہ دیکھیں۔ کیا پتہ وہ غریب آدمی اللہ کی نظر میں اس امیر کی نسبت بہت زیادہ پسندیدہ ہو اور کیا پتہ وہ گنہگار آدمی ایسی توبہ کر لے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیں۔

ایک گناہ گار اور ایک عابد کا انجام:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک جگہ جا رہے تھے۔ آپ علیہ السلام نے ایک گنہگار کو دیکھا جو اپنے گناہوں پر بہت نادم اور شرمندہ ہے۔ ذرا آگے ایک عبادت گزار کو دیکھا۔ گنہگار سے پوچھا کہ تمہاری خواہش کیا ہے؟ کہنے لگا کہ بڑے گناہ کئے ہیں بس یہی خواہش ہے کہ مالک معاف فرمادے۔ عبادت گزار سے پوچھا کہ تیری کیا خواہش ہے؟ اس نے کہا کہ میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ میرا حشر نہ کرے اس نے اس گنہگار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمادی کہ اے میرے پیارے روح اللہ! آپ ان دونوں سے کہہ دو کہ ہم نے ان دونوں کی دعاؤں کو قبول کرلیا۔ جو گنہگار مجھ سے رحم طلب کر رہا تھا میں نے اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل کر اس پر جنت واجب کر دی اور عبادت گزار نے دعا مانگی تھی کہ مجھے اس کے ساتھ اکٹھا نہ کرنا اب وہ گنہگار جنت میں پہنچ چکا میں اس عبادت گزار کو جنت کی بجائے جہنم میں داخل کرونگا۔ ہمیں عبادت پر ناز نہ ہو گناہوں سے نفرت ہو گنہگار سے نفرت نہ ہو۔

غریب کی آہ سے ڈرو:

امیروں سے نہ ڈرو غریبوں کی آہ سے ڈرو۔ اس لیے کہ امیر بھاگے گا تو حاکم کے دروازے پر جائے گا اور اگر غریب نے آہ بھر لی تو وہ اللہ تعالیٰ کے دروازہ کو کھٹکھٹائے گا۔ اللہ رب العزت بڑے قدر دان ہیں۔

ایک دفعہ سرداران قریش مکہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے۔ آقائے محبوب ﷺ کی چاہت تھی کہ اگر یہ دین میں آجائیں تو اور بہت سارے لوگ بھی دین میں آجائیں گے۔ چناں چہ آپ ﷺ نے ان کو نصیحت فرمانا شروع کر دی جب ان کو نصیحت فرما چکے تو اس وقت ایک نابینا چلتا ہوا آیا محبوب ﷺ کی خدمت میں طلبگار ہوا کہ مجھے بھی نصیحت کی جائے۔ نبی کریم ﷺ کی ذہن میں یہ بات آئی کہ یہ تو اپنا ہے بعد میں بھی

نصیحت فرما سکتے ہیں قریش مکہ تو آ کر بیٹھے ہیں موقع اچھا تھا۔ جب اس نابینا نے اپنی بات بڑھانے کی کوشش کی تو نبی کریم ﷺ کے دل میں کچھ رنجش پیدا ہوگئی چہرہ مبارک پر بھی غصے کے تاثرات پیدا ہوئے کہ یہ بات ہی نہیں سمجھ رہا۔ محبوب ﷺ کے مبارک چہرے پر جو غصے کے تھوڑے سے آثار آئے اللہ رب العزت نے ان کے بارے میں قرآن مجید میں آیت اتار دی۔ اپنے محبوب ﷺ سے محبوبانہ خطاب فرما دیا:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰی ○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ○ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهُ یَزَّكّٰی ○ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ○ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ○ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ○ وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی ○ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی ○ وَهُوَ یَخْشٰی ○﴾ (سورۃ عبس: ۱ تا ۹)

اور وہ بندہ جو دوڑا ہوا آپ ﷺ کی طرف آیا وہ تیز تیز چل کر آیا۔ دیکھو طلب ہو تو ایسی کہ بندہ نیک محفل میں جائے تو تیز تیز چل کر جائے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیسے آئے کہ "وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ" ایک تو یہ صفت کہ طلب ایسی کہ تیز تیز محفل میں آئے اور دوسری خاص صفت یہ کہ "وَهُوَ یَخْشٰی" کہ دل کے اندر خشیت تھی۔ ایسے بندے کی اللہ کے ہاں بڑی قدر ہوتی ہے ایسی عزت اللہ تعالیٰ نے عطا کی کہ اس کے بعد جب بھی وہ صحابی رضی اللہ عنہ آتے روایات میں آتا ہے کہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ وہ صحابیؓ آئے تو اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر بچھا دیا کرتے تھے۔ سرداران قریش اپنی جگہ پر، مسکین غریب نابینا اپنی جگہ۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں پیمانہ دل میں خشیت ہو، طلب ہو، اللہ کی محبت ہو، ظاہری حالت اس کی غریبوں والی بھی ہے تو اس سے اللہ کے ہاں انسان کے درجے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بڑے بوجھ والے لوگ:

آج پیمانے بدل گئے جس کے پاس مال ہوتا ہے کہتے ہیں جی بڑے لوگ ہیں ان کے گھر بڑے ہیں۔ کوٹھیاں ہوں تو کہتے ہیں کہ یہاں بڑے لوگ رہتے ہیں ان کے دلوں

میں دنیا کی بڑائی ہے۔ دنیا والے ان کو بڑے لوگ کہتے ہیں وہ بڑے لوگ نہیں ہوتے وہ بڑے بوجھ والے لوگ ہوتے ہیں۔ بے چاروں کو پتہ نہیں کتنا وقت لگے گا؟ حساب کتاب دینے میں۔

مالدار یا مال کے چوکیدار:

کئی اوروں کو دیکھا کہ مالدار ہوتے ہیں اور کچھ وہ جو مال کے چوکیدار ہوتے ہیں۔ مالدار کون ہے؟ مالدار وہ ہے جسے اللہ رب العزت بہت زیادہ دے اور وہ دونوں ہاتھوں سے اس کو دین کے کاموں میں لٹا رہا ہے' یہ حقیقی مالدار ہے۔ جو اس کو آخرت میں خرچ کر رہا ہے۔ اور جو عیش دیکھتا رہتا ہے خوش ہوتا رہتا ہے یہ بندہ مالدار نہیں مال کا چوکیدار ہے۔ جمع کر کے مر جائے گا۔ اولاد عیش کرے گی قیامت کے دن حساب دینا پڑے گا۔

عزت والا کون؟

ہم دوسرے کی شخصیت میں نیکی دیکھیں اور اس کو عزت دیں مال کی وجہ سے عزت نہ دیں۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَاللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾ (سورۃ حجرات:۱۳)

ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''جس بندے نے مالدار بندے کی عزت اس کے مال کی وجہ سے کی اس کا تیسرا حصہ ایمان کا ضائع ہو گیا۔'' ہماری نظر میں عزت شریعت کی وجہ سے ہو' نیک اعمال کی ہو' جس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت ہو اس کی عزت ہو۔

اللہ تعالیٰ اخلاص کو دیکھتے ہیں۔

جتنے اعمال ہم لوگ کرتے ہیں وہ بخشوانے کے لیے کم ہیں۔ اخلاص کی کمی ان کو کم بنا

دیتی ہے اگر اخلاص کم نہ ہو تو جتنے اعمال کر رہے ہیں ذکر فکر والے یہ بخشوانے کے لیے کافی ہیں مگر چوں کہ اخلاص نہیں ہوتا ریا کاری آجاتی ہے اس لیے بڑے اعمال کے باوجود اس کا فائدہ نہیں اٹھا پاتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اخلاص کو دیکھا جائے گا۔ مخلص بندہ دو رکعت پڑھے گا اتنا اجر ملے گا کہ غافل بندے کو ہزاروں رکعت پڑھنے پر وہ اجر نہیں ملے گا۔ اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ متقی آدمی کی دو رکعت پر اللہ تعالیٰ اسے اتنا اجر دیتے ہیں جو غیر متقی کی ہزار رکعت پر نہیں دیتے تو اخلاص میں کمی نہ ہو اگر اخلاص کم ہوا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں عمل قبول نہیں ہوگا۔

اخلاص کی کمی پر اجر کی کمی:

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کر رہے تھے کہ رات خواب میں دیکھا کہ قرآن مجید ہے جس کے اوپر سنہری حروف کیساتھ قرآن لکھا ہوا ہے۔ سورۃ طٰہٰ خواب میں بھی پڑھی بڑے خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کا اجر لکھ دیا گیا۔ جب شوق شوق سے دیکھ رہے تھے تو ایک صفحے پر دیکھا کہ ان میں کچھ آیتوں کی جگہ خالی ہے تو خواب میں بڑے حیران ہوئے کہ یہ جگہ خالی کیوں ہے سوچتے رہے تو بالآخر اللہ تعالیٰ نے یہ مدد فرمائی خواب میں ہی خیال آیا کہ ہاں میں تلاوت کر رہا تھا جب ان الفاظ کو میں پڑھ رہا تھا تو ایک واقف بندہ قریب سے گزرا تو میرے دل میں خیال آیا کہ میری تلاوت کو سن کر خوش ہوگا اتنے میں خیال پیدا ہونے پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کی تلاوت کے اجر سے محروم فرما دیا۔ کہ دل میں یہ کیوں خیال ہوا کہ یہ سن کر خوش ہوگا۔ پتہ چلا اخلاص کی کمی عملوں کو کم کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں دستور ہے کہ جتنا زیادہ خلوص اتنا اجر زیادہ ہوگا۔

وزن اعمال کی سائنسی توجیہہ:

آج سائنس کی دنیا ہے۔ کئی باتیں سائنس کی وجہ سے سمجھنے میں آسان ہوتی ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ جو بخاری شریف میں آخری حدیث لائے۔ اس میں انہوں نے وزن

اعمال کا تذکرہ کیا ہے۔ چناں چہ صحیح بخاری کی اکثر محفلوں میں درس حدیث دینے والے اکثر عالم وزن اعمال پر خوب تفصیل سے بات کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اعمال کو تولا جائے گا۔ پہلے دور میں اشکال کیا کرتے تھے کہ اعمال کیسے تولیں گے۔ ان کو بھی تولا جاسکتا ہے آج کے دور میں تو گرمی کو بھی تولا جاسکتا ہے سردی کو بھی تولا جاسکتا ہے۔ تھرمامیٹر کے ذریعے۔ ہوا میں نمی کتنی ہے اس کو بھی تولا جاسکتا ہے۔ ہر چیز کی پیمائش کے پیمانے بن گئے ہیں کہ ان کو کیسے تولا جاسکتا ہے؟ لیکن ذرا سائنس کی بات پر غور کریں تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اعمال کو تولا جاسکتا ہے۔

سائنسی نقطہ سے فارمولا یہ ہے کہ ایک کمیت ہوتی ہے اور ایک کشش ثقل ہوتی ہے۔ فارمولا لکھتے ہوئے کمیت کو m لکھتے ہیں اور کشش ثقل کو g لکھتے ہیں۔ m اور g کو ضرب دیتے ہیں تو کسی بھی چیز کا وزن نکل آتا ہے۔ چناں چہ اگر ایک آدمی زمین پر ہے تو زمین کی کشش ثقل کے مطابق اس کا وزن ہوگا۔ وہی آدمی اگر چاند پر چلائے تو چوں کہ اس کی کشش ثقل وہاں کم ہوگی اسی بندے کا وزن وہاں جا کر کم ہوگا اور وہی بندہ اگر مریخ پر چلا جائے تو وہاں کشش ثقل بہت زیادہ ہوگی۔ اسی بندے کا وزن وہاں کئی گنا زیادہ ہوگا۔ بندہ وہی ہے کشش بڑھنے سے وزن بڑھ جاتا ہے اور کشش کے گھٹنے سے وزن کم ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بندہ اگر خلاء میں چلائے جائے جہاں کشش ہے بھی نہیں تو وزن ہونے کے باوجود اس بندے کا وزن نہیں ہوتا۔ حالاں کہ وزن ہے لیکن کشش نہ ہونے کی وجہ سے کتنے ہلکے وزن بن گئے تو سائنس کی بات نے بات کو کھول کر رکھ دیا کہ:

قیامت کے دن جس بندے میں ایمان کی کشش ہوگی اس کے اعمال وزن والے ہونگے اور جس کے اندر ایمان کی کشش نہیں ہوگی پہاڑوں کے برابر بھی خیر کے اعمال کیے ہونگے اللہ کے ہاں کوئی وزن نہیں ہوگا۔ قیامت کے دن کافروں کے عملوں کا کوئی وزن ہی نہیں ہوگا۔

﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ (الکہف:۱۰۵)

ترجمہ: ہم قیامت کے دن ان کے اعمال کا کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

یہ نہیں فرمایا کہ قیامت کے دن ان کے اعمال کو پیش نہیں کریں گے۔ پیش تو کریں گے کسی کی ہمدردی کی ہو سپٹل بنوا دیا یا کسی غریب کی مدد کی یہ سب اچھے کام ہیں لیکن ان اچھے کاموں کا وزن نہیں ہوگا اس لیے کہ ان کے اچھے کاموں کے اندر ایمان کی کشش نہیں ہوگی جب ان کی gm زیرو ہے تو پھر کیت ساری دنیا سے زیادہ ہو جائے پھر بھی وزن زیرو ہی کہلائے گا۔ سبحان اللہ دیکھئے اللہ رب العزت نے کیسی عجیب بات فرمادی کہ ہم ان کافروں کے عملوں کا وزن ہی قائم نہیں کریں گے۔

معلوم ہوا کہ ایمان اور اخلاص یہ کشش کی مانند ہیں۔ یہ Gravitational force ہیں جتنی زیادہ اس کو ہم بڑھاتے جائیں گے۔ اسی قدر ہم اجر زیادہ پائیں گے اور اگر اخلاص اور ایمان میں کمی آتی جائے گی اسی قدر عمل کے اجر ملنے میں کمی ہوتی جائے گی۔

اجتماع کا بنیادی مقصد:

ہمارے اس اجتماع کا بنیادی مقصد اپنی زندگی میں اخلاص کو بڑھانا ہے ہر بندہ جو اس اجتماع میں حاضر ہوا اس کا اپنی زندگی کو دیکھنا ہے کہ کیا میرا ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہو رہا ہے۔ یا دنیا کی واہ واہ کے لیے ہو رہا ہے۔ یہ ایک غم ہے جو آپ اپنے دلوں میں لے کر یہاں تشریف لائے ہیں۔

لہٰذا گزارش یہ ہے کہ اس قیام کے دوران دنیا کے تذکروں سے پرہیز کیجئے۔ یہ جو دنیا کا Topic اتنا کھول کر بیان کیا۔ اللہ رب العزت کو اتنی ناپسند ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((اَلدُّنْيَا مَلْعُوْنَةٌ))

دنیا ملعونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب سے اسے پیدا کیا آج تک اس کو خوشی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ یہاں آ کر بھی دنیا کے ہی تذکرے کرتے ہیں تو شیطان کوشش کرے گا کہ جہاں جس کمرے میں آپ مل کر بیٹھے ہیں وہ اس کمرے میں ایک دوسرے کو کوئی ادھر کی بات سنائے گا کوئی ادھر کی بات سنائے گا۔ یہاں دنیا کے تذکرے کرنے نہیں آئے۔ باوجود اس کے کہ آپ ایک دوسرے کے قریب رہائش رکھتے ہیں۔ ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں دنیا کے تذکرے زبان سے ختم کر دیجیے۔

اجتماع میں وقت کیسے گزاریں:

یہ جو دو دن کا وقت ہے ان دنوں میں دلوں کو اللہ کی طرف متوجہ رکھئے۔ وقوف قلبی رابطہ قلبی کے ساتھ اپنا وقت گزاریئے۔ دن رات ایک غم لگا ہو ایک فکر لگی ہو جیسے معتکف آدمی اعتکاف میں بیٹھتا ہے۔ سمجھتا ہے یہ وقت میں نے اللہ کے لیے وقف کر دیا آپ بھی گویا یہ چند دن اللہ کے لیے وقف کر چکے ہیں۔ اس لیے وقت آپ کا وقت نہیں ہے۔ آپ مسجد میں ہوں تو بھی اللہ کی طرف توجہ رکھئے آپ کھانے کی طرف تشریف لے جائیں تو دارالعلوم میں پھر بھی' ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان رکھئے۔ کھانا کھاتے ہوئے اپنا دھیان اللہ کی طرف رکھئے۔ جب آپ اللہ کے دھیان میں اپنا وقت گزاریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ تین دن میں اتنا فائدہ ہوگا آپ محسوس کریں گے کہ میرے اندر سے دنیا کی طلب گھٹ گئی اللہ رب العزت کی طلب بڑھ گئی آپ اللہ تعالیٰ کی محبت سے بھرے ہوئے دلوں کو واپس لے کر جائیں گے۔ شیطان کوشش کرے گا کہ وہ دنیا میں الجھنیں پیدا کرے تو اپنے آپ کو الجھنیں نہ دیجیے گا۔ اگر کوئی دنیا کی بات کرے بھی تو اسے منع فرما دیجیے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

((اَلدُّنْیَا یَوْمٌ وَلَنَا فِیْهَا صَوْمٌ))

دنیا ایک دن کی ہے اور ہم نے اس ایک دن میں روزہ رکھا ہوا ہے۔

اور ویسے بھی یہ بڑے قیمتی دن ہیں۔آج کی رات ۱۵شعبان المعظم کی رات ہوگی اور اس رات میں آئندہ پورے سال کا بجٹ بنایا جاتا ہے۔آسمانوں پر اس کی اپنی اہمیت ہے اس وقت کو غنیمت سمجھئے یادالٰہی میں گزاریئے کیا معلوم کہ یہ تین دن اللہ رب العزت کے ہاں ہماری بخشش کا ذریعہ بن جائیں۔

چنے ہوئے لوگوں کا مجمع:

اجتماع میں معلوم نہیں کہاں کہاں سے دوست احباب تشریف لائے ہیں اس محفل کی دعائیں قسمت سے ہمیں ایک دفعہ پھر مل گئیں ہیں کہ زندگی میں ہماری دعائیں قبول ہونے کے قابل نہیں تو اس محفل میں کتنے لوگ ہیں جو اخلاص والے لوگ ہیں۔بھئی ہم گنہگار ہیں تو نیک لوگ بھی تو یہاں آئے ہوئے ہیں کیا پتہ ان نیکیون کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں بھی قبول فرمالیں۔الحمد للہ دوست احباب خط لکھتے ہیں تو ان کے درود وظائف اتنے اچھے ہوتے ہیں۔

ایسے لوگ بھی اس مجمعے میں ہیں جو ہزار بار کلمے کا ذکر کرتے ہیں۔

ایسے بھی ہیں تو روزانہ سات ہزار بار کلمے کا ورد کرتے ہیں۔

ایسے بھی ہیں جو روزانہ دس ہزار بار لا الہ الا اللہ کا ورد کرتے ہیں۔

ایسے بھی لوگ ہیں جو روزانہ ایک پارہ پڑھتے ہیں۔

ایسے بھی لوگ ہیں جو روزانہ ایک منزل پڑھتے ہیں۔

ایسے بھی لوگ ہیں جو روزانہ پندرہ پارے پڑھتے ہیں۔

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ جن کا معمول ایک قرآن پاک روز پڑھنے کا ہے یا وہ جانتے ہیں یا ان کا شیخ جانتا ہے۔

ایسے نہیں یہ اُٹھ کر آگئے ہیں۔الحمد للہ چنے ہوئے لوگوں کا مجمع ہے دل میں اللہ کی محبت ہے۔چناں چہ ایسے بھی ہیں جن کو خواب میں نبی ﷺ کی ایک بار نہیں دو بار نہیں

درجنوں بار زیارت ہو چکی ہے۔ایک ایسے بھی بزرگ ہیں کہ جن کو زندگی میں سو مرتبہ سے زیادہ بار اللہ کے محبوب ﷺ کا دیدار ہو چکا ہے ایک ایسے بھی ہمارے دوست ہیں ابھی ملاقات نہیں ہوئی پتہ نہیں آئے ہیں کہ نہیں وہ حالات اپنے لکھتے ہیں کہ میری زندگی کا کوئی ہفتہ نبی کریم ﷺ کے دیدار کے بغیر نہیں گزرتا ایسے بھی اس مجمع میں ہیں کہ ہمیں زندگی کے گیارہ سالوں میں ایک دن بھی تہجد کی نماز قضا نہیں ہوئی ۔ سب تو ایک جیسے نہیں ہیں پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس محفل میں پہنچا دیا تو ہم اس کا فائدہ اُٹھائیں یہ باتیں عام طور پر کی نہیں جاتیں لیکن آپ دوستوں کی ترغیب کے لیے ہے احساس ہو کہ ہم کس مجمع میں وقت گزار رہے ہیں۔

اپنے وقت کو قیمتی بنائیں:

ہم بھی اس وقت کو قیمتی بنائیں ماں کے پیٹ سے بن کر کوئی نہیں آتا اس دنیا میں اپنے آپ کو بنانا ہے یہ تین دن یوں سمجھ لیں کہ ہم نے اپنے آپ کو بنانے میں وقف کر دیئے ہیں اگر ہمیں معمولات میں کمی کا شکوہ ہے تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ اللہ تعالیٰ ان میں استقامت عطا فرما دیں ۔اگر ہم اپنے نفس کے سامنے اپنے آپ کو عاجز محسوس کرتے ہیں تو تہجد کے وقت اٹھ کر اپنے رب کے سامنے اپنی فریاد کریں۔اس طرح آپ ذوق وشوق سے وقت گزاریں گے تو رب کریم کی رحمتیں ہوں گی دعائیں قبول ہونگی۔

ازلی دشمن سے ہوشیار!!!

ہم دو دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں ایک اندرونی ایک بیرونی دشمن شیطان ہے اندرونی دشمن ہمارا نفس ہے ہمارا دشمن شیطان ہمیں دیکھتا ہے ہم اس دشمن کو نہیں دیکھتے۔ ایسا دشمن ہے۔ہم کھانے پینے میں ضروریات میں مشغول ہو جاتے ہیں وہ ایسا ملعون ہے کہ اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے ہم سو جاتے ہیں اس کو نیند بھی نہیں آتی وہ ہر وقت

ہمیں گرانے کے لیے مکر دیتا ہے۔ازلی دشمن ہے جب اجتماع کا وقت ہو تو محفل میں بیٹھے ایسے دوستوں کو دیکھا کہ جب سونے کے لیے کہا جاتا ہے تو باتیں شروع کر دیتے ہیں۔اور چوں کہ رات جاگتے ہیں اس لیے جب صبح کا درس ہوتا ہے تو ان کو مراقبے کی شکل میں نیند آرہی ہوتی ہے۔اپنے انفرادی اعمال کریں۔اپنی انفرادی تلاوت اپنی تسبیح اپنے اعمال۔ اپنے معمولات کو پورا کریں پھر اس کی برکتیں دیکھیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے یہاں اکھٹا ہونے کو قبول فرمالے اور اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ہم سب کی بخشش فرما دے اور اللہ رب العزت ہم عاجز مسکینوں کے ٹوٹے پھوٹے نیک عملوں کو قبول فرمالے اور ہمیں اپنی حقیقت سے آگاہ کر دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○

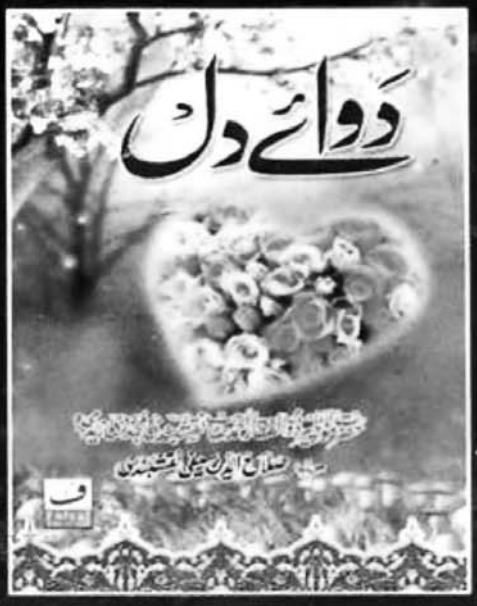

9 789860 005772 001500

Faisal International

Importer & Exporter

pasbanehaq

FAISAL INTERNATIONAL

1775, Patudi House, Daryaganj New Delhi.110002

Phones : 011- 65028837,1336-224110, 09953678600 Fax 1336-223339

e-mail : faisalexim@gmail.com, website : www.faisal.co.in